اصلاحی، انقلابی، پرتاثیر بیانات کا حسین مجموعہ

بزمِ منوّر

جلد: اوّل

خطبات

واعظ شیریں بیاں حضرت مولانا منور حسین ابن عبد اللہ صاحب سورتی دامت برکاتہم

امام وخطیب جامع مسجد بالہم، لندن، یوکے

زیر سرپرستی

مفتی محمد طاہر صاحب سورتی دامت برکاتہم

امام وخطیب چوڑگر مسجد وشیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ وقف صوفی باغ، سورت، گجرات، انڈیا

جدید ترتیب وتہذیب

(مولانا) عبد السلام ابراہیم مارویا، لاجپوری

خادم مسجد قبا، اسٹامفورڈ ہل، لندن، یوکے

ناشر

حضرت حافظ عبد الغفور بن عبد المجید شیخ صاحب دامت برکاتہم

مہتمم شیخ جامعہ احمد اللہ و مرکزی دار العلوم پال، ضلع سورت، گجرات، انڈیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام کتاب : بزم منور (جلد: اوّل)

خطبات : واعظ شیریں بیاں حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی دامت برکاتہم

زیر سرپرستی : مفتی محمد طاہر صاحب سورتی دامت برکاتہم

جدید ترتیب وتہذیب : (مولانا) عبدالسلام ابراہیم مارویا، لاجپوری
خادم مسجد قبا، اسٹامفورڈ ہل، لندن، یو کے

ناشر : حضرت حافظ عبد الغفور بن عبد المجید شیخ صاحب دامت برکاتہم

تیسرا ایڈیشن : محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۷ء

صفحات : ۳۹۶

ملنے کے پتے
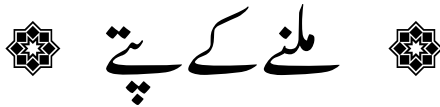
(۱) مرکزی دارالعلوم پال، ضلع سورت، گجرات، انڈیا 0091-0261-2840120

(۲) مولانا محمد انور مصری صاحب (اسلامک بک ڈپو) 091 - 9825793711
نزد جامع مسجد، چوک پازار، سورت، گجرات، انڈیا

(۳) **دار الحمد** ریسرچ انسٹیٹیوٹ، سوداگر واڑہ، سورت، گجرات، انڈیا 091 - 9173103824

(۴) (مفتی) محمد امین اُدھنا، امن سوسائٹی، ادھنا، سورت 091 - 9909279863

المحتویات

فہرستِ مضامین

۷ قرآن صحیفۂ انقلاب

۸ ایمان کی شیرینی

۱۱ معراج نبوی تفصیلی واقعہ

۱۵ پیارے نبی کے پیارے اخلاق

تمت

☆☆☆☆☆☆

کلماتِ دعائیہ

از: فقیہ النفس وقار سادات

حضرت مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری صاحبؒ

محترم ومکرمی جناب مولانا منور حسین سورتی صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعد سلام مسنون بندہ الحمد للہ بخیر ہے۔ خدا کرے آپ بھی بخیر ہوں۔ پیرانہ سالی کی بناء پر ضعف میں اضافہ ہو رہا ہے اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں آنکھوں سے معذور ہوں اور پیروں سے بھی مجبور ہوں جس کی وجہ سے نہ پڑھ سکتا ہوں اور نہ لکھ سکتا ہوں، البتہ میں نے بزم منور کے مضامین کو بعض بعض مقام سے پڑھا کر سنا ہے۔ ماشاء اللہ کتاب بہت اچھی ہے اور مضامین دل آویز ہیں۔ لوگوں کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ لہذا اس کو شائع کیا جائے تاکہ عوام الناس مستفیض ہوں اور آپ کے لئے صدقہ جاریہ۔

اللہ تعالیٰ اس کے فیض کو عام کرے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا کرے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نظر ثانی کے لئے عزیزم مفتی اکرام الحق سلمہٗ کو بتلایا جائے تو بہتر ہوگا۔

احقر سید عبد الرحیم لاجپوری

بقلم: سید نصیب الدین غفرلہٗ

الحمد للہ پچھلی تمام جلدیں جو پاکستان سے شائع ہوئیں، حضرت مفتی اکرام الحق صاحب زید مجدہٗ نے مکمل نظر ثانی وتصحیح فرمائی، دوبارہ اشاعت کے وقت پانچ جلدوں پر مکمل نظر ثانی وتصحیح حضرت مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ کے معتمد مفتی طاہر صاحب سورتی نے تصحیح وتصویب فرمائی۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء (از: مرتب)

تشکر و امتنان

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا...... امابعد! اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے از سرنو دوبارہ ''بزم منور'' قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت نصیب فرمائی۔ اس توفیق پر بندۂ عاصی پر معاصی کا رواں رواں فرحت وانبساط سے معمور ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کا کس زبان سے شکر ادا کروں اسی کے فضل وکرم سے اور اس کے بعد اہل اللہ کی دعا و توجہات سے ''بزم منور'' کی اشاعت کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا ہے۔

''بزم منور'' کی اشاعت کا سلسلہ دسمبر ۱۹۹۷ء سے شروع ہوا تھا اور دیکھتے دیکھتے دس جلدیں منظر عام پر آ گئیں۔ الحمدللہ! یہ خطبات عوام وخواص خصوصاً دارالعلوم کے طلباء کرام میں خاصے مقبول ہوئے جیسے جیسے جلدیں منظر عام پر آتی رہیں بعض احباب مفید مشوروں سے نوازتے رہے اور بہت سی جگہ اصلاح بھی فرمائی۔ اور کئی احباب و اکابرین نے اسے دوبارہ شائع کرنے کا بھی اصرار فرمایا اور بہت سی باتوں کی تصحیح کرنے نیز اس پر حوالہ جات نقل کرنے کا حکم فرمایا۔

اس سلسلہ میں گرامی قدر محبّ مکرم مولانا عبدالسلام ابراہیم مارویا، لاجپوری امام و خطیب، مسجد قبا، اسٹامفورڈ ہل، لندن کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے، باوجود بہت سی دینی خدمات انجام دیتے ہوئے از سرنو تصحیح وترتیب اور حوالہ جات نقل فرمائے نیز بہت سی جگہ ترمیم و اضافہ فرما کر ''بزم منور'' کو واقع میں ''بزم منور'' بنا دیا۔ حق تعالیٰ شانہ اپنی شایان شان دونوں

جہاں میں ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

بندۂ ناکارہ نہ تو کوئی مقرر ہے، نہ واعظ، نہ دارالعلوم کا استاذ ہے، بس بندہ تو مکتب کی لائن کا ایک ادنیٰ خادم ہے۔ بندہ تو لکیر کا فقیر ہے، علم وعمل کا دامن تنگ ہونے کا احساس بھی ہے اور اعتراف بھی ہے۔ اس لئے خطباء وائمۂ مساجد کی خدمت میں نہایت ادب واحترام سے عرض کروں گا کہ آپ حضرات ''بزم منور'' کے مطالعہ کے دوران اگر کوئی غلطی محسوس فرمائیں تو اصلاح فرمائیں۔ ان شاءاللہ آپ کی طرف سے کی گئی نشاندہی اور مفید مشوروں کی قدر کروں گا اور آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی پوری کوشش کروں گا۔

تمام حضرات سے عاجزانہ ومؤدبانہ التجاء ہے کہ مجھ حقیر کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس عاجز کی خدمات کو قبول فرمائے اور اپنے وقت پر حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔

اس جلد اول کو منظر عام پر لانے میں جن جن حضرات نے جس لائن سے بھی جو بھی تعاون کیا اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور سب کی ہدایت اور نجات کا ذریعہ بنائے اور سب کے حق میں اس کو اللہ تعالیٰ صدقۂ جاریہ بنائے۔

احقر الناس

طالب دعا

(حضرت مولانا) منور حسین سورتی (صاحب، دامت برکاتہم العالیہ)

امام وخطیب جامع مسجد بالہم، لندن، یوکے

۲۷؍جمادی الآخر ۱۴۳۶ھ مطابق ۸؍اپریل ۲۰۱۵ء

انتساب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اگر میری یہ طالب علمانہ حقیر کاوش واقعۃً کسی افادیت کے قابل ہے اور کسی کو ذرہ برابر بھی علمی فائدہ ہوا ہو، تو یہ میرے **مخلص اساتذۂ کرام** -جن کے سایۂ عاطفت میں میں نے الف، با سے درجۂ علیا تک زانوئے تلمذ طے کئے ہیں۔- نیز میرے **والدین** -جنہوں نے فقر وافلاس وناداری کی حالت میں بھی مجھے ۱۲/سال تک دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیا تھا۔- نیز میرے **مخلص روحانی پیشواؤں** خصوصاً **حضرت اقدس مولانا محمد سعید صاحب راندیری** نور اللہ مرقدہٗ (سابق مدیر جامعہ حسینیہ راندیر) نیز **حضرت اقدس مولانا احمد اللہ صاحب** نور اللہ مرقدہٗ (سابق شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر) نیز **حضرت مولانا اسماعیل موٹا صاحب** نور اللہ مرقدہٗ (سابق مدیر جامعہ حسینیہ راندیر) نیز میرے خسر **حضرت مولانا اسلام الحق صاحب** قدس سرہٗ نیز **مفتی اسماعیل واڈی والا صاحب** قدس سرہٗ نیز میرے مشیر خاص **حکیم سعد رشید اجمیری** رحمۃ اللہ علیہ نیز ہندوستان کی قدیم مشہور دینی درسگاہ مادر علمی **جامعہ حسینیہ راندیر** کا فیض اور ان ہی حضرات کی توجہ، تربیت اور دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

از

(حضرت مولانا) منور حسین سورتی (صاحب، دامت برکاتہم العالیہ)

امام وخطیب جامع مسجد بالہم ،لندن، یوکے

عرض ناشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسوله الکریم، امابعد! محترم ومکرم قارئین بزم منور سے گذارش ہے کہ میرے تایا جان حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ راندیری صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، خصوصاً اہل گجرات کے لئے۔ حضرت تایا جانؒ نے نصف صدی سے بھی زیادہ مادر علمی گجرات کی مشہور قدیم دینی درسگاہ جامعہ حسینیہ راندیر میں قال اللہ قال الرسول کا درس دیا اور سورت و گجرات میں شاید کوئی شہر یا دیہات یا قصبہ ہو جہاں حضرتؒ کی تقریر و وعظ نہ ہوئی ہو، الحمد للہ تایا صاحبؒ کا فیض ہند و بیرون ہند سورت، گجرات، ساؤتھ افریقہ، انگلینڈ، خصوصاً ریونین (فرانس)، کنیڈا اور امریکہ میں خوب پہنچا، الحمد للہ علیٰ ذالک۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

حضرت تایا صاحبؒ کے سینکڑوں و ہزاروں شاگرد گجرات، ہندوستان اور بیرون ممالک میں خصوصاً ساؤتھ افریقہ، انگلینڈ، کنیڈا اور امریکہ، ریونین میں درس و تدریس، امامت وخطابت، تالیف وتصنیف کے میدان میں امت مسلمہ کی قیادت کرتے ہوئے گراں قدر خدمات انجام دیتے رہے اور دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور حضرت تایا صاحبؒ کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائے، آمین۔

حضرت تایا صاحبؒ کے ایک محبوب شاگرد اور اساتذۂ جامعہ حسینیہ کے منظور نظر، میرے دوست، شہر سورت کے نامور عالم دین مولانا منور حسین ابن عبداللہ سورتی زید لطفہٗ بھی

ہیں، جنہوں نے فراغت کے بعد تا یا صاحبؒ اور مفتی اسماعیل واڈی والا صاحبؒ کے حکم پر شہر سورت کے باشندہ ہونے کے باوجود دیوا جیسے چھوٹے دیہات میں چار سال تک امامت و تدریس کی پاکیزہ خدمت انجام دیتے رہے۔ بعد ازاں انگلینڈ کے شہر لندن کی جامع مسجد بالہم والوں نے ۱۹۸۵ء میں رمضان المبارک میں قرآن کریم کی تفسیر کے لئے بلایا، بعد ازاں بالہم والوں نے مستقل مولانا کا تقرر کرلیا، اس وقت سے مولانا بالہم ہی میں دینی تبلیغی خدمت انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے، اور نظر بد سے ان کی حفاظت فرمائے، اور مولانا کو مرتے دم تک اس مبارک کام کے لئے قبول فرمائے۔

مولانا موصوف کی اکثر و بیشتر بالہم و اطراف میں کی گئی اصلاحی و پر تاثیر، انقلابی تقاریر کا مجموعہ بزم منور کے نام سے پاکستان میں جامعہ ابو ہریرہ سے اور ہند میں دیوبند کے مطبع دار اشاعت سے کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے، اب دوبارہ جامعہ حسینیہ کے ایک ہونہار فاضل مفتی محمد امین ادھنا نے ترتیب دیا ہے، مولانا کی اجازت سے ہمارا مدرسہ جامعہ شیخ احمد اللہ اسے شائع کرنے جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ ان مواعظ کو محبوبیت و مقبولیت سے نوازے اور مولانا کے حق میں نیز ادارہ جامعہ شیخ احمد اللہ کے حق میں اراکین کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائے اور مولانا کے والدین و اساتذۂ کرام جو حیات ہیں اللہ تعالیٰ صحت، قوت، عافیت کے ساتھ ان کی عمر دراز فرمائے اور جو اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، اور کروٹ کروٹ ان کو چین سکون نصیب فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

العبد الضعیف حافظ عبد الغفور، شیخ غفرلہٗ
ناشر و مہتمم شیخ جامعہ احمد اللہ و مرکزی دار العلوم، پال

عرضِ مرتب

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

الحمد للّٰہ رب العالمین و العاقبۃ للمتقین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ سید المرسلین و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین. امابعد!

حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی دامت برکاتہم جو اسم با مسمّٰی ہیں۔"جامع مسجد بالہم" لندن، یو کے کے امام وخطیب ہیں اور اس علاقہ کی ہر دل عزیز شخصیت ہیں۔پچھلے تقریباً تیس (۳۰) سالوں سے "بالہم کی جامع مسجد" میں امامت وخطابت کے فرائض بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے، اور ان سے آئندہ بھی دین کا عافیت کے ساتھ خوب کام لے، اور اس کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور فرمائے۔

برطانیہ میں اور وہ بھی لندن جیسے شہر میں، جہاں مختلف ملکوں اور مختلف زبانوں کے بولنے والے اور مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ قیام پذیر ہیں اور جن کا حضرت کی مسجد میں بھی آنا جانا ہے، ان کے درمیان اتنا لمبا عرصہ ایک ہی جگہ۔ جو "یک در گیر محکم بگیر" کی عملی مثال پیش کرتا ہے۔ دینی خدمت میں گذار دینا میرے نزدیک کرامت سے کم نہیں۔

حضرت مولانا دامت برکاتہم کے جو خطبات جمعہ کے دن جمعہ کی نماز سے پہلے اور رمضان المبارک میں اسی طرح عیدین اور متبرک راتوں میں ہوتے تھے ان کو قدردان حضرات نے۔ جن کی اب بہت ہی کمی ہے۔ کیسیٹ اور سی، ڈی، میں محفوظ کیا۔ اور پھر احباب کی طرف سے تقاضا ہوا کہ اس کو کتابی شکل دے دی جائے تا کہ اس کا فائدہ عام وتام اور

دیر پا ہو جائے اور حضرت دامت برکاتہم کے لئے صدقۂ جاریہ کی ایک شکل بھی ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور یہ خطبات کتابی شکل میں پہلے پاکستان سے ''بزم منور'' کے نام سے اور پھر ہندوستان سے ''خطبات منور'' کے نام سے شائع ہوئے اور قدر دان حضرات نے اس کو بنظر تحسین دیکھا اور اس کو اپنے گھر کی لائبریری اور اپنے کتب خانہ میں اور اپنے دل میں اس کو جگہ دی۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان خطبات نے خطبات کی کتابوں میں اپنا ایک الگ مقام حاصل کرلیا اور اب علماء وطلباء اور دینی ذوق رکھنے والے حضرات اس سے بھرپور استفادہ کر رہے ہیں۔

مجھے خوب یاد ہے میری موجودگی ہی میں لندن کی ایک مسجد میں حضرت دامت برکاتہم کے خطبات کو پڑھ کر کر شیخ الحدیث ازہرالہند (دارالعلوم دیوبند) صاحب تحفۃ الالمعی حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم العالیہ نے لکھوایا تھا کہ ''مشک آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید'' یہ جملہ ان خطبات ''بزم منور'' اور صاحب خطبات (حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی دامت برکاتہم) کے حق میں میری نظر میں ''سند'' کا درجہ رکھتا ہے۔اس کے بعد اب کسی کے ان خطبات پر کچھ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

بہرحال، ''بزم منور'' میں خطباء اور مقررین کے لئے بڑا علمی مواد موجود ہے اور ان خطبات کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں متبرک دن اور متبرک راتوں کے کیا فضائل و مسائل ہیں اور ان میں کیا عمل کرنا چاہئے اور کن چیزوں سے اجتناب کرنا (بچنا) چاہئے اس کے متعلق ضروری فضائل ومسائل کو بھی بڑے احسن طریقہ سے جمع کر دیا گیا ہے، اور اس کا فائدہ خاص کر ائمۂ مساجد کو بدرجۂ اتم ہو جاتا ہے کہ ایسے موقع پر وہ حضرات اس کتاب ''بزم منور'' کا مطالعہ کر لیتے ہیں، اور اس طرح اس کتاب اور ان خطبات سے ان کا کام بن جاتا ہے۔

اور مجھ سے خود بعض حضرات نے پندرہویں شعبان (شب برأت) کے موقع پر یہ کتاب طلب کی اور حضرت دامت برکاتہم کی اس موضوع پر جو تقریر ہے اس کو بنیاد بنا کر انہوں نے اپنی تقریر کی، اور میں خود بھی ہر سال شب برأت کے موقع پر حضرت موصوف کی اس تقریر سے خوب استفادہ کرتا ہوں۔

حضرت مولانا مفتی اسماعیل واڈی والا صاحب رحمہ اللہ سابق شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر اسی طرح حضرت مولانا ذوالفقار صاحب نور اللہ مرقدہ، سابق استاذ الحدیث، دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر اور حضرت مولانا الیاس صاحب بنگلوری رحمہ اللہ، سابق امام لیٹن اسٹون مسجد، لندن اور حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم العالیہ کی زبانی یہ بات سنی کہ حضرت مولانا منور حسین صاحب دامت برکاتہم کے خطبات کی ایک خوبی یہ ہے کہ ان کا اندازِ بیاں بہت سادہ ہے اور الفاظ بھی بہت آسان استعمال کئے ہیں، جس کی وجہ سے طلباء اور خطباء حضرات کے لئے اس کا زبانی یاد کرنا بہت آسان ہوجاتا ہے، اور بہت جلد تقریر منہ پر چڑھ جاتی ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ انداز بیاں ایسا ہی ہونا چاہئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے ایک ملفوظ کا خلاصہ ہے کہ تقریر اور تحریر کا مقصد افہام ہے جو حضرات تقریر اور تحریر کے اندر بہت شستہ اور شائستہ الفاظ استعمال کرتے ہیں اس سے ''افہام'' کے بجائے ''ابہام'' ہوجاتا ہے۔

حضرت مولانا کے خطبات کل دس جلدوں میں ''بزم منور'' کے نام سے چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں۔ ''تلک عشرۃ کاملۃ''۔

حضرت مولانا کی خواہش تھی کہ میں ان خطبات کو نئے سرے سے قلمبند کروں اور اس سلسلہ میں کچھ ضروری ہدایات بھی دی بندہ نے ان کی ہدایات کے مطابق حتی المقدور اس کو

اسی طرح قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے جیسی ان کی خواہش اور چاہت تھی اب میں اس پر کتنا کھرا اور پورا اترا ہوں اس کا فیصلہ تو خود صاحب خطبات اور پھر قارئین کرام کریں گے۔ خدا کرے کہ مجھے اس میں کامیابی نصیب ہوئی ہو۔

اب ''بزم منور'' کا دوسرا نیا ایڈیشن اور اسکی پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے اور ان شاء اللہ بہت جلد اسکی باقی جلدیں بھی نئی ترتیب کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہوگی۔ اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ عافیت کے ساتھ باقی جلدیں بہت جلد خوب صورت جِلد کی صورت میں قارئین کے ہاتھوں میں پہنچے اور اس کو دیکھ کر چشم ما روشن و دل ما شاد والی کیفیت ہمیں نصیب ہو۔

طالب دعا

عبد السلام ابراہیم ماریا، لاجپوری

خادم مسجد قبا، اسٹامفورڈ ہل، لندن، یوکے

۲۸/ جمادی الآخر ۱۴۳۶ھ مطابق ۹/ اپریل ۲۰۱۵ء

پیش لفظ

از: **مفتی محمد طاہر سورتی** صاحب دامت برکاتہم

حامداً وّ مصلیاً و مسلماً

قرآن حکیم کا وعدہ ہے تذکیر کے نافع ہونے کا۔ اسی وجہ سے سید الانبیاء فخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس کا اہتمام فرمایا۔ کتب حدیث کا ادنیٰ طالب علم بھی محسوس کرسکتا ہے کہ جہاں کوئی قابل تنبیہ وزجر امر پیش آیا کہ یہ امیر الخطباء منبر پر پہنچ گئے، **فحمد اللّٰہ و اثنیٰ علیہ.** اور جوبات فرمانی ہوتی وہ بالکل صاف ستھرے انداز میں شفقت ومحبت کے آمیزے کے ساتھ سامعین سے کہہ دیتے۔

آپ کے بعد آپ کے وارثین نے اس فریضہ کوتا ایں دم سنبھال رکھا ہے۔ اور اکثر مواعظ مدون ومحفوظ ہیں، کوئی باقاعدہ تو کوئی بے ضابطہ۔

پچھلے ایک طویل عرصہ سے نافع و پر مغز مواعظ کو باضابطہ طور پر مجلدات کی صورت میں جمع کرنے کا ایک بابرکت سلسلہ رہا ہے۔ ان میں بعض کو تو رب کائنات نے ایسی بے مثال مقبولیت عطا فرمائی کہ وہ اپنے وجود کے بعد سے مسلسل سخاوجود کرتے جارہے ہیں۔ خطبات حکیم الامت حضرت تھانویؒ، خطبات حکیم الاسلام اس کی ایک مثال ہیں۔

عصر حاضر میں اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت خاصہ یہ ہے کہ مواعظ واعظ صاحب کے جیتے جی ہی مرتب ومبوب ہوجاتے ہیں۔ جس کا ایک ادنیٰ فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی جھوٹ ان کی جانب منسوب نہیں ہو پاتا۔ پھر ان میں بعض باتوفیق بندے وہ ہوتے ہیں جو مراجع ومصادر

تخاریج دفاتر کا بھی اہتمام فرماتے ہیں۔ ایسے مجموعے زیادہ وقیع واہم ہوتے ہیں۔ بعض قرطاس وطباعت کی نفاست ونزاکت بھی ملحوظ رکھتے ہیں، تو مواد کی شیرینی ولذت دوبالا ہوتی چلی جاتی ہے۔ **فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ.**

اسی دفینہ کا ایک بیش قیمت نگینہ بزم منور ہے۔ جو پہلے خطبات منور ہوا کرتی تھی، الحمدللہ نام کی تبدیلی کے علاوہ اور بھی بہت کچھ تبدیل ہوا ہے، جن کا تذکرہ اوپر ہوا۔

یہ سطر کش شکر گذار ہے صاحب خطبات کا کہ اسے پروف ریڈنگ کی خدمت کے قابل سمجھا۔ **فجزاهم الله خيراً.**

حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی رعاہ اللہ ووفقہٗ خالق کائنات کے ان باتوفیق بندگان میں سے ہیں جو بڑی محنت وتیاری (ہوم ورک) کے بعد زینت منبر ومحراب بنا کرتے ہیں۔ معہٗ صالح عالم، اکابر مشائخ کے منظور نظر ہیں۔ اس طرح یہ مجموعہ بیمار قلوب کی دوائے دائمی ہے۔ اور لذت مطالعہ کے متلاشیوں کے لئے ایک دل فریب چمن پُر امن ہے۔

ماشاء الله و بارک الله و تقبله منا جميعاً و متع الناظرين تمتيعاً. والسلام

طاہر عفی عنہ

﴿ ۱ ﴾
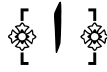
اہمیت ایمان

وہی ذات واحد عبادت کے لائق
زبان اور دل کی شہادت کے لائق
لگاؤ تو لو بس اسی سے لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

﴿۱﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اہمیت ایمان

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیۡعَنَاوَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ؁ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؁
اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَمَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا ۢ بَعِیۡدًا. (النساء: ۱۱٦)

صدق الله مولانا العظيم و صدق رسوله النبى الكريم و نحن على ذلك لمن الشاهدين و الشاكرين و الحمد لله رب العالمين۔

اللہ تعالیٰ ہی ہمارا خالق و مالک ہے:

محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تعالیٰ کی ذات بھی حقیقی ہے اور صفات بھی حقیقی ہیں، جن میں کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں تنہا و یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا مالک ہے، خالق ہے، رازق ہے اور وہی ہمارا مشکل کشا ہے، وہی حاجت روا ہے اور وہی مخلوق پر بے حد مشفق و مہربان ہے۔ جب وہی ہمارا خالق و رازق اور حاجت روا اور مشکل

کشا ہے تو پھر عبادت بھی اسی کی کرنی چاہئے۔

حالی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے______:

وہی ذات واحد عبادت کے لائق
زبان اور دل کی شہادت کے لائق
لگاؤ تو لو بس اسی سے لگاؤ
جھکاؤ تو سر اسی کے آگے جھکاؤ

مشرکین مکہ کے مشرک ہونے کی وجہ:

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کا نام ایمان ہے۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کی ذات میں یا صفات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو شریک ٹھہرائے گا وہ دائرۂ ایمان سے خارج ہو جائے گا، چاہے وہ کتنے ہی اچھے اچھے اعمال کیوں نہ کرتا ہو۔ دیکھئے مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے تھے، اور یہ بات خود قرآن کریم میں کئی جگہ موجود ہے، میں چند مقامات کا ذکر کرتا ہوں۔

۱......وَلَئِنْ سَاَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (سورۂ لقمان:۲۵)

۲......وَلَئِنْ سَاَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (العنكبوت: ٦١)

۳......وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰه (العنكبوت: ٦٣)

۴...... قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ

وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰہُ (سورۂ یونس: ۳۱)

۵......قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْھَا اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰہِ قُلْ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ. (المؤمنون: ۸۴،۸۵)

۶......قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ. سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰہِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ. (المؤمنون: ۸۶،۸۷)

۷......قُلْ مَنْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْہِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰہِ (المؤمنون: ۸۸،۸۹)

ان تمام آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین مکہ سے جب پوچھا جاتا تھا کہ زمین و آسمان کا مالک کون ہے؟ سورج چانداور ستاروں کی گردش اور تخلیق کس نے کی؟ آسمان سے پانی برسانے والا اور زمین کو پژمردگی کے بعد زندگی دینے والا کون ہے؟ مردہ سے زندہ، زندہ سے مردہ نکالنے والا کون ہے؟ زندگی کا مالک کون ہے؟ ساتوں آسمانوں کا خالق اور عرش عظیم پر جلوہ افروز ہونے والی ذات کون ہے؟ تو وہ بہ یک زبان کہتے تھے **اللہ** ہی ہے۔

اسی طرح وہ نماز بھی ادا کرتے تھے، روزہ بھی رکھتے تھے، صدقہ وخیرات بھی دیتے تھے، قربانی اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے تھے، اور وہ اپنے اپنے رواج اور زعم کے مطابق عبادتیں بھی کیا کرتے تھے، وہ غسل جنابت بھی کرتے تھے۔ اور وہ بہت سی برائیوں کو برا بھی جانتے تھے اور ان سے بچتے بھی تھے، مگر اس کے باوجود ان کو **مشرک** کہا گیا۔ کیوں؟ صرف اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو **وحدہٗ لا شریک لہٗ** نہیں مانتے تھے

اوراللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت سی چیزوں کوشریک ٹھہراتے تھےاوراللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور چیز کوشریک ٹھہرانے کا نام ہی شرک ہے۔

اکبراٰلہ آبادی مرحوم فرماتے ہیں______:

ہو جس میں عبادت کا دھوکہ مخلوق کی وہ تعظیم نہ کر
جوخاص خدا کا حصہ ہے بندوں میں اسے تقسیم نہ کر

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ کفار مکہ نیک کام بھی کرتے تھےاور بہت سی برائیوں سے اپنے کو بچاتے بھی تھے، میں اسکی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

کفار مکہ غسل جنابت بھی کرتے تھے:

ا......ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو اسلام قبول کرنے سے پہلے تک مسلمانوں کے سخت دشمن تھےاور ہر جنگ میں وہ پیش پیش رہتے تھے، لیکن فتح نے ان کے قدم نہیں چومے، بلکہ شکست ان کے مقدر میں تھی۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے جنگ بدر کے بعد قسم کھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے شکست اور ذلت کا بدلہ نہ لےلوں اور جب تک مسلمانوں کے بڑے بڑے لوگوں کو ختم نہ کردوں اس وقت تک غسل جنابت نہیں کروں گا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ کفار مکہ غسل جنابت بھی کیا کرتے تھے۔

مشرکین مکہ اپنے مکتوبات کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے کرتے تھے:

۲......مشرکین مکہ اپنے مکتوبات کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے کرتے تھے، وہ خط کی ابتداء میں ’’**باسمک اللّٰھم**‘‘ لکھتے تھے۔

(بخاری شریف)

کفار مکہ مردوں کو دفن بھی کرتے تھے:

۳......کفار مکہ مردوں کو دفن بھی کرتے تھے، جب مسجد نبوی کے لئے زمین خریدی گئی اور اس کے لئے کھدائی کی گئی تو اس میں سے مردوں کے ڈھانچے اور ہڈیاں برآمد ہوئیں۔

(بخاری شریف)

کفار مکہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام بھی کرتے تھے:

۴......اور کفار مکہ ''السلام علیکم'' کے الفاظ سے ایک دوسرے کو سلام بھی کرتے تھے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو کلام کی ابتداء ''السلام علیکم یا رسول اللہ'' سے کی۔

کفار مکہ مسلمانوں جیسے نام بھی رکھتے تھے:

۵......اور کفار مکہ مسلمانوں جیسے نام بھی رکھتے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام **عبداللہ** تھا، حارث بن ہشام کے پردادا کا نام **عبداللہ** اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد بزرگوار کا نام بھی **عبداللہ** تھا۔ یعنی نام بھی مسلمانوں جیسے رکھتے تھے، مگر اصل چیز جس سے دل خالی تھے اور اس بنیادی پتھر کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کے دل کھنڈر بن گئے تھے؛ وہ بنیادی پتھر ایمان کی دولت تھی اور اس دولت سے مشرکین مکہ محروم تھے۔

ہم شریف زادیوں نے زمانۂ جاہلیت میں زنا نہیں کیا تو......:

۶......فتح مکہ کے موقعہ پر ہندہ بھی مکہ مکرمہ میں تھیں جو ابوسفیان کی بیوی تھیں یہ وہ عورت ہے جس نے جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا

تھا، ہندہ بھی فتح مکہ کے موقعہ پر ان لوگوں میں شامل تھیں جن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جہاں بھی ملے انہیں قتل کر دیا جائے، خوف کے مارے ہندہ گھر میں چھپ گئیں، اور رات کو اس نے ڈرتے ڈرتے گھر سے باہر قدم نکالا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگیں، یہاں تک کہ کعبۃ اللہ تک پہنچ گئیں۔ تو کیا دیکھا کہ تمام صحابۂ کرام اپنے رب کے دربار میں گڑگڑا رہے ہیں، آہ وزاری کر رہے ہیں، رحمان ورحیم کے حضور میں دست بدعا ہیں اور کہہ رہے ہیں، کہ اے اللہ! جس طرح تو نے ہم کو ہدایت کا راستہ دکھایا اور ایمان کی دولت سے سرفراز کیا جو لوگ اس دولت سے محروم ہیں ان کو بھی ہدایت کی دولت سے مالا مال کر دے۔ اس روحانی منظر سے متاثر ہو کر ہندہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔

جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا تھا تو حضور ﷺ اس سے بیعت لیا کرتے تھے (جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے) اور اس بیعت میں عہد لیا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری نہیں کریں گے، قتل نہیں کریں گے اور نہ ہی زنا کریں گے۔ جب زنا کے بارے میں حضور ﷺ ہندہ سے بیعت لینے لگے تو حضرت ہندہؓ کہنے لگیں کہ ہم شریف زادیوں نے زمانۂ جاہلیت میں زنا نہیں کیا اور اس سے نفرت کرتے رہے تو کیا اب حالت اسلام میں زنا کریں گے۔

(ملفوظات فقیہ الامت ج۱ قسط ۵ ص ۱۶)

تو معلوم ہوا کہ برائی کو وہ بھی برا جانتے تھے۔

کفار مکہ حج کے زمانہ میں حاجیوں کو پانی بھی پلاتے تھے:

۷...... کفار مکہ حج کے زمانہ میں حاجیوں کو پانی بھی پلاتے تھے، اور مسجدوں کی

تعمیر سے بھی نہ کتراتے تھے۔قرآن مجید میں اسکی شہادت موجود ہےارشادربانی ہے:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (التوبه: ۱۹)

مگر یہ سب کرنے کے باوجود بات وہی ہے کہ اعمال صالحہ بغیر ایمان کے قابل قبول نہیں ہیں۔کھادموجود ہو، پانی موجود ہو، زمین موجود ہولیکن بیج ہی نہ ہوتو یہ سب چیزیں بیکار ہیں،اورمحنت کرنابھی فضول ہے۔

کفارمکہ ایام حج میں قربانی بھی کیا کرتے تھے:

۸......عمرو بن لحی ایام حج میں دس ہزاراونٹوں کوذبح کیا کرتا تھا اور دس ہزار جوڑے(کپڑے)فقراء میں تقسیم کیا کرتا تھا،اورستواورشربت بنا کرحاجیوں میں تقسیم کیا کرتا تھا۔

حضورﷺ سےاس کے متعلق پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! کیااس شخص کواس کے اس کارخیر(نیک کام) کااجر ملے گا؟

حضورﷺ نے جواب دیانہیں۔اوروجہ یہ بیان فرمائی کہ اگرایمان اس کے دل میں ہوتا تو وہ اجرعظیم کا حقدارتھا،مگرایمان نہ ہونے کی وجہ سے اس کا کیا کرایا (اخروی اعتبار سے)سب بیکار ہے۔(ہاں !دنیامیں اسکی وجہ سےاللہ تعالیٰ مال واولادمیں اورصحت وتندرستی میں برکت عطافرماتے ہیں۔)

اسلمت علی ما اسلفت من الخیر:

اس پر مجھے اس سے ملتی جلتی ایک بات یادآئی،حضرت حکیم بن حزامؓ زمانۂ کفر

میں بھی اچھے کام کیا کرتے تھے،وہ زمانۂ کفر میں بھی اونٹ قربان کیا کرتے تھے اور غلاموں کو بھی غلامی سے آزاد کروایا کرتے تھے،اسی طرح کے اور بھی اچھے کام کیا کرتے تھے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی دولت سے نوازا،اسلام لانے کے بعد انہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ زمانۂ کفر میں میں نے جو کار خیر کئے ہیں کیا اس پر مجھے اجرو ثواب ملے گا؟حضور ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا:

اسلمت علی ما اسلفت من الخیر.

(مشکوٰۃ شریف)

[تمہیں جو اسلام کی توفیق نصیب ہوئی وہ تمہارے نیک اعمال کی وجہ سے ہی ہوئی]

کفار مکہ غلاموں کو آزاد بھی کرتے تھے:

۹......کفار مکہ غلاموں کو آزاد بھی کرتے تھے، عاص بن وائل جب مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو کہا کہ میرے مرنے کے بعد میرے ترکہ سے غلام آزاد کر دینا، چنانچہ بیٹوں نے اس کے ترکہ سے پچاس غلاموں کو آزاد کیا۔کسی نے حضور ﷺ سے اس کے اس عمل کے متعلق پوچھا کہ اس کو اس کے اس عمل کا ثواب ملے گا؟تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایمان قبول کرتا تو ثواب پاتا۔

خلاصہ یہ کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے،اور وہ اللہ تعالیٰ ہی کو تمام کائنات کا خالق تصور کرتے تھے،اسی کو زندگی اور موت کا مالک سمجھتے تھے وغیرہ وغیرہ۔کمی تھی تو بس صرف اس بات کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نہیں مانتے تھے،اللہ تعالیٰ کی توحید کے منکر تھے،اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے۔

ایمان سے محرومی نے ابوطالب کو.........کا مستحق بنادیا:

اور دیکھئے ایمان سے محرومی ایسی چیز ہے کہ وہ ابو طالب جیسی شخصیت کو بھی باوجودیکہ ان کا تعلق نبی کریم ﷺ کے خاندان سے تھا اور حضور ﷺ کو بھی ان سے بے حد محبت تھی مگر یہ باتیں بھی ان کو.........عذاب سے نہیں بچاسکی، یہ وہ شخصیت ہے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی ہر مشکل گھڑی میں بھرپور ساتھ نبھایا، وہ خود ایک بڑے سردار تھے اور مکہ مکرمہ میں ان کا اثر ورسوخ تھا جس کی وجہ سے کفار مکہ کو ان کی زندگی میں آپ ﷺ کو بد ترین ایذا رسانی کی جرأت نہیں ہوئی۔ جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ چچا کلمہ پڑھ لیجئے، مسلمان ہوجایئے، وہ کلمہ پڑھنے ہی والے تھے کہ وہاں موجود ابوجہل کہنے لگا کہ موت سے ڈر کر بھتیجے کا کلمہ پڑھنے پر آمادہ ہوگئے، اور اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑنے پر راضی ہوگئے، ابوجہل کی زبانی یہ بات سن کر ابوطالب کہنے لگے کہ بھتیجے میں جانتا ہوں کہ تو سچا ہے تیرا لایا ہوا دین برحق ہے مگر......................بہرحال وہ ایمان نہیں لائے۔

حضور ﷺ پر ابوطالب کے انتقال کے بعد ایک خاص قسم کی کیفیت طاری تھی اسی کا اثر تھا کہ آپ نے فرمایا کہ میں برابر اپنے چچا کے لئے دعاء مغفرت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے روک دے، چنانچہ آپ برابر اپنے چچا کیلئے دعاء مغفرت فرماتے رہے یہاں تک کہ قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى (التوبہ:۱۱۳)

[نبی کی شان کے یہ مناسب نہیں کہ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کرے خواہ وہ اس کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔]

دیکھئے! دعا کون کررہا ہے جو سید الاولین والاخرین ہیں جو تمام نبیوں کے سردار ہیں لیکن آپ کی دعا بھی ایمان سے محروم شخص کو جہنم کے عذاب سے نہیں بچا پارہی ہے۔

نبی کا نماز جنازہ پڑھانا بھی جہنم کے عذاب سے نہ بچاسکا:

اور دیکھئے کفر ایسی چیز ہے کہ نبی بھی کافر کا جنازہ پڑھادے تب بھی اللہ رب العزت اس کی مغفرت نہیں فرماتے۔

مشہور واقعہ ہے عبداللہ بن ابی بن سلول جو رئیس المنافقین تھا جب اس کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے عبداللہؓ جو پکے مسلمان تھے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے والد کا جنازہ آپ پڑھادیں، چنانچہ حضور ﷺ نے نہ صرف ان کی نماز جنازہ پڑھائی (اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے منافق کی نماز جنازہ پڑھانے سے روکا نہیں تھا) بلکہ اسکی قبر میں اترنے کا اہتمام بھی فرمایا اور کفن کے لئے اپنا کرتہ بھی عنایت فرمایا۔ مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لاَ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (سورۂ توبہ: ۸۰)

اس کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو، میں اس کو معاف نہیں کروں گا۔

وہ نذریں جو کبھی بتوں پر چڑھائی جاتی تھیں وہی آج:

بہر حال ایمان بڑی قیمتی چیز ہے۔ مگر افسوس کہ ایمان کی اتنی عظیم دولت سے

مالامال ہونے کے بعد بھی آج مسلمانوں کی بدقسمتی کہئے یا مسلمانوں کی جہالت اور گمراہی کی انتہا کہ انہوں نے ایسی عادات واطوار اپنالی ہیں کہ اگر یہ کام دور نبوت میں کئے جاتے تو شاید نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک ان کو کافر ٹھہراتی ،مگر آج اس کام کو برا بھی نہیں سمجھا جارہا، وہ نذریں جو کبھی بتوں پر چڑھائی جاتی تھیں وہی آج قبروں کے لئے وقف ہوگئی ہیں، وہ سجدے جو پیکر محسوس کے سامنے ہوا کرتے تھے وہی آج قبروں کے سامنے کئے جاتے ہیں۔اوراس کے باوجود دعوٰی ہے ایمان والا ہونے کا۔حالی مرحوم نے بھی اس بات کارونارویاہے،فرماتے ہیں________:

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

اعمال کی مقبولیت ایمان پر موقوف ہے:

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اعمال صالحہ کی قبولیت کے لئے اور دخول جنت کے لئے ''ایمان'' لازمی شرط ہے اس کے بغیر آدمی کا کیا کرایا سب بیکار ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں مسلمان بن کر زندگی گذارنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ایمان کی صحیح حقیقت سمجھنے اور پھر اس کے تقاضوں کو پورا کرنا آسان فرمائے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۲ ﴾

من قال '' لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ''
دخل الجنۃ

صحابہ کرام نے تمام مظالم کو برداشت کیا مگر ایمان پر جمے رہے، اور ہر موڑ پر '' لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ '' کا اقرار کرتے رہے چونکہ ان کے پیش نظر حضور ﷺ کا ارشاد تھا کہ چاہے تمہیں کاٹ دیا جائے یا جلا دیا جائے مگر ایمان کو نہ چھوڑنا۔ (مشکوۃ) چونکہ آخرت میں نجات کا مستحق صرف وہی شخص ہوگا جو '' لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ '' کا قائل ہوگا۔

﴿ ۲ ﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

من قال ’’لَآاِلٰـہَ اِلَّااللّٰہُ‘‘ دخل الجنۃ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیۡعَنَاوَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ۝ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ الٓمّٓ. ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ. الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ. وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ وَبِالۡاٰخِرَۃِ ھُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ. اُولٰئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنۡ رَّبِّھِمۡ وَاُولٰئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ.

(البقرہ:۱تا۵)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

قرآن کریم ہرزاویہ سے معتبر ہے:

محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی شکل میں اپنا آخری پیغام

نازل فرمایا اور اپنے آخری نبی پر نازل کیا، یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی کھوٹ اور جھوٹی خبر نہیں ہے اور ہر زاویہ سے معتبر ہے، جب آدمی کا عقیدہ اس بات پر جم جائے کہ یہ کتاب لاریب ہے تو پھر قرآن مجید اس کے لئے ہدایت ورحمت بن جائے گا۔

میں نے ابھی آپ کے سامنے قرآن کریم کی جو آیتیں تلاوت کیں ان میں اسی بات کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

[یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس میں ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ بڑی ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں۔] (تفسیر انوار البیان)

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم:

ان آیات میں ایمان کی تعریف اور اس کا مفہوم بیان کیا گیا ہے، اور یہی وہ ایمان ہے کہ جس کے حصول کی خاطر صحابہ کرامؓ کو طرح طرح کی تکالیف اور اذیتیں پہنچائی گئیں ان کو تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹا گیا، ان پر پتھروں کی بارش کی گئی سماجی بائیکاٹ کیا گیا، شعب ابی طالب میں ڈھائی سال تک محصور کیا گیا، اور خود آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، آپ ﷺ پر گھروں کے کوڑے اور گندگی پھینکی گئی، یہ ظالم اذیتیں دیتے دیتے خود تھک جاتے تھے مگر ایمان والے ایمان پر ڈٹے رہتے، ایمان ہے ہی ایسی

چیز جب یہ کسی کے دل میں اپنا گھر بنالیتا ہے تو پھر کوئی طاقت اسے ڈگمگا نہیں سکتی۔شاعر نے اپنے انداز میں اس کی بہت خوب منظر کشی کی ہے، شاعر کہتا ہے______:

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

(اقبالؔ)

اور اتنی اذیتیں دی گئیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے اور مظالم کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

تو میں عرض کررہا تھا کہ صحابہ کرام نے تمام مظالم کو برداشت کیا مگر ایمان پر جمے رہے، اور ہر موڑ پر " لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ" کا اقرار کرتے رہے چونکہ ان کے پیش نظر حضور ﷺ کا ارشاد تھا کہ چاہے تمہیں کاٹ دیا جائے یا جلا دیا جائے مگر ایمان کو نہ چھوڑنا۔(مشکوۃ) چونکہ آخرت میں نجات کا مستحق صرف وہی شخص ہوگا جو " لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ " کا قائل ہوگا۔

بہرحال صحابہ کرام ہر طرح کے مظالم برداشت کرتے رہے مگر ایک وقت وہ بھی آیا کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سراپا استفہام بن گئے کہ کب آئے گی اللہ تعالیٰ کی مدد؟ نبی کریم ﷺ نے جواب دیا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ.

(سورۂ بقرہ: آیت ۲۱۴)

کیا تم اس زعم میں مبتلا ہو کہ تم جنت میں بغیر تکلیف برداشت کئے اور صبر کئے بغیر داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم سے پہلی قوموں کو بھی اذیتیں اور تکالیف پہنچائی گئی تھیں اور

انہوں نے بھی وقت کے پیغمبر سے یہ سوال کیا تھا اور یہ بات غور سے سن لو کہ جنت کی راہ پُر خار اور دشوار گزار ہوتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر دور میں انسان نما شیطانوں نے خدا کے مقبول بندوں کو اذیتیں اور تکالیف پہنچائی ہیں۔حق کی تبلیغ کی پاداش میں حضرت زکریا علیہ السلام کے بدن کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سر کو قلم کیا گیا۔کیوں؟ تا کہ ان کو بتوں کی پوجا سے کوئی ٹوکنے والا نہ رہے،اور جو کام ان کو ان کے آباء واجداد سے وراثت میں ملا ہے اس کو کوئی برا کہنے والا نہ رہے۔

افسوس آج بہت سے مسلمان بھی:

افسوس آج بہت سے مسلمان بھی بے راہ روی اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔اور وہ بھی باوجود مسلمان ہونے کے ایسے کام کر رہے ہیں جن کو اسلام مٹانے آیا تھا اور اس سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کو جب اس کام سے روکا جاتا ہے تو وہ بھی ان پر روک ٹوک کرنے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور ان کو تکلیف پہنچانے کے درپے ہو جاتے ہیں اور ان کی دلیل بھی یہی ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو اپنے آباء واجداد کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے،آج بہت سے مسلمان اولیاء کرام کی قبور کو سجدہ کرتے ہیں۔اب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو کہ ساجد کو مسجود کا درجہ اور مخلوق کو خالق کا درجہ کیوں دیتے ہو؟ مشرکین کا طریقہ کیوں اپناتے ہو؟

تو جواب ملتا ہے کہ کفار و مشرکین تو بتوں کی پوجا کرتے تھے اور کرتے ہیں ہم تو اولیاء کرام کو سجدہ کرتے ہیں اس سے تو ایمان میں کوئی خلل نہیں آتا۔اسی بات کو حالی مرحوم

نے یوں بیان کیا ہے، فرماتے ہیں ____________:

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

تو میں عرض کر رہا تھا کہ صحابہ کرام نے تمام مظالم کو برداشت کیا مگر ایمان پر جمے رہے، اور ہر موڑ پر ” لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ “ کا اقرار کرتے رہے چونکہ ان کے پیش نظر حضور ﷺ کا ارشاد موجود تھا کہ چاہے تمہیں کاٹ دیا جائے یا جلا دیا جائے مگر ایمان کو نہ چھوڑنا۔ (مشکوۃ) کیوں کہ آخرت میں نجات کا مستحق صرف وہی شخص ہوگا جو ” لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ“ کا قائل ہوگا۔

میں اس سلسلہ میں آپ کے سامنے چند احادیث کا مفہوم پیش کرتا ہوں۔

چند احادیث کا مفہوم:

۱...... حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ (کی خدمت میں حاضر تھے اور) آپ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے، اور حضرت ابو بکر و عمرؓ بھی ہمارے ساتھ ہی اس مجلس میں تھے کہ آپ ہمارے درمیان سے اٹھے (اور کسی طرف کو نکل

گئے)اور پھر آپ کی واپسی میں بہت دیر ہوگئی، تو ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں ہماری غیر موجودگی میں آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔(یعنی ہماری عدم موجودگی میں کسی دشمن وغیرہ سے آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچ جائے) پس اس خیال سے ہمیں سخت گھبراہٹ اور فکر لاحق ہوئی اور ہم لوگ (آپ کی جستجو میں) نکل کھڑے ہوئے، اور سب سے پہلے میں ہی گھبرا کر حضور ﷺ کی تلاش میں نکلا، یہاں تک کہ انصار کے خاندان بنی نجار کے ایک باغ پر پہنچ گیا جو چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا اور میں نے اس کے چاروں طرف چکر لگایا کہ اندر جانے کے لئے مجھے راستہ مل جائے، لیکن نہیں ملا۔

پھر مجھے پانی کی ایک گول (چھوٹی سی نہری) نظر پڑی، جو باہر کے ایک کنوئیں سے باغ کے اندر جاتی تھی (ابو ہریرہؓ کہتے ہیں) میں سمٹ اور سکڑ کر اس میں سے باغ کے اندر گھس گیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا پہنچا۔

حضور ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ! میں ہی ہوں۔آپ نے فرمایا: تم کیسے آئے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان تشریف رکھتے تھے پھر وہاں سے اٹھ کر چلے آئے اور جب دیر تک آپ کی واپسی نہیں ہوئی تو ہمیں خطرہ ہوا کہ مبادا ہماری غیر موجودگی میں آپ کو کوئی ایذا پہنچائی جائے، اسی خطرے سے گھبرا کر ہم سب چل پڑے۔اور سب سے پہلے گھبرا کر میں ہی نکلا تھا، یہاں تک کہ میں اس باغ تک پہنچا اور (جب مجھے کوئی دروازہ نہیں ملا تو) لومڑی کی طرح سمٹ سکڑ کر میں (اس گول میں سے کسی طرح) گھس آیا ہوں، اور دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہیں۔

پھر حضور ﷺ نے اپنے نعلین مبارک مجھے عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ میرے یہ جوتے لے کر جاؤ اور اس باغ سے نکل کر جو آدمی بھی تمہیں ایسا ملے جو دل کے پورے یقین کے ساتھ ”لا الٰہ الا اللہ“ کی شہادت دیتا ہو اس کو جنت کی خوشخبری سنا دو۔

(ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں وہاں سے چلا) تو سب سے پہلے میری ملاقات عمرؓ سے ہوئی، انہوں نے مجھ سے پوچھا ابو ہریرہ تمہارے ہاتھ میں یہ دو جوتیاں کیسی ہیں؟

میں نے کہا حضور ﷺ کی نعلین مبارک ہیں، حضور ﷺ نے مجھے یہ دے کر بھیجا ہے کہ جو کوئی بھی دل سے ”لا الٰہ الا اللہ“ کی شہادت دینے والا مجھے ملے میں اس کو جنت کی خوشخبری سنا دوں۔

(ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ) پس عمر نے میرے سینے پر ایک مُکّہ مارا، جس سے میں اپنی سرینوں کے بل پیچھے کو گر پڑا، اور مجھ سے انہوں نے کہا پیچھے کو لوٹ۔ میں روتا ہوا حضور ﷺ کے پاس واپس آیا، اور عمر بھی میرے پیچھے پیچھے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے (مجھے اس حالت میں دیکھ کر) پوچھا! ابو ہریرہ تمہیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ عمر مجھے ملے تھے حضور نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا تھا میں نے وہ انہیں بتلایا تو انہوں نے میرے سینے پر ایک ایسی ضرب لگائی جس سے میں اپنی سرینوں کے بل گر پڑا اور مجھ سے کہا کہ پیچھے کو لوٹو۔

رسول اللہ ﷺ نے عمر کو خطاب کر کے فرمایا عمر تو نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے عرض کیا۔ حضور میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا آپ نے ابو ہریرہ کو اپنے نعلین مبارک دے کر اس لئے بھیجا تھا کہ جو کوئی بھی دل کے یقین کے ساتھ ”لَآاِلٰـہَ اِلَّااللّٰہُ“

کی شہادت دینے والا ان کو ملے وہ اس کو جنت کی بشارت دے دیں؟حضور نے فرمایا: ہاں میں نے ہی یہ کہہ کر بھیجا تھا۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا: حضور! ایسا نہ کیجئے مجھے خطرہ ہے کہ کہیں لوگ بس اس شہادت ہی پر بھروسہ کر کے (سعی وعمل سے بے پرواہ ہوکر) نہ بیٹھ جائیں، لہٰذا انہیں اسی طرح عمل کرنے دیجئے۔حضور ﷺ نے فرمایا تو جانے دو۔
(معارف الحدیث ج۱ص ۱۰۶، ۱۰۷ بحوالہ مسلم)

۲......حضرت ابو ذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک سفید کپڑا اوڑھے سو رہے تھے۔ (اس وقت تو میں واپس چلا آیا) پھر دوبارہ آپ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ بیدار ہو چکے تھے آپ نے (مجھ کو دیکھ کر) فرمایا: جس شخص نے سچے دل سے ’’لَآاِلٰـــہَ اِلَّااللّٰہُ‘‘ کہا: (یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا سچے دل سے اعتراف واقرار کیا) اور اسی عقیدہ پر اس کا انتقال ہوگیا تو وہ ضرور جنت میں داخل کیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا’’اگر چہ اس نے چوری اور زنا (جیسے بڑے گناہوں) کا ارتکاب کیا ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں! خواہ وہ چوری اور زنا کا مرتکب کیوں نہ ہو۔ میں نے پھر (تعجب سے) سوال کیا، اگر چہ اس نے چوری اور زنا کا ارتکاب ہی کیوں نہ کیا ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں! خواہ وہ چوری اور زنا کا مرتکب کیوں نہ ہو؟ میں نے (پھر سہ بارہ بہت حیرت سے) عرض کیا: اگر چہ اس نے چوری اور زنا کے جرم کا ارتکاب کیا ہو؟ (تیسری مرتبہ بھی) آپ نے یہی فرمایا: ہاں خواہ وہ چوری اور زنا کا مرتکب کیوں نہ ہوا ہو۔ اور خواہ ابوذر کو کتنا ہی ناگوار گذرے۔
(مشکوۃ شریف حدیث نمبر ۲۳ بحوالہ بخاری ومسلم)

۳......حضرت عثمان بن عفانؓ کہتے ہیں کہ رسول خداﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اس (پختہ) اعتقاد پر وفات پائی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جنتی ہے۔''
(مشکوۃ شریف حدیث نمبر ۳۲ بحوالہ مسلم)

۴......حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خداﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''جس شخص نے (سچے دل سے) اس بات کی گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، تو اللہ تعالیٰ (اپنے فضل وکرم سے) اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔''
(مشکوۃ شریف حدیث نمبر ۳۱ بحوالہ مسلم)

۵......حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول خداﷺ نے مجھ سے فرمایا: (سچے دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، جنت کی کنجیاں (حاصل کرنا) ہے۔
(مشکوۃ شریف حدیث نمبر ۳۵ بحوالہ احمد)

یہ ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کتنا مبارک کلمہ ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا وِرد سکھا دیجئے ایسا ذکر عطا کر دیجئے جس کو تنہا میں ہی کروں اور تیرا قرب حاصل ہو جائے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' پڑھتے رہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ! یہ تو سب پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ترازو کے ایک پلڑے میں دنیا و مافیہا رکھی جائے اور دوسرے میں ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' رکھا جائے تو ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' اس پر بھاری ہوگا۔
(تنبیہ الغافلین)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو، اس کو تازہ کرتے رہا کرو۔ پوچھا کس چیز سے؟ جواب دیا" لَااِلٰـهَ اِلَّااللّٰہُ" سے۔
(بخاری شریف)

اللہ تعالیٰ ہمیں عافیت کے ساتھ ایمان پر استقامت نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿۳﴾

وجود باری تعالیٰ کے دلائل

ایک بدوی سے کسی نے دریافت کیا کہ تو خدا کو کیسے پہچانتا ہے؟ اس دیہاتی عربی نے جواب دیا کہ:

البعرة تدل علی البعیر وآثار الاقدام علی المسیر فسماء ذات ابراج وارض ذات فجاج کیف لاتدل علی اللطیف الخبیر.

جس طرح اونٹ کی مینگیاں گواہی دیتی ہیں کہ اس راہ سے اونٹ گذرا ہے، اور قدموں کے نشانات چلے ہوئے راستوں کا پتہ بتاتے ہیں، پس آسمان برجوں والا اور زمین کشادہ راستوں والی اس ذات پاک لطیف وخبیر کے وجود پاک پر کیونکر دلالت نہ کرے گی۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎:

کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

(معرفت الٰہیہ: ص ۱۱۰۔۱۱۱)

﴿۳﴾

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

وجود باری تعالیٰ کے دلائل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیْعَنَاوَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ لَا بُرْھَانَ لَہٗ بِہٖ فَاِنَّمَا حِسَابُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ. (المؤمنون :۱۱۷)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

سارے انبیاء کی دعوت مشترک تھی:

محترم حضرات! جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے وہ سب اصول میں متحد تھے سب کی دعوت یہ تھی کہ:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوہُ وَاَطِیْعُوْنِ.

(سورۂ نوح آیت:۳)

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ.

(الانبیاء:۲۵)

آپ قرآن کریم اٹھا کر دیکھ لیجئے قرآن کریم اس بات سے بھرا پڑا ہے۔

قدرت کے مناظر، توحید کے مظاہر:

اور اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو اپنی وحدانیت کے نظاروں سے بھر دیا ہے، اسی لئے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی نبی کو اور کوئی کتاب بھی نہ بھیجتا تو بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کو سمجھنے کے لئے کائنات کے مناظر کافی تھے، کائنات کی ایک ایک چیز توحید کا درس دے رہی ہے، آسمان و زمین، نباتات و جمادات، حیوانات و معدنیات سبھی چیزیں بزبان حال وحدانیت کا اعلان کررہے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ جس طرح مشین کو دیکھ کر اس کے موجد کا پتہ ملتا ہے، ظاہر کو دیکھ کر باطن کی پہچان ہوجاتی ہے، اسی طرح سورج کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے نور تک رسائی ہوتی ہے، نیز سمندروں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت تک رسائی ہوجاتی ہے۔ شاعر کہتا ہے______:

وہ کونسی جا ہے جہاں جلوۂ محبوب نہیں
شوق دِیدار اگر ہے تو نظر پیدا کر

حضرت شاہ عطاء اللہ بخاری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کے لئے بڑی بڑی کتابوں کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں، منطق اور فلسفہ سیکھنے کی

ضرورت نہیں، اگر قلب سلیم ہوتو آدمی دودھ کو دیکھ کر بھی خدا تعالیٰ کی توحید کو پہچان سکتا ہے۔قرآن کریم نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِہٖ مِنۡۢ بَیۡنِ فَرۡثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِلشّٰرِبِیۡنَ. (النحل: ٦٦)

[اورتمہارے واسطے چوپایوں میں سوچنے کی جگہ ہے، پلاتے ہیں تم کو اس کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور لہو کے بیچ میں سے دودھ ستھرا خوشگوار پینے والوں کے لئے۔]

دودھ کو دیکھا جائے تو اس میں گائے کی رنگت کا اثر ہے نہ خون کی رنگت کا اثر ہے، اور نہ ہی گوبر کی بدبو کی کوئی تاثیر ہے۔اللہ تعالیٰ سرخ رنگت اور گوبر کی بدبو زائل کر کے خوش ذائقہ شفاف اور سفید دودھ پلاتے ہیں۔اور لطف یہ کہ پیتے وقت گلے میں اٹکتا بھی نہیں، ادھر منہ میں ڈالا ادھر معدہ میں جا پہنچا۔

عہد الست:

توحید کا اقرار اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے عالم ارواح میں لیا تھا کہ میں تمہارا رب ہوں، اللہ تعالیٰ نے پوچھا تھا ﴿اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ﴾ (الاعراف:۱۷۲) [کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں] تمام ارواح نے بیک زبان ہوکر جواب دیا ﴿بَلٰی﴾ [کیوں نہیں آپ ہمارے رب ہیں] پھر انبیاء کرام نے رب کی پہچان کرائی، جب نبی آخر الزماں تشریف لائے اور خدا کا آخری پیام ساتھ لائے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے پہلے جملے اور مقدمہ میں ہی رب کا تعارف کرایا ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ.﴾

(سورۂ فاتحہ آیت ۱) اور پھر اس کا اعادہ قرآن کریم کے سینکڑوں مقامات پر کیا اور قرآن کریم کے اختتام میں بھی ربوبیت کو اس طرح واضح فرمایا ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ.﴾ یعنی قرآن کریم کی ابتداء بھی "رب" کے لفظ سے ہوئی اور اختتام بھی اسی لفظ پر ہوا کتاب کے دیباچہ اور مقدمہ میں اسکی وضاحت کی اور اسی کو تتمہ اور اختتام پر بھی بیان فرمایا۔

تو عالم ارواح میں بھی رب کی وضاحت کی اور دنیاوی زندگی میں انبیاء کرام سے اس ربوبیت کا اعادہ کرایا گیا اور جب انسان قبر میں جائے گا تو وہاں بھی سب سے پہلے سوال یہی ہوگا کہ "من ربک" تمہارا رب کون ہے؟

کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی:

ایک بدوی سے کسی نے دریافت کیا کہ تو خدا کو کیسے پہچانتا ہے؟ اس دیہاتی عربی نے جواب دیا کہ:

البعرة تدل على البعير وآثار الاقدام على المسير فسماء ذات ابراج وارض ذات فجاج كيف لاتدل على اللطيف الخبير.

جس طرح اونٹ کی مینگیاں گواہی دیتی ہیں کہ اس راہ سے اونٹ گذرا ہے، اور قدموں کے نشانات چلے ہوئے راستوں کا پتہ بتاتے ہیں، پس آسمان برجوں والا اور زمین کشادہ راستوں والی اس ذات پاک لطیف وخبیر کے وجود پاک پر کیونکر دلالت نہ کرے گی۔ کسی نے خوب کہا ہے______:

کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

(معرفت الٰہیہ: ص ۱۱۰۔۱۱۱)

ظاہری زبان سلی ہوئی ہے مگر:

امام رازیؒ نے امام ابو جعفرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص دریا میں غرق ہو رہا ہو اور کوئی ظاہری سہارا موجود نہ ہو اور ڈوب رہا ہو تب بھی وہ ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ بچ جائے گا۔ یہی امید تو ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف اشارہ کرتی ہے، اگر چہ امید کی زبان پر خاموشی کی مہر لگی ہوئی ہے مگر دل اللہ تعالیٰ کے ترانوں سے لبریز ہے، ظاہری زبان سِلی ہوئی ہے مگر دل کی زبان اللہ تعالیٰ کا اقرار کر رہی ہے، اللہ تعالیٰ کو پکارتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا ایک دہریہ سے مناظرہ:

امام ابو حنیفہؒ اور ایک دہریہ کے درمیان توحید کے موضوع پر مناظرہ طے ہوا مناظرہ کے لئے جو وقت مقرر تھا اس وقت پر امام صاحب نہیں پہنچے اور ایک بڑا مجمع وہاں پر امام صاحب کا انتظار کر رہا تھا اور وہ دہریہ بھی وہاں پر موجود تھا لوگوں کی نگاہیں امام صاحب کو تلاش کر رہی تھیں انتظار کی گھڑیاں طویل ہوگئیں طرح طرح کے شکوک و شبہات اور قسم قسم کے خیالات امام صاحب کے بارے میں جنم لے رہے تھے، ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ یکا یک مجمع میں ہلچل شروع ہوئی اور ایک طرف سب کی نظریں جم گئیں، کیا دیکھتے ہیں کہ امام اعظم تشریف لا رہے ہیں، چہرہ پرسکون ہے، مجمع میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

دہریہ نے امام اعظمؒ سے پوچھا کہ حضرت! یہ تو بتائیے کہ توحید کے علمبردار اور اسلام کے ترجمان فرار کی ایسی کوشش کرتے ہیں، آخر تاخیر کیوں ہوئی؟ اس وقت تک

آپ کہاں غائب تھے؟

جواباً امام صاحب نے فرمایا کہ میں مقررہ وقت پر ہی مناظرہ کے لئے آرہا تھا، جب جنگل کے قریب پہنچا تو ایک دریا ملا، اس دریا کے کنارے جیسے ہی پہنچا تو ایک عجیب وغریب منظر نگاہوں کے سامنے آگیا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درخت خود بخود کٹ گیا اوراس کے تختے بنے پھراس سے خوبصورت کشتی بن گئی اور کشتی خود بخود دریا میں چلنے لگی اور اس کنارے کے لوگوں کواس (دوسرے) کنارے پار کرنے لگی، یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔

دہریہ چلا اٹھا اور کہنے لگا۔ لوگو! سنو! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے امام کے دماغ میں کچھ خلل بھی واقع ہے، کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ واقعہ خود بخود وجود میں آ سکتا ہے؟ لوگ بھی دم بخود حیران و پریشان کھڑے تھے، ہر طرف مایوسی کی فضا چھا گئی، دلوں میں طرح طرح کے شیطانی وسوسے جنم لینے لگے، اتنے میں امام صاحب کے لب ہلے، زبان سے پھول جھڑنے لگے اور موتیوں کی مالا بننے لگی، فرمایا یہ ٹھیک ہے کہ کوئی چیز خود بخود وجود میں نہیں آسکتی اور نہ ہی فنا ہوسکتی ہے، نہ درخت بغیر کاٹے کٹ سکتا ہے اور نہ کشتی بغیر بنانے والے کے بن سکتی ہے اور نہ ہی دریا میں رواں دواں ہوسکتی ہے، پھر سامعین اور حاضرین کو متوجہ کر کے فرمایا اگر میں کہتا ہوں کہ ایسا واقعۃً ہوا ہے مزید برآں یہ عرض کروں کائنات کا اتنا بڑا انظام بغیر کسی کے چلائے ہوئے چل رہا ہے تو اس سے بڑا باغی اور جھوٹا کون ہوگا؟ دہریہ نے یہ سنا تو سر جھکا دیا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا قائل ہوگیا۔

(ائمہ اربعہ کے دلچسپ واقعات ص۱۳۹)

بحث اس ذات میں کیوں کررہا ہے فلسفی
ایسے ایسے چپ ہیں یہ ہوتا نہیں چپ

ایک اور واقعہ:

ایک اور واقعہ یاد آیا، حضرت امام اعظمؒ سے ایک دہریہ کہنے لگا کہ مجھے آپ سے تین سولات کرنے ہیں، اور آپ سے پہلے بھی میں یہ سوال کئی لوگوں سے کر چکا ہوں لیکن اب تک کوئی اس کا جواب نہ دے سکا، امام صاحب نے فرمایا کہ پوچھو، کیا سوال ہے۔ وہ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ سے پہلے کون تھا؟

حضرت نے فرمایا: دس سے ایک تک گنتی گنو۔ اس نے گننا شروع کیا دس، نو، آٹھ، سات، چھ پانچ، چار، تین، دو، ایک۔ حضرت نے اس سے پوچھا: ایک سے پہلے کیا ہے؟ جواب دیا کہ ایک سے پہلے کوئی چیز نہیں، امام صاحب نے فرمایا: جس طرح ایک سے پہلے کوئی چیز نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ سے پہلے بھی کچھ نہیں ہے۔

دوسرا سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

امام صاحب نے موم بتی جلائی اور اس سے پوچھا کہ اس کی روشنی کہاں ہے؟

اس نے جواب دیا کہ اسکی روشنی تو ہر طرف پھیلی ہوئی ہے، امام صاحب نے فرمایا کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ہر جگہ موجود ہے۔ جس کا نور ہر سو پھیلا ہوا ہے، جس طرح دودھ کو دیکھ کر معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں مکھن ہے، لیکن اگر کہا جائے کہ اس میں مکھن نہیں ہے تو دنیا اس کو جھوٹا کہے گی کیوں کہ دودھ سے ہی مکھن بنتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا ادراک بھی ہم سائنس ٹیکنالوجی یا حواس خمسہ سے نہیں کر سکتے۔

اکبر مرحوم فرماتے ہیں__________:

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے
(اکبرنامہ ص۲۵۶)

تیسرا سوال یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت کیا کر رہا ہے؟

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اب تک تو جوابات کھڑے کھڑے دئے۔ اب تو کرسی سے اتر کر نیچے آ اور میں تیری جگہ بیٹھ کر اس سوال کا جواب دیتا ہوں۔ جب وہ کرسی سے نیچے اترا اور امام صاحب کرسی پر تشریف فرما ہوگئے تو فرمایا کہ خدا تعالیٰ اس وقت تجھے کرسی سے نیچے اتار رہا ہے اور مجھے اوپر چڑھا رہا ہے کرسی پر بٹھا رہا ہے۔ چنانچہ وہ ملحد لاجواب ہوکر رہ گیا اور توحید کا اعتراف کرلیا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

(ائمہ اربعہ کے دلچسپ واقعات ص۱۴۰۔۱۴۲)

اختلاف لسان بھی وجود باری تعالیٰ کا پتہ دیتی ہے:

امام مالکؒ سے کسی نے وجود باری تعالیٰ کے بارے میں پوچھا، تو جواب دیا کہ آوازوں اور زبانوں کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا، یہ اختلافِ نغمات اور اختلاف لسان وجود باری تعالیٰ کا پتہ دیتے ہیں، دنیا میں کسی شخص کی آواز اور شکل و شباہت دوسرے شخص کی طرح ہو بہو نہیں ہوتی، کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔ حالانکہ آواز ایک ہی جگہ سے نکلتی ہے، سانس کی نالی بھی ایک ہی قسم کی ہے، گلے کی ساخت بھی ایک ہی طرح کی ہے، زبان کی ساخت میں بھی کوئی فرق نہیں، مگر پھر بھی ایک شخص کی آواز کسی دوسرے سے نہیں ملتی۔ ان گنت چہرے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کئے ہیں، چہرے بنانے والی ایک ہی فیکٹری ہے، جس میں رنگا رنگ چہرے بنتے ہیں، سانچہ ایک ہے مگر شکل و شباہت میں فرق رکھا، ایک شکل بھی دوسرے سے پورے پوری نہیں ملتی، یہاں تک کہ ہاتھوں کی لکیریں اور نشانات بھی ایک

دوسرے سے مختلف ہیں۔ایک ہی نطفے سے انسان کو بنایا، گندہ ناپاک پانی جس کے نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے، کپڑے پر لگنے سے طہارت حاصل کرنے کے لئے کپڑا دھونا واجب ہوتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس گندے ناپاک پانی کو ایسے نقش ونگار سے مزین کردیا کہ ناپاک قطرے سے بننے والا انسان اشرف المخلوقات کہلایا اور اللہ تعالیٰ نے نطفے سے انسان بننے تک کے عمل کی تصویر کشی کیسے خوب انداز سے فرمائی ہے۔فرمایا کہ:

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا (المؤمنون: ۱۴)

اللہ تعالیٰ اس نطفے سے اتنا خوبصورت انسان تخلیق کردیتا ہے کہ ماں باپ اس کو دیکھ کر چومنے لگتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ. ﴾(التین:۵) [ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا] اور ایک جگہ ارشاد ربانی ہے: ﴿فِیْ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ. ﴾ (الانفطار:۸) [اللہ تعالیٰ جس کو چاہے جس صورت میں، جس شکل میں بنائے، یہ اللہ تعالیٰ کی مصوری ہے، اللہ تعالیٰ کی نقش ونگاری ہے اور اسی کی تخلیق ہے۔] غرض یہ کہ انسان کی زبان اور رنگ وشکل میں اختلاف ہی اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے، اور اختلافِ صورت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت مضمر ہے۔

وجود باری تعالیٰ پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قول:

ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کے وجود کی کیا دلیل ہے؟

حضرت نے جواب دیا میں نے ایک روز دیکھا کہ ایک گنبد ہے جس کی دیوار چاند کی طرح سفید ہے، اور اس میں نہ کوئی دروازہ ہے نہ کوئی کھڑکی، نہ ہوا کا گذر ہے اور نہ ہی خوراک پہنچانے کا کوئی ذریعہ اور اسی میں رہنا اور سونا ہے، آرامگاہ ہر طرف سے بند ہے، لیکن اچانک اسکی ایک دیوار گرتی ہے اور اس محل سے جیتا جاگتا جانور نکلتا ہے، اسکی خوبصورت شکل وصورت ہے اور وہ پیاری بولی بولتا ہے، دوستی اور دشمنی بھی کرتا ہے اور یہ خوبصورت محل انڈا ہے، یہ جانور پیدا ہوتے ہی ماں کی طرح دانہ چگتا ہے، اور دوست اور دشمن کی پہچان بھی رکھتا ہے، اسے شعور بھی حاصل ہوجاتا ہے، بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ جب مرغی کو انڈوں پر بٹھایا جاتا ہے تو ساتھ ہی دو تین بطخ کے انڈے بھی رکھ دیئے جاتے ہیں اس طرح مرغی ان انڈوں کو بھی سے لیتی ہے، جب ان سے بچے نکلتے ہیں تو بطخ کے بچے مرغی کے ساتھ ہی چلتے ہیں، جب مرغی نہر یا نالی وغیرہ کے کنارے سے گزرتی ہے تو مرغی اور اس کے بچے نالی کے کنارے کنارے چلتے ہیں مگر بطخ کے بچے پانی میں ڈبکی لگاتے ہیں اور پانی میں تیرتے ہیں، ان کو شعور کس نے دیا کہ تم تیرنا جانتے ہو اور پانی میں چل بھی سکتے ہو، یہ دلیل ہے خدائے لم یزل کی ـــــ:

کون سی جا ہے جہاں جلوۂ محبوب نہیں
شوقِ دیدار اگر ہے تو نظر پیدا کر

امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا تم نے پروردگار کو کس دلیل سے پہچانا؟:

امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا تم نے پروردگار کو کس دلیل سے پہچانا؟ تو جواب دیا میں نے توت کو دیکھا، ایک ہی درخت، تنا ایک، پانی ایک، مگر جانور جب اس کو کھاتے

ہیں تو مختلف ثمرات مرتب ہوتے ہیں اس کو بکری کھائے تو مینگنیاں دیتی ہیں، ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو ریشم بنتا ہے، شہد کی مکھی کھائے تو شہد بنتا ہے، اسی منظر سے متاثر ہو کر شیخ سعدی رحمہ اللہ بے اختیار پکار اٹھے ______:

برگ درختان سبز ہوشیار
ہر ورق دفتر یست معرفت کردگار

یہ تو معرفت باری تعالیٰ کے "توتی" دلائل تھے، اب ذرا "عنکبوتی" دلائل سنئے۔عنکبوت (مکڑی) کا گھر اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہے، کیونکہ مکڑی گھر بنانے کے لئے جو تار بناتی ہے وہ چار تاروں سے بُنا ہوتا ہے اور ہمیں ایک تار نظر آتا ہے، پھر ان چار تاروں میں ہر ایک تار ۴۰۰ تاروں سے مل کر بُنا ہوتا ہے، دنیا کی کوئی کاریگری، کوئی ٹیکنالوجی، کوئی سائنس، کوئی بھی ماہر، کوئی بھی مشّاق انجینئر اس طرح گھر نہیں بنا سکتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایک دلیل ہے، وجود باری تعالیٰ پر یہ بھی ایک دلیل ہے۔

بس آج کی گفتگو اسی پر ختم کرتے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۴ ﴾

مسلمان کی پہچان

مسلمان عربی لفظ ہے، اور یہ ''سلم'' سے نکلا ہے جس کے معنیٰ ہی سلامتی کے ہیں، اگر کسی مسلمان کی زندگی اس رخ پر نہیں ہے جس کی طرف اس روایت میں حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے، تو وہ ''کامل مسلمان'' نہیں ہے۔

﴿٤﴾

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مسلمان کی پہچان

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِيۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ شَفِيۡعَنَا وَحَبِيۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَ اَهۡلِ بَيۡتِهٖ وَاَهۡلِ طَاعَتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡراً كَثِيۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

عن عبد الله بن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ : المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمهاجر من هجر ما نهى اللّٰه عنه.
(مشکوۃ حدیث نمبر۵)

عن انسؓ قال قال رسول اللّٰه ﷺ : لايؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين. (متفق عليه)

او كما قال عليه الصلاة و السلام

تمام عمر اسی احتیاط میں گذری
کہ آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو
(اسد ملتانی)

ایمان اور اسلام کا جامع مفہوم:

محترم حضرات! میں نے ابھی آپ کے سامنے حضور ﷺ کے دو ارشاد پڑھے

ہیں، اسکی روشنی میں چند باتیں عرض کرنی ہیں۔پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایمان اور اسلام کا مفہوم بڑے عجیب انداز سے سمجھایا ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ [کامل مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان سلامت اور محفوظ رہیں] اس حدیث کے دو جزء ہیں ایک ''المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده '' اور دوسرا ''المهاجر من هجر ما نهى الله عنه''۔

پہلے جزء میں کامل مسلمان کی علامت بتائی گئی ہے کہ [کامل مسلمان وہ ہے جسکے ہاتھ اور اسکی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں] اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے انتہائی بلاغت سے مسلمانوں کو کامل مسلمان ہونے کی علامت سمجھائی ہے، زبان سے تکلیف پہنچانے کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو عار دلانے کے لئے کہتا ہے کہ آپ کا نام تو حبیب اللہ ہے لیکن آپ کام تو عدو اللہ (اللہ تعالیٰ کے دشمن) والے کرتے ہیں۔تو یہاں اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ کامل مسلمان وہی ہے جو اپنے ہاتھ اور ساتھ ساتھ اپنی زبان کو بھی کسی دوسرے کی ایذاءرسانی کے لئے استعمال نہ کرے۔

اس حدیث میں انسان کی عملی زندگی میں اخلاقیات کا معیار کیا ہونا چاہئے اسکی تعلیم دی گئی ہے۔اور بتایا گیا کہ آدمی ایسی زندگی گذارے کہ ہر شخص اس کو اپنا ہمدرد اور بہی خواہ سمجھے اور اس سے ڈر اور خوف محسوس نہ کرے، جس مسلمان سے دوسرے لوگوں کے جان و مال اور اسکی عزت و آبرو محفوظ ہو اس کو آپ نے کامل مسلمان بتایا ہے، اور مسلمان تو ''سلم'' سے نکلا ہے جس کے معنیٰ ہی سلامتی کے ہیں، اگر کسی مسلمان کی زندگی اس رخ پر نہیں ہے جس کی طرف اس روایت میں حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے، تو وہ ''کامل

مسلمان‘‘،نہیں ہے۔

قیامت کی ایک نشانی:

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ آدمی کی عزت اس کے ڈر کی وجہ سے کی جائے گی،اس عزت کا حال یہ ہوگا کہ سامنے تو اسکی خیریت پوچھی جائے گی لیکن دل میں اس کے لئے گالی ہوگی،تو یہ عزت اس لئے کی جاتی ہے کہ بعد میں وہ ایذاء نہ پہنچائے،لیکن یہ مسلمان کی شان نہیں ہے بلکہ مسلمان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ کسی مسلمان کواس سے تکلیف نہ پہنچے۔

ہجرت کی حقیقت:

حدیث کے دوسرے جزء میں ہجرت کا ذکر فرمایا ہے، نبی کریم ﷺ نے جب صحابۂ کرام کوہجرتِ مدینہ کاحکم دیا تو صحابۂ کرام ہجرت کر کے چلے گئے اس قربانی پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی تعریف فرمائی،فرمایا کہ:

’’الذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللّٰہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عنداللّٰہ‘‘ (سورۂ توبۃ ۲۰)

صحابۂ کرام نے مکہ مکرمہ چھوڑ دیا اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے،اس لئے کہ مکہ مکرمہ میں اسلام پر مکمل عمل کرنا مشکل تھا اگر کوئی آدمی اطمینان کے ساتھ اسلامی احکام پر عمل نہیں کرسکتا اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے وطن کو خیر باد کہہ دیتا ہے تو یہ اس کے لئے بہت بڑا ثواب اور بہت بڑے اجر کی چیز ہے،حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ **’’الھجرۃ یھدم ما کان قبلہ‘‘** (مسلم شریف،مشکوۃ حدیث نمبر ۲۵،معارف الحدیث ج ۱ ص ۱۱۷)

[ہجرت پچھلے سارے گناہوں کا صفایا کردیتی ہے] لیکن صرف اپنے مفاد کو پیش نظر رکھ کر وطن چھوڑنے والا نہ اجر کا مستحق ہے نہ وہ مہاجر ہے۔ ایک شخص ہجرت کرکے دوسرے کسی اسلامی ملک میں چلا گیا لیکن اس ملک میں جاکر وہ اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں سے بچتا نہیں ہے، حرام میں مبتلا ہے، منہیات سے گریز نہیں کرتا، تو وہ اصلی مہاجر نہیں ہے، اصلی مہاجر تو وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے اس سے وہ رک جائے اور اللہ تعالیٰ کے حدود سے تجاوز نہ کرے۔

پانچ منتخب احادیث:

حضرت امام ابوداؤدؒ نے سنن ابوداؤد میں پانچ لاکھ احادیث میں سے چار ہزار آٹھ سو احادیث کا انتخاب کیا ہے، اور پھر ان میں سے چار حدیث کا انتخاب کیا کہ اگر کوئی مسلمان ان چار احادیث پر بھی مکمل عمل کرلے تو پورا دین اس میں آجائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ نے بھی انہی چار احادیث کا انتخاب کیا ہے جن کا انتخاب امام ابو داؤدؒ نے کیا ہے، البتہ حضرت امام صاحبؒ نے اس میں ایک حدیث کا اضافہ کیا ہے اور جس حدیث کا اضافہ کیا وہ حدیث وہی ہے جس کی میں نے شروع میں تلاوت کی۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه.

دوسری حدیث ہے ”**انما الاعمال بالنيات**“ (بخاری شریف حدیث نمبر ۱) [اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔] یعنی نیت درست رکھے اور جو بھی عمل کرے وہ اخلاص سے کرے۔

تیسری حدیث ہے "من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه" (ترمذی شریف ج۲ص۵۸) [اسلام کی خوبی میں سے ہے کہ آدمی لایعنی کاموں اور لایعنی باتوں کو چھوڑ دے۔] جس میں نہ دین کا نفع ہو اور نہ دنیا کا ایسی بیکار چیزوں اور باتوں سے انسان اپنے کو بچائے۔

چوتھی حدیث ہے "لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه" (مشکوۃ شریف حدیث نمبر۶) [حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ چیز جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ دوسرے مسلمان کے لئے بھی پسند نہ کرے] جب ہم کسی کی غیبت کرتے ہیں تو کیا ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ ہماری بھی غیبت کی جائے، ہمیں بھی برا بھلا کہا جائے تو جو چیز ہم اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند نہ کریں۔

پانچویں حدیث ہے "الحلال بین والحرام بین" (بخاری شریف حدیث نمبر۵۲) [حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے۔] حلال چیزوں کو استعمال کرنا چاہئے اور حرام چیزوں سے بچنا چاہئے۔

ان المحب لمن یحب مطیع:

خطبہ میں میں نے دوسری حدیث جو پڑھی تھی اب اس سلسلہ میں چند باتیں عرض کرتا ہوں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [تم میں سے کوئی آدمی کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے دل میں میری محبت اپنے ماں باپ اور اپنے تمام احباب سے زیادہ نہ ہو۔] اس حدیث میں فرمایا کہ سب سے زیادہ محبت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے ہونی چاہئے، جب تک تمام دنیا والوں سے اپنے ماں باپ اور اپنے عزیز اور رشتہ داروں سے زیادہ محبت رسول کریم ﷺ سے نہ ہوگی اس وقت تک ایمان کامل نہیں ہوگا، محبت بہت بڑا سرمایہ ہے، یہی محبت فرماں برداری کا جذبہ پیدا کرتی ہے اور محبوب کے قدموں میں ڈال دیتی ہے، جب ہمیں رسول اللہ ﷺ کی کامل محبت نصیب ہوجائے گی تو اطاعت کا راستہ ہموار ہوجائے گا اور فرماں برداری میں لذت محسوس ہوگی۔ محبت خود آداب محبت سکھادیتی ہے۔ اور جس سے محبت ہوتی ہے اسکی ہر ادا محبوب ہوتی ہے، تو رسول اللہ ﷺ سے صحیح محبت ہوجائے تو پھر اتباع سنت بھی آسان ہوجائے گا۔ کسی عربی شاعر نے کہا ہے:

ان المحب لمن یحب مطیع

[محبت جس سے ہوتی ہے اس کا اتباع کیا جاتا ہے]

اب یہ کہ محبت کہتے کسے ہیں؟ محبت کے لغوی معنیٰ دل کے کسی چیز کی طرف میلان کے ہیں یا کسی لذیذ چیز کی طرف یا اچھی چیز کی طرف دل کے متوجہ ہونے کے ہیں۔

محبت کے اقسام:

محبت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ایک محبت طبعی ہے اور ایک محبت اضطراری ہے جس کو محبت فطری بھی کہتے ہیں۔ محبت طبعی وہ ہوتی ہے جس میں انسان محبت کرنے پر بے اختیار ہوتا ہے جیسا کہ ماں باپ کو اولاد سے ہوتی ہے، اس محبت کو پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی نہ دل میں جمانے کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ یہ محبت خود بخود ہوتی ہے۔ کیوں

کہ اولاد ہر وقت قریب رہتی ہے اور قریب رہنے والی بالخصوص نفع بخش چیز سے محبت قدرتی اور فطری ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہر آدمی کو اپنی آنکھ سے محبت ہوتی ہے، اپنے جسم اور صحت سے محبت ہوتی ہے، دیکھو اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے دل میں اولاد کی کس قدر محبت پیدا کردی ہے، اس محبت کے باوجود شریر بچوں کو ماں باپ سزا بھی دیتے ہیں، معاف بھی کرتے ہیں۔

دیکھو! جب ماں کسی شریر بچے یا بچی کو مارتی ہے اور وہ بچہ ماں سے معافی مانگنے لگتا ہے کہ پھر ایسی حرکت نہیں کروں گا، ماں مجھے معاف کردو تو ماں کے ہاتھ رک جاتے ہیں تو جب اللہ تعالیٰ نے ''ماں'' کے لفظ میں اتنی تاثیر رکھی ہے تو اللہ تعالیٰ کا نام کتنا پیارا ہے وہ کیوں معاف نہیں کرے گا، معافی مانگ کر تو دیکھو۔

اسی طرح ایک محبت محبت احسانی ہوتی ہے جو احسان کے بدلے میں پیدا ہوتی ہے، اگر آپ پر کسی نے احسان کیا ہے تو آپ اس کے احسان کی وجہ سے اس سے محبت کرتے ہیں، ایک مشہور جملہ ہے **''الانسان عبد الاحسان''** [انسان احسان کا غلام ہے۔]

احسانی محبت کی ایک مثال:

خلیفہ مامون الرشیدؒ کا وزیر یحییٰ برمکی بہت ہوشیار اور دانا آدمی تھا، مامون الرشید نے ایک دن اس سے کہا کہ آج میں بہت خوش ہوں، آج تو جو چیز بھی مانگے گا میں تجھے دوں گا، تو یحییٰ نے کہا بات اگر مانگنے کی ہے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے بیٹے کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہو جائے، تو مامون الرشید نے کہا کہ یہ تو میرے اختیار میں نہیں ہے کہ

میں اس کے دل میں اپنی محبت پیدا کروں، تو یحییٰ نے کہا کہ آپ میرے بیٹے کو انعامات دیتے رہیں اس کے دل میں خود بخود آپ کی محبت پیدا ہوجائے گی، تو یہ محبت جو ہوتی ہے یہ محبت احسانی کہلاتی ہے، کسی کے احسان کے بدلے اور کسی کے مصیبت اور تکلیف کے وقت ہمیں کام آنے کی وجہ سے ہمیں اس سے محبت ہوجاتی ہے، تو اس محبت کا نام حب احسانی ہے۔

اسی طرح ایک محبت حب جمالی ہے، کسی کی صورت پر ایک آدمی عاشق ہوگیا، کسی کی آواز پر عاشق ہوگیا، کسی کے اخلاق پر عاشق ہوگیا، غرض یہ کہ کسی کو کسی کی کوئی بھی ادا پسند آجائے اور وہ اسکی محبت میں گرفتار ہوجائے تو یہ محبت حب جمالی ہے۔

ایک محبت وہ ہے جس کو محبت کمالی کہتے ہیں، کسی میں کوئی کمال ہونے کی وجہ سے اس سے محبت کی جائے جیسے ہم اور آپ صحابہ کرام کا نام لیتے ہیں تو ساتھ میں ”رضی اللہ عنہ“ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا نام آتا ہے تو سب کہتے ہیں صلی اللہ علیہ و سلم۔ حضرت امام ابوحنیفہ کا نام آتا ہے تو سب کہتے ہیں ”رحمۃ اللہ علیہ“۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کا نام آتا ہے تو سب کی زبان پر ”رحمۃ اللہ علیہ“ آتا ہے۔ ان میں سے کسی کو ہم نے دیکھا نہیں لیکن ان میں کمال تھا، اسی کمال کی وجہ سے ہم ان سے محبت کرتے ہیں، تو یہ حب کمالی ہوئی۔

اسی طرح ایک محبت کا تقاضا عقل و فراست کرتی ہے، اس کا نام حب عقلی ہے۔ دیکھو! ایک ڈاکٹر جسم کے سڑے ہوئے گوشت کو کاٹ کر الگ کردیتا ہے، کڑوی دوا پلاتا ہے، زخم اور پھوڑے پر نشتر لگاتا ہے، لیکن ڈاکٹر سے نفرت نہیں ہوتی بلکہ عقل اس سے

محبت کا تقاضا کرتی ہے، اسی طرح بیمار آدمی اس کڑوی دوا سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ دوا پیوں گا تو تندرست ہوجاؤں گا صحت بحال ہوجائے گی، یا دوسری مثال ایک تاجر کی ہے، وہ بے چارہ دن رات سفر کرتا ہے، وقت بے وقت کھانا کھاتا ہے، اسے آرام کے لئے کم وقت ملتا ہے لیکن وہ یہ سب تکالیف برداشت کرتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ جتنی زیادہ محنت کرے گا اسے اتنا ہی زیادہ نفع ہوگا اور زیادہ دولت ہاتھ آئے گی۔ تو طبیعت یہ نہیں چاہتی کہ آدمی اتنی تکالیف اٹھائے لیکن عقل کہتی ہے کہ اگر یہ تکالیف برداشت کرلے گا تو تجھے اتنا نفع ہوگا تو اس محبت کو محبت عقلی کہتے ہیں۔

ایمان کامل کی علامت:

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا اے عمر! جس کے دل میں میری محبت اپنی ذات سے، اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہوگی تو وہ کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کے رسول! مجھے سب سے زیادہ آپ محبوب ہیں لیکن اپنی جان سے زیادہ نہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمر تب تو تم کامل ایمان والے نہیں ہو، حضرت عمرؓ نے فوراً جواب دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمر اب تم کامل ایمان والے ہوگئے۔
(مظاہر حق ج ا ص ۱۱۰)

تو محبت عقلی یہی ہے کہ فطری طور پر تو سب سے زیادہ محبت والدین یا اولاد سے ہوتی ہے لیکن عقلاً سب سے زیادہ محبوب اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہیں، اور یہ کب پتہ

چلے گا؟ جب دونوں محبتوں کا ٹکراؤ ہوگا، اولاد سے زیادہ محبت ہے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے، خاندان سے زیادہ محبت ہے یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے، آدمی کو مختلف چیزیں محبوب لگتی ہیں، قرآن کریم نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا کہ:

قل ان کان آباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ، واللہ لا یھدی القوم الفٰسقین"

(سورۂ توبہ آیت ۲۴)

آپ ان سے کہہ دو کہ تمہارے آباء تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے خاندان، تمہاری تجارت، تمہارے رہنے والے محبوب مکان، کیا تمہیں ان آٹھ چیزوں سے محبت ہے؟ یا آٹھ میں سے کسی ایک چیز سے بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبت ہے تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے اور اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے۔ اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ ان آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے بھی زیادہ محبت ہے تو پھر تم کامل ایمان والے نہیں ہو۔ صحابہ کرام نے دکھایا کہ ان کو ان آٹھ کی آٹھ چیزوں سے زیادہ محبوب اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کے جو نمونے نظر آتے ہیں، چشم فلک نے ان کی نظیر نہیں دیکھی ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا بیٹے کو حیرت انگیز جواب:

حضرت عبد الرحمٰنؓ جو حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے ہیں، ابھی مسلمان نہیں

ہوئے تھے اور کافروں کے ساتھ ایک غزوے میں شریک تھے۔ بعد میں جب مسلمان ہوئے تو ایک دن اپنے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہنے لگے کہ غزوۂ بدر میں آپ میرے سامنے (نشانے پر) آ گئے تھے، میں اگر چاہتا تو تلوار سے آپ کے سر کو تن سے جدا کر دیتا، مگر باپ ہونے کی وجہ سے میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! اگر تو میری زد میں آ گیا ہوتا تو میں تیرا سر اڑا دیتا، صرف اس بنیاد پر کہ تم اس وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں میں سے تھے۔

(کتاب الشفاء ج۲ ص۶۵، ملفوظات فقیہ الامت ج ا قسط نمبر۵ ص۱۴)

صحابۂ کرامؓ نے واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا حق ادا کر دیا۔ غزوۂ احد کے اندر کسی نے یہ خبر اڑا دی کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی، ایک انصاری عورت دوڑتی ہوئی نکلی، کسی نے کہا تیرے بیٹے کا انتقال ہو گیا ہے، اس نے کہا ”انا للّٰہ وانا الیہ راجعون“ کچھ آگے بڑھی، تو کسی نے کہا تیرے بھائی کا انتقال ہو گیا، اس نے کہا ” انا للہ وانا الیہ راجعون“ کچھ اور آگے چلی تو کسی نے کہا تیرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ جواب ملا رسول اللہ ﷺ حیات ہیں، وہ کہنے لگی جب تک میں خود نہ دیکھ لوں مجھے اطمینان نہیں ہو گا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو خود جا کر دیکھا تو کہا اللہ کے رسول آپ کو دیکھنے کے بعد سب مصیبتیں جھیل سکتی ہوں۔

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی
اے شہ دیں تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

صحابہ کرام کو رسول اللہ سے اس قدر محبت تھی۔

حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ کی دعا:

حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ وہ صحابی ہیں جن کو خواب میں اذان سکھائی گئی تھی، وہ اپنے کھیت میں کام کررہے تھے کسی نے آکر خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی ہے، یہ بات سن کر وہیں کھڑے کھڑے دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! یہ آنکھیں تو نے اس لئے دیں تھیں کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کا دیدار کیا کروں، اب جب حضور ہی نہیں رہے تو میں ان آنکھوں کو کیا کروں گا، میری آنکھوں کی روشنی (بینائی) تو واپس لے لے، ایسے دل سے دعا مانگی تھی کہ اسی وقت آنکھوں کی روشنی ختم ہوگئی۔

تو اس حدیث میں جس محبت کا ذکر ہے اس سے محبت عقلی مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت ماں، باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہوگی تو ایمان کامل نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی محبت نصیب فرمادے۔ آمین۔

میرے دوستو! ہم سب دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں آپ ﷺ سے محبت ہے تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی شکل وصورت، اپنا رہن سہن، اور اپنا ہر عمل سنت کے مطابق کریں، اللہ تعالیٰ کو یہی نمونہ پسند ہے اور کوئی نمونہ پسند ہی نہیں ہے، اسی میں دنیا وآخرت کی فلاح مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے، آخر میں ایک شعر پر اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں۔

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کردے میں صورت لے کر آیا ہوں

(کلام مجذوب ملقب بہ پیام مجذوب ص ۱۱۸)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

﴿۵﴾

فلسفۂ موت وحیات

موت سے کوئی بچ نہیں سکتا، خواہ وہ گولہ بارود سے بھاگے یا بیماری سے، تلواروں کی دھاروں سے راہ فرار اختیار کرے یا مرض سے، جہاد سے بھاگے یا ہسپتال سے، لیکن موت آ کر اس کو ضرور پکڑے گی۔ موت سے فرار حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج ان کی کل ہماری باری ہے

۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

فلسفۂ موت وحیات

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیۡعَنَا وَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ o بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o
اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِھِمۡ وَھُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡیَاھُمۡ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ. (البقرہ:۲۴۳)

وقال تعالیٰ فی مقام آخر:

اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِھَا قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعۡدَ مَوۡتِھَا فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ قَالَ کَمۡ لَبِثۡتَ قَالَ لَبِثۡتُ یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمۡ یَتَسَنَّہۡ وَانۡظُرۡ اِلٰی حِمَارِکَ وَلِنَجۡعَلَکَ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَانۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ کَیۡفَ نُنۡشِزُھَا ثُمَّ نَکۡسُوۡھَا لَحۡمًا فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.

(البقرہ:۲۵۹،۲۶۰)

صدق الله مولانا العظيم و صدق رسوله النبى الكريم و نحن على ذلك لمن الشاهدين و الشاكرين و الحمد لله رب العالمين۔

موت اور بعث بعد الموت کا مسئلہ:

محترم سامعین! میں نے ابھی آپ کے سامنے قرآن کریم کے دو مختلف مقامات سے چند آیتیں تلاوت کی ہیں۔ان میں اللہ رب العزت نے ایک اہم مضمون اور ایک اہم عنوان کا تذکرہ فرمایا ہے،اور وہ ہے موت اور بعث بعد الموت کا مسئلہ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ۔

پہلی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ موت ہر انسان کو آنی ہے موت سے کوئی آدمی بھاگ نہیں سکتا اور موت سے کوئی آدمی بچ نہیں سکتا، ہر ایک کو موت ضرور آئے گی،پہلی آیت جو میں نے تلاوت کی اسکی تفسیر میں تفسیر ابن کثیر میں سلف صحابہ و تابعین کے حوالہ سے ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کی کوئی جماعت ایک شہر میں بستی تھی اور وہاں کوئی سخت وبا طاعون وغیرہ پھیلا۔ یہ لوگ دس ہزار کی تعداد میں تھے سب گھبرا اٹھے اور موت کے خوف سے اس شہر کو چھوڑ کر سب کے سب دو پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع میدان میں جا کر مقیم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اور دنیا کی دوسری

قوموں (ہم سب کو سبق دینے کے لئے) پر یہ واضح کرنے کے لئے کہ موت سے کوئی شخص بھاگ کر جان نہیں چھڑا سکتا ہے، دو فرشتے بھیج دیئے، جو میدان کے دونوں سروں پر آ کر کھڑے ہوئے۔ اور دونوں نے ایک چیخ ماری جس سے سب کے سب بیک وقت مر گئے ایک بھی زندہ نہ رہا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ

کہ وہ موت کے ڈر سے بھاگ گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ نہیں سکے۔ کیوں کہ ''اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَاءَ لَا یُؤَخَّرُ'' اللہ کے یہاں موت کا ایک وقت متعین ہے، اور جب وہ وقت آ جاتا ہے تو پھر کسی کو مہلت نہیں دی جاتی۔

آس پاس کے لوگوں کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس میدان میں پہنچے۔ دس ہزار انسانوں کے کفن دفن کا انتظام آسان نہ تھا اس لئے ان کے گرد ایک احاطہ کھینچ کر حظیرہ (باؤنڈری) لگا دی، ان کی لاشیں حسب دستور گل سڑ گئیں، اور ہڈیاں پڑی رہ گئیں۔ ایک زمانۂ دراز کے بعد بنی اسرائیل کے ایک نبی جس کا نام حزقیل علیہ السلام بتلایا گیا اس مقام پر گذرے اور میدان میں جگہ جگہ انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے بکھرے ہوئے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے اس قوم کا پورا واقعہ بتلا دیا، تو حضرت حزقیل علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! میں جانتا ہوں کہ موت کے بعد زندگی ہے۔ موت درحقیقت زندگی کا ایک وقفہ ہے۔

موت زندگی کا ایک وقفہ ہے
یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر

لیکن میں دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ مجھے عین الیقین سے حق الیقین حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت حزقیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ ان شکستہ ہڈیوں کو اس طرح خطاب فرمائیں:

ایتھا العظام البالیة ان الله یامرک ان تجمعی

یعنی اے پرانی ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ہر جوڑ کی ہڈی اپنی جگہ جمع ہو جائے۔ یہ حکم سنتے ہی ہر انسان کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ لگ گئیں۔ پھر حکم ہوا کہ اب ان کو یہ آواز دو:

ایتھا العظام ان الله یامرک ان تکتسی لحماً و عصباً وجلداً

اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اپنا گوشت پہن لو اور پٹھے اور کھال درست کرلو یہ کہنا تھا کہ ہڈیوں کا ہر ڈھانچہ ان کے دیکھتے دیکھتے ایک مکمل لاش بن گئی۔ پھر حکم ہوا کہ اب ارواح کو یہ خطاب کیا جائے:

ایتھا الارواح ان اللہ یامرک ان ترجع کل روح الی الجسد الذی کانت تعمرہ.

اے روحو! تمہیں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اپنے اپنے بدنوں میں لوٹ آؤ، جن کی تعمیر وحیات ان سے وابستہ تھی۔ یہ آواز دیتے ہی ان کے سامنے سارے لاشے زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اور حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگے سب کی زبانوں پر تھا:

سبحانک لا الٰہ الا انت

(تفسیر معارف القرآن)

خلاصہ یہ ہے کہ موت سے کوئی بچ نہیں سکتا، خواہ وہ گولہ بارود سے بھاگے یا

بیماری سے،تلواروں کی دھاروں سے راہ فرار اختیار کرے یا مرض سے، جہاد سے بھاگے یا ہسپتال سے، لیکن موت آ کر اس کو ضرور پکڑے گی۔موت سے فرار حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج ان کی کل ہماری باری ہے

اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون.

کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا اسی دوران ایک دوسرا شخص آیا اور اسے گھور گھور کر دیکھنے لگا، جب وہ چلا گیا تو پہلے شخص نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی یہ کون تھا؟ اور مجھے کیوں گھور گھور کر دیکھ رہا تھا؟ سلیمانؑ نے جواب دیا کہ ملک الموت تھا، ملک الموت کا نام سنتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ کانپنے لگا اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہنے لگا مجھے دوسرے ملک پہنچادو۔ جب وہ دوسرے ملک میں پہنچا تو وہاں ملک الموت نے اس آدمی کی روح قبض کر لی۔ بعد میں ملک الموت کی ملاقات حضرت سلیمانؑ سے ہوئی تو حضرت سلیمانؑ نے ان سے پوچھا کہ آپ کیوں اس روز ہمارے ساتھی کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے؟ تو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا تھا کہ چند لمحوں کے بعد میں اس آدمی کی روح فلاں ملک میں قبض کرلوں۔لیکن میں یہ دیکھ رہا تھا کہ وہ آپ کے پاس بیٹھا ہے پھر کیا صورت ہوگی؟ اس وجہ سے میں نے اسے گھور کر دیکھا اور اس نے سہم کر آپ سے خود کو اس ملک میں پہنچانے کی درخواست کی جہاں میں نے اسکی روح قبض

کرنی تھی اور میں نے وہاں حکم خداوندی کی تعمیل کردی۔

قصہ حضرت عزیر علیہ السلام کا:

ایک دفعہ حضرت عزیرؑ کہیں جارہے تھے کہ راستے میں بیت المقدس سے بھی گزرنا ہوا۔ بخت نصر نے اس کو تباہ کردیا تھا، تمام مکانات گرچکے تھے، مردے بکھرے ہوئے تھے، کوئی ذی روح نہ تھا، ویرانہ اور سناٹا چھایا ہوا تھا، بھوت بنگلہ کا منظر پیش کررہا تھا، حضرت عزیرؑ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا ﴿اَنّٰی یُحْیِ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ [اے اللہ! یہ بھی زندہ ہوں گے؟] ﴿فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی وقت موت دے دی اور سلادیا اور سوسال بعدان کو دوبارہ زندگی دی۔ اور پوچھا (سوال کیا) ﴿كَمْ لَبِثْتَ﴾ [تم کتنا عرصہ سوئے]۔

انہوں نے جواب دیا: "لبثت یوما او بعض یوم" پورادن یا آدھادن صبح سے شام تک، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بل لبثت مائة عام" تم مکمل سوسال تک سوتے رہے، ہم نے تمہیں ایک سوسال بعد زندہ کیا ہے، اسی قسم کا مذاکرہ اصحاب کہف کے ساتھ بھی ہوا تھا، ان کو تین سونو (۳۰۹) سال بعد جگا کر سوال کیا تھا، اس سے ہمیں بعث بعد الموت کا سبق ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیرؑ سے فرمایا: "فانظر الی طعامک وشرابک لم یتسنه" اپنے کھانے پینے کو دیکھو، اسی طرح رکھا ہے جس طرح تم نے رکھا تھا، سڑا نہیں ہے۔ "وانظر الی حمارک ولنجعلک آیة للناس" اوراپنے گدھے کو بھی دیکھو جو مرچکا ہے، ریزہ ریزہ ہو چکا ہے، ہڈیاں بکھری ہوئی ہیں، گوشت مٹی بن گیا

ہے۔لیکن اب دیکھو کہ ہم اس کو کس طرح دوبارہ زندگی دیتے ہیں۔اور بعد میں آنے والی قوموں کے لئے اس میں نشانی ہے۔اور پھر قرآن کریم نے فرمایا: **"ان اللہ علیٰ کل شیء قدیر"** [یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔]

اسی طرح کے حضرت ابراہیمؑ کے ایک سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ چار مختلف پرندوں کو لے لو مفسرین لکھتے ہیں کہ انہوں نے طوطا، کبوتر، تیتر اور کوّے کو لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اب ان کو ذبح کردو اور چاروں کا قیمہ بنادو اور مخلوط کرکے (یعنی آپس میں ملا کرکے) مختلف پہاڑوں پر رکھ دو اور ان کو باری باری پکارو، وہ تمہارے پاس دوڑتے اڑتے ہوئے آجائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمام کے گوشت کو جمع کیا اور پرندوں کو دوبارہ زندگی عطا فرمائی، اسی کو قرآن کریم کہتا ہے:

"ثم اجعل علی کل جبل منهن جزء ا ثم ادعهن یاتینک سعیا واعلم ان الله عزیز حکیم"

بہر حال بعث بعد الموت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اور ہر نماز میں ہم اسکی تجدید بھی کرتے ہیں، اور کہتے ہیں **"ملک یوم الدین"** چنانچہ حضرات صحابہ کرام اور بڑے بڑے اولیاء عظام اس روز سے ڈرتے رہتے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپتے اور تمام تمام رات عبادت میں گزار دیتے تھے، اللہ تعالیٰ کے دربار میں آہ وفریاد کرتے تھے ؎

تمام رات نہیں سوئے یاد کرکے تجھے
گرفتہ دل تھے بڑے روئے یاد کرکے تجھے

حضرت ابوبکرؓ تمام رات روتے رہے:

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے "ان اللّٰہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنة" (سورۂ توبہ آیت ۱۱۱) کی تلاوت میں صبح کردی اور تمام رات اسی آیت کی تلاوت کرتے رہے۔ آپ نے پوچھا: ابوبکر! تمام رات اس آیت کی تلاوت کیوں کرتے رہے؟

تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں کہا: میرا کپڑے کا کاروبار ہے، کل ایک محترمہ نے مجھ سے کپڑا لیا تھا، اور آج واپس دے کر کہا: اے ابوبکرؓ! مجھے اپنے پیسے واپس دے دو اور کپڑا لے لو، کیوں کہ یہ کپڑا مجھے پسند نہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے ہم سے جان و مال کو خرید لیا ہے، اگر اس عورت کی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی مجھ سے یہ فرمادیا کہ اے ابوبکرؓ! تمہارے اعمال ہمیں پسند نہیں تو میرا کیا حال ہوگا۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کا مقام بہت بلند ہے، پھر بھی حضرت ابوبکرؓ اپنے آپ کو یہ کہا کرتے تھے کہ کاش میں کوئی تنکا ہوتا۔

اور حضرت عمرؓ کے بارے میں ہے کہ فرماتے تھے کہ میں نہیں چاہتا کہ میری نیکیاں زیادہ ہوں، اگر برابر ہوں (یعنی گناہ اور نیکیاں برابر سرابر ہوں) تو بھی غنیمت ہے، خوف اور پستی کا یہ عالم تھا۔

من نگویم کہ طاعتم بپذیر:

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ مکہ معظّمہ میں حرم شریف میں کنکریوں پر سجدہ ریز ہوکر فرمارہے تھے ؎

من نگویم کہ طاعتم بپذیر
قلم عفو بر گناہم کش
(گلستاں)

[میں یہ نہیں کہتا کہ میری عبادت قبول ہو، بس یہ التجاء ہے کہ میرے گناہ پر عفو و درگذر کا قلم پھیر دیا جائے] میرے گناہ معاف کردئے جائیں۔ حالانکہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا مقام بہت اونچا تھا پھر بھی اللہ تعالیٰ کا خوف اور آخرت کا ڈر اتنا سوار تھا کہ دنیاوی لذتوں میں انہیں مزہ ہی نہیں آتا تھا، اللہ تعالیٰ ہمیں ان اصحاب کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ہمیں مرنے کا یقین تو ہے مگر اس کا استحضار نہیں:

ہمیں الحمد للہ یقین تو ہے کہ مرنے کے بعد ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، لیکن استحضار نہیں۔ اگر اس کا استحضار ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے اوامر ادا کرنا اور نواہی سے بچنا بہت آسان ہو جائے، اس وجہ سے ہمارے مہربان رب نے قرآن کریم میں جابجا جہاں کسی چیز کا حکم دیا وہاں پر کچھ نہ کچھ آخرت کا تذکرہ ضرور کیا ہے مثلاً نماز کے بارے میں ایک جگہ فرمایا (یہ یاد رہے کہ نماز اسلام کا اہم فریضہ ہے اور نماز کسی حال میں معاف نہیں پنج وقتہ نماز کا ادا کرنا بیماری میں، سفر و حضر میں ہر جگہ اور ہر وقت ضروری ہے غرض یہ کہ نماز کسی حالت میں معاف نہیں) یہ بڑی مشکل اور بھاری ڈیوٹی ہے، خود قرآن پاک نے اسے بھاری کہا ہے فرمایا کہ "واستعينوا بالصبر والصلوة وانها لكبيرة" صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو یہ نماز بڑی بھاری ہے مگر "الا على الخاشعين" خشوع کرنے والے کے لئے ذرا مشکل نہیں، خشوع کرنے والے کون ہیں؟ تو فرمایا:

”الذین یظنون انھم ملٰقوا ربھم وانھم الیه رٰجعون“
(سورۂ بقرہ آیت ۴۵۔۴۶)

جن کو یہ یقین ہے کہ اپنے رب سے ملاقات ہوگی اور اسی کی طرف انہیں لوٹ کر جانا ہے، خداوند کریم سب کو استحضار نصیب فرمائے۔ سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک دن حاضر ہونا ہے سب کی پیشی ہوگی، اللہ تعالیٰ انسان سے اس نے دنیا کی زندگی میں جو کچھ اچھا برا کیا ہوگا اس کے بارے میں سوال کریں گے پوچھیں گے نہ کوئی وکیل ہوگا، نہ کوئی ترجمان ہوگا، نہ کوئی رشتہ ناطہ، نہ کوئی نسبت کام آئے گی۔ قرآن کریم اسی کے متعلق کہتا ہے:

”فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم“
(سورۂ مؤمنون آیت ۱۰۱)

اللہ تعالیٰ اس شعر کی وجہ سے اقبال کو بخش دیں گے:۔

آخرت میں اللہ تعالیٰ کے حضور جو پیشی ہوگی اس وقت کے متعلق شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کا ایک شعر یاد آیا، اور اس شعر کے متعلق بانی تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شعر کی وجہ سے اقبال کو بخش دیں گے، اقبال کہتے ہیں ؎

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذرہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہ مصطفےٰ پنہاں بگیر
(مجالس خطیب الامت ج۲ص۱۵۳)

یعنی آپ تو سب سے بے نیاز ہیں، میں محتاج ہوں۔ روز محشر میرا عذر مان لینا اور اگر میرا حساب و کتاب ضروری ہی ہو، تو آنحضرت ﷺ کی نگاہوں سے چھپا کر لینا۔

اس مختصر سی مجلس میں جو کچھ کہا سنا گیا اللہ تعالیٰ اس میں سے قابل عمل باتوں پر ہمیں عمل کرنے کی اور قابل ترک باتوں کو چھوڑنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۶ ﴾

علم کی فضیلت، اہمیت اور برکات

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

علم کی فضیلت، اہمیت اور برکات

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیۡعَنَاوَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ٥ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥
اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ. خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ. اِقۡرَاۡ وَرَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ. الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ. عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ.
(العلق:۱،۲،۳،۴،۵)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک لمن الشاہدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

انگریزی تعلیم کے مقاصد:

بزرگانِ محترم! آج کی میری گفتگو کا موضوع ہے ثمرات العلم، کہ علم کا ثمرہ کیا ہے؟ علم کی افادیت کیا ہے؟ کیونکہ ہر چیز کے حاصل کرنے کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ جیسے انگریزی تعلیم ہے، اس تعلیم کو رائج کرنے والوں کا ایک خاص مقصد تھا جس سے آپ

سب حضرات واقف ہیں۔

اسلامی تعلیم کا بھی ایک مقصد ہے:

اسی طرح اسلامی تعلیم جو علم الٰہی ہے، جسے انبیاء علیہم السلام لے کر آئے اس کا بھی ایک مقصد ہے، وہ مقصد کیا ہے، ایک مقصد تو یہ ہے کہ مساوات پیدا ہو، قرآن کریم کا حکم عام ہو، دنیا میں خدائی نظام کو برتری حاصل ہو، وہی نظام نافذ ہو، انسانوں کے وضع کردہ قوانین وضوابط جن سے انسانیت گمراہ رہی ہے ان سے نجات ملے۔ تاریخ کی کتابیں دیکھیں، فلسفہ اور منطق دیکھیں ان سب علوم پر انسانوں اور مسلمانوں کا اجماع بہت مشکل ہے، لیکن قرآن پاک کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اس میں ہمیں صرف ایک چیز پر متفق ہونے کا سبق ملتا ہے اور وہ ہے اسلام۔ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا تھا، قرآن پاک میں فرمایا:

یٰـبَنِـیْۤ اِسْـرَاءِ یْـلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰـلَمِیْنَ.

(البقرہ:۴۷)

اے بنی اسرائیل! ہم نے تم پر انعام کیا، تمہیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا اور اس وقت پورے عالم میں تمہیں فضیلت عطا فرمائی، مال و دولت کے اعتبار سے، علم کے اعتبار سے، دیکھو سینکڑوں انبیاء کرام بنی اسرائیل میں آئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت بڑی شان سے نوازا تھا اور انہیں بہت زرخیز جگہ عطا فرمائی۔

جب مال ودولت کی فراوانی ہوتی ہے:

لیکن مال و دولت ایسی چیز ہے کہ اس سے آدمی کی طبیعت عیش وعشرت کی

طرف مائل ہوجاتی ہے، آدمی عیاشی میں پڑ جاتا ہے، اور جب عیش میں مبتلا ہوجاتا ہے تو پھر ذلت آجاتی ہے، طرفہ تماشہ یہ ہے کہ وہ ذلت کو عزت سمجھنے لگتا ہے اور دیکھتے دیکھتے عزت کی جگہ ذلت لے لیتی ہے۔ اور فرد یا معاشرہ گرتا چلا جاتا ہے اور اسکی ساکھ کمزور ہوجاتی ہے اور وہ اپنا مقام کھودیتا ہے۔

بنی اسرائیل میں ایک نبی پیدا ہوئے حضرت دانیالؑ ۔انہوں نے اپنی قوم کو سمجھایا، قوم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا، اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مال ودولت عطا فرمائی ہے اس پر اِتراؤ نہیں، اس کا شکر بجالاؤ۔ اس کے احکام کی تعمیل کرو ورنہ بے عزت ہوجاؤ گے۔ اور یہ بے عزتی صرف تمہاری حد تک محدود نہیں رہے گی بلکہ تمہاری آنے والی نسلیں بھی اس میں مبتلا رہیں گی، لہٰذا اپنے اوپر رحم کھاؤ، اپنی نسلوں پر رحم کھاؤ، لیکن جب عیش کا نشہ کسی قوم پر چڑھ جاتا ہے تو اس کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے اور اسے اچھے اور برے کی تمیز نہیں رہتی۔

بخت نصر کی یلغار:

تو جب نبی کے کہنے پر کوئی عمل نہیں کیا، کان نہیں دھرے اور عیش میں بڑھتے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط کیا، یہ مشرک بادشاہ تھا اور عراق کا رہنے والا تھا، اس نے ان پر اور بیت المقدس پر چڑھائی کردی اس یلغار میں ستر ہزار بنی اسرائیل قتل کئے گئے، ان کے گھروں میں جو قیمتی مال اور جواہرات تھے اس نے وہ لوٹ لئے اور ستر ہزار بنی اسرائیل کو غلام بنا کر لے گیا، ان غلاموں میں جن کو قید کر کے لے گیا تھا ان میں حضرت دانیالؑ بھی تھے، حضرت دانیالؑ نے اپنی قوم سے کہا میں تمہیں اسی دن

سے ڈراتا تھا لیکن تم نے میری بات نہیں مانی اور آج تم مصیبت میں مبتلا ہوئے اور اپنے ساتھ مجھے بھی مصیبت میں مبتلا کر دیا،حضرت دانیالؑ اور دیگر غلاموں کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر بخت نصر عراق لے گیا اور سب کو جیل میں بند کر دیا،اب جب قوم والوں سے عیش چھن گیا اور جیل کی صعوبتوں میں پڑ گئے تو حضرت دانیالؑ سے کہا کہ حضرت! ہم نے آپ کی بات نہیں مانی تھی،ہم خطاوار تھے اور آج ہم اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں، استغفار کرتے ہیں،یہ تو آپ جانتے ہیں کہ نبی بہت شفیق ہوتا ہے،ہر نبی کو اپنی امت سے بہت محبت ہوتی ہے،حضرت دانیالؑ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ جیل خانہ کے اندر ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت شروع کر دو،میرے کہنے کے مطابق زندگی گذارو،چنانچہ اس جیل میں اس قوم کو توبہ کی توفیق ملی،اور پوری قوم اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور عبادت میں مشغول ہوگئی،چہرہ ذکر الٰہی کے نور سے دمک اٹھا اور تو اور جو نہایت عیش پرست تھے وہ بھی تقویٰ اور طہارت کا لباس پہن چکے تھے اور اب قید خانہ خانقاہ بن چکا تھا،جیل کے انچارج نے جو یہ انقلاب دیکھا تو وہ بھی حضرت دانیالؑ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، اسے بھی حضرت دانیال سے محبت پیدا ہوگئی اسے بھی مرد حق کی پیشانی کا نور نظر آنے لگا،کسی نے خوب کہا ہے______:

مرد حق کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

اس نے بہت سی رعایات ان کے ساتھ شروع کر دیں،اب جیل سے ذکر اللہ کی آوازیں آرہی ہیں عبادت ہو رہی ہے۔

بخت نصر کا خواب:

ایک زمانہ گذرنے کے بعد بخت نصر نے ایک خواب دیکھا اور بہت عجیب قسم کا ہیبت ناک خواب دیکھا، خواب دیکھنے کے بعد جب صبح اٹھا تو خواب بھول گیا، اس کے دربار میں بڑے بڑے نجومی بیٹھا کرتے تھے، جو غیب کا علم رکھنے کے دعویدار بھی تھے، اس نے سب کو بلایا اور کہا کہ میرے خواب کی تعبیر بتاؤ، نجومیوں نے پوچھا کہ خواب کیا دیکھا تھا، اس نے کہا کہ خواب تو میں بھول گیا ہوں، نجومیوں نے کہا جب خواب یاد نہیں تو تعبیر کہاں سے دیں، خواب بتاؤ گے تو تعبیر بتائیں گے، جب خواب ہی بھول گیا ہے، تو تعبیر کس چیز کی؟ اس نے کہا تم جو غیب کے علم کے دعویدار ہو اور تنخواہ بھی لے رہے ہو، ایک خواب کی تعبیر نہیں بتا سکتے تو تمہاری ضرورت ہی کیا ہے؟ اس نے غصہ سے کہا کہ تین دن کے اندر اندر مجھے خواب کی تعبیر چاہئے ورنہ سب کو قتل کر دیا جائے گا۔ اب نجومی بہت پریشان ہوئے کیونکہ انہوں نے بہت سے دعوے کر رکھے تھے ہمارے پاس فلاں فلاں علم ہے اور ادھر بادشاہ الجھن کا شکار ہے کیونکہ اس نے بہت ڈراؤنا خواب دیکھا تھا اور بھول گیا تھا، حضرت دانیالؑ کو جیل میں معلوم ہوا کہ اس وقت بادشاہ سخت الجھن میں مبتلا ہے، اس نے جیل کے حاکم کو بلایا اور اس سے کہا کہ جا کر اپنے بادشاہ سے کہہ دو کہ دانیال تمہارے خواب کی تعبیر بتا سکتا ہے، اور تمہیں پریشانی سے نکال سکتا ہے، جیل کے حاکم نے کہا کہ میں تو پہلے ہی آپ سے متاثر ہوں اور عقیدت مند بھی، میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں اگر کوئی بادشاہ کی الجھن دور کر سکتا ہے تو وہ آپ ہی ہو سکتے ہیں، اور حقیقت تو آپ ہی بتا سکتے ہیں، حضرت دانیالؑ نے فرمایا تم جا کر بادشاہ کو میری بات بتاؤ اس سے تم کو بھی فائدہ

ہوگا اور مجھے بھی نفع ہوگا، تمہارا فائدہ تو یہ ہوگا کہ تمہیں انعام مل جائے گا اور مجھے یہ فائدہ ہوگا کہ مجھے رہائی مل جائے گی، اور جب مجھے رہائی مل جائے گی تو میں اپنی قوم کی رہائی کی کوشش کروں گا، جیل کے حاکم نے جاکر بادشاہ سے کہا کہ میرے قیدخانے میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو آپ کے خواب کو بھی جانتا ہے اور اسکی تعبیر بھی جانتا ہے، بخت نصر نے اسے حکم دیا کہ اسے جاکر آزاد کردو اور جلدی سے میرے پاس لے آؤ تاکہ میری پریشانی ختم ہو، چنانچہ حاکم دوڑتا ہوا آیا حضرت دانیالؑ کو بیڑیوں سے آزاد کر دیا، انہیں شاہی لباس پہنایا اور بڑے اعزاز کے ساتھ شاہی دربار میں لے آیا، دربار لگا ہوا تھا بڑے بڑے وزراء بیٹھے ہوئے تھے علوم غیب کے دعوے دار نجومی بھی بیٹھے ہوئے تھے حضرت دانیالؑ کی آمد کا منظر دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی، کیونکہ دربار کا قانون یہ تھا کہ جو وہاں جاتا تھا پہلے بادشاہ کو سجدہ کرتا تھا، حضرت دانیالؑ جب پہنچے تو نہ سجدہ کیا اور نہ رکوع کیا بلکہ اسلامی قانون کے مطابق سلام کیا، بادشاہ نے انہیں اپنے قریب بلایا اور بڑے اعزاز سے بٹھایا اور پوچھا کہ آپ کو میرا خواب معلوم ہے؟ جواب دیا ہاں مجھے تمہارا خواب معلوم ہے، پوچھا کیا تعبیر بھی معلوم ہے؟ جواب دیا ہاں تعبیر بھی معلوم ہے، بادشاہ نے دربار برخواست کردیا اور حضرت دانیالؑ اور جیل کے حاکم کو خلوت میں لے گیا، بادشاہ نے حاکم سے کہا اگر اس نے خواب سچا بتادیا تو تجھے انعام دیا جائے گا تجھے ترقی دی جائے گی اور اگر خواب غلط بتایا تو سب سے پہلے تیری گردن اڑادی جائے گی، پھر بادشاہ نے حضرت دانیالؑ سے پوچھا کہ میرے دربار کا قانون یہ ہے کہ جو یہاں آتا ہے وہ سجدہ کرتا ہے لیکن تم نے سجدہ نہیں کیا، کیوں؟

حضرت دانیالؑ نے بہت عجیب اور حکیمانہ جواب دیا فرمایا کہ میرے سجدہ نہ

کرنے میں تیرا بھی فائدہ تھا اور میرا بھی، اس لئے میں نے سجدہ نہیں کیا، اگر میں سجدہ کرلیتا تو خواب اور خواب کی تعبیر دونوں ذہن سے نکال دیئے جاتے۔ سنو! حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جس طرح عارف کامل ہوتے ہیں اسی طرح عقل میں بھی کامل ہوتے ہیں، ان کی عقل وفراست کا کسی سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔

انبیاء سب سے زیادہ عقلمند ہوتے ہیں:

انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ بہت قوی عقل عطا فرماتے ہیں، اس لئے حضرات انبیاء بہت سے فیصلے وحی نازل ہونے سے قبل اپنی عقل سے کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ ان فیصلوں کو برقرار رکھتے تھے، آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام عقلوں سے زیادہ قوی عقل عطا فرمائی تھی دنیا کے تمام عقلاء وحکماء اور فلاسفہ کی عقلیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور دوسری طرف آپ ﷺ کی عقل کو رکھا جائے تو نبی کریم ﷺ کی عقل مبارک سب پر بھاری پڑ جائے گی۔

حضور ﷺ کا ایک فیصلہ:

حضور ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میرا پڑوسی مجھے بہت تنگ کرتا ہے، اذیتیں دیتا ہے، بہت ستاتا ہے، آپ نے فرمایا کہ اپنے گھر کا جتنا سامان ہے وہ اٹھا کر گھر کے باہر رکھ دو، اور خود بھی ساتھ بیٹھ جاؤ، اور کوئی آکر پوچھے کہ بھائی گھر ہوتے ہوئے باہر کیوں بیٹھے ہو تو ان سے کہو کہ پڑوسی بڑی تکلیف پہنچاتا ہے، اب اس شخص نے گھر کا سامان باہر نکال کر رکھ دیا اور خود بھی بیٹھ گیا، اب جو آتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے تو جواب میں یہ کہتا ہے کہ پڑوسی بہت ستاتا ہے، ہر وقت تنگ کرتا رہتا

ہے اور گھر میں سکون سے نہیں رہنے دیتا، اب جو اسکی بات سنتا وہ کہتا کہ ایسے پڑوسی پر لعنت ہو، سب لوگ اسے برا بھلا کہتے، یوں صبح سے شام تک اس پر لعنت برستی رہی، سنتے سنتے پڑوسی تنگ آ گیا اور اس نے آکر معافی مانگ لی اور قسم بھی کھائی کہ آئندہ نہیں ستاؤں گا بلکہ تمہاری خدمت کروں گا لیکن اب تم گھر میں چلے جاؤ تو یہ بات نبی کریم ﷺ نے وحی کے ذریعہ نہیں بتائی بلکہ اپنی عقل مبارک سے بتائی۔

حضور ﷺ کی دانائی کی ایک مثال:

غزوۂ بدر کا موقعہ تھا دشمنوں کا ایک جاسوس مسلمانوں میں گھس آیا صحابہ کرام نے اسے پکڑ لیا اور پوچھ تاچھ شروع کر دی، تمہارا لشکر کتنا بڑا ہے؟ فوجیوں کی تعداد کتنی ہے؟ اس نے یہ تو بتایا کہ لشکر بہت بڑا ہے لیکن تعداد بتانے سے انکار کر دیا، لوگوں نے اسکی پٹائی شروع کر دی، پھر بھی وہ اتنا ہی کہتا تھا کہ "واللّٰہ لکثیر، واللہ لکثیر" اللہ کی قسم بہت بڑا مجمع ہے، رسول اللہ ﷺ کے کانوں میں آواز آئی تو پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے اور اسے بلایا۔ لوگوں نے بتایا کہ ہم اس سے پوچھ رہے ہیں کہ کفار کے مجمع کی تعداد کتنی ہے اور یہ بتا نہیں رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو پھر ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دی، اور پھر باتوں باتوں میں آپ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے لشکر والوں کے لئے گوشت تو پکتا ہوگا، اس نے کہا کہ ہاں پکتا ہے، پوچھا کتنے اونٹ ذبح ہوتے ہیں اس نے جواب دیا کہ دس اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اور سن لو کہ لشکر کی تعداد ایک ہزار ہوگی۔ اس لئے کہ ایک اونٹ سو آدمیوں کے لئے کافی ہے، آپ نے دو منٹ کے اندر ایک خاص ترکیب سے یہ پتہ لگا لیا کہ مجمع کتنا ہے۔

حضرت دانیالؑ کا حکیمانہ جواب:

تو حضرت دانیالؑ نے بہت حکیمانہ جواب دیا اور فرمایا کہ میں نے سجدہ اس لئے نہیں کیا کہ اس میں تیرا بھی فائدہ ہے اور میرا بھی۔ فرمایا کہ میرا فائدہ تو یہ ہے کہ تیرے خواب کا علم مجھے میرے رب نے سکھایا، میرا ذاتی علم نہیں ہے، اگر میں سجدہ کرتا تو میرا رب میرے ذہن سے تیرے خواب کو بھلا دیتا اور اس کا نقصان یہ ہوتا کہ تیری الجھن اور تیری مشکل حل نہ ہوتی اور تیری پریشانی برقرار رہتی اور یہ میرے لئے بھی اچھا نہ ہوتا کہ میری گردن اڑا دی جاتی اور مجھے قتل کر دیا جاتا، بخت نصر حضرت دانیالؑ کے اس حکیمانہ جواب سے بہت متأثر ہوا اور کہا کہ میں نے آج تک ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کا رب سامنے موجود نہیں ہے پھر بھی دل میں اس قدر خوف موجود ہے۔

پھر اس نے حضرت دانیالؑ سے درخواست کی کہ وہ خواب اور اسکی تعبیر بتائیں حضرت دانیالؑ نے فرمایا کہ تو نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک بہت بڑا بت ہے اور وہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے اور اتنا بڑا بت ہے کہ اس کے پیر زمین میں ہیں اور سر آسمان میں ہے، بادشاہ نے کہا کہ واقعی میں نے یہی خواب دیکھا ہے، آگے فرمایا کہ اس بت کا سر سونے کا ہے اور اس کا پنڈا چاندی کا ہے، پیٹ پیتل کا اور رانیں تانبے کی ہیں، اور پنڈلیاں لوہے اور شیشے کی ہیں، قدم مٹی کے ہیں اور ہر دھات الگ الگ چمک رہی ہے، تم اس بت کو حیرت اور تعجب سے دیکھ رہے ہو کہ اچانک اس بت کے اوپر ایک پتھر گرا جس نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا، اب اس بت میں موجود کئی قسم کی چمکدار چیزیں برقرار نہیں رہیں اور ٹوٹ کر ایک دوسرے کے ساتھ مل گئیں، سونا، سونا نہیں

رہا، چاندی، چاندی نہیں رہی، پیتل، پیتل نہیں رہا، تانبا، تانبا نہیں رہا، بلکہ ان سب چیزوں کی صرف معمولی معمولی چمک باقی رہ گئی اس کے بعد وہی پتھر جس نے اتنے بڑے بت کو ریزہ ریزہ کیا تھا اب وہی پتھر پھیلنے لگا اور تھوڑی دیر میں اس قدر پھیل گیا کہ پوری کائنات پر چھا گیا۔

خواب کی تعبیر:

بادشاہ نے کہا کہ خدا کی قسم! تم نے اس خواب کے بیان کرنے میں ذرہ برابر بھی کمی اور زیادتی نہیں کی، میں نے بعینہٖ یہی خواب دیکھا تھا، بادشاہ نے کہا کہ اسکی تعبیر کیا ہے؟

حضرت دانیالؑ نے فرمایا کہ تم نے جو سونے کا سر دیکھا ہے، اس سے مراد تمہاری قوم ہے جو تمدن کے اعتبار سے اس وقت ساری قوموں سے آگے ہے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سب سے زیادہ متمدن قوم بغداد میں آباد تھی۔ آگے فرمایا کہ اس کے بعد ایک دور آئے گا جو تیرے بیٹے کا دور ہوگا اور اس وقت تمدن میں گراوٹ آجائے گی، جیسے سونے کے مقابلے میں چاندی اور جو تم نے تانبا دیکھا ہے اس سے مراد وہ قومیں ہیں جن کے چہرے سرخ ہیں، جیسے حجازی، شامی اور یمنی قوموں کے لوگ جن کے چہرے لعل کی طرح ہوتے ہیں اور جو تم نے پیتل دیکھا ہے اس سے مراد یہ قومیں ہیں چینی، جاپانی وغیرہ اور جو تم نے مٹی کے دو پیر دیکھے ہیں اس سے مراد ایک ملکہ ہے جو آئندہ پیدا ہوگی اور بہت کمزور ہوگی اور اسکی قوم بھی کمزور ہوگی۔ اور جو تم نے پتھر دیکھا ہے جس نے بت کو ریزہ ریزہ کر دیا، فرمایا کہ یہ پتھر جناب محمد ﷺ ہیں۔

آپ کی بعثت سے قبل عرب میں آباد خاندان اور قومیں خود کو ایک دوسرے سے

افضل اور برتر سمجھتی تھیں، ہر خاندان کو اپنے او پر فخر تھا، لیکن جب آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا ''کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فوقیت نہیں ہے، آپ ﷺ نے نسلی امتیازات کو مٹا دیا۔

جب تعلیم آئے گی:

آپ ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو سب سے پہلے غار حرا میں جو وحی نازل ہوئی اس کے الفاظ یوں تھے:

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ.

(سورۂ علق آیت ا)

فرمایا پڑھئے۔ جب صحیح علم آئے گا تو چوری بھی ختم ہوگی، زنا بھی ختم ہوگا، اور زمانے کی ساری برائیاں ختم ہوں گی، تو سب سے پہلے فرمایا ''اقرأ'' پڑھئے، یعنی تعلیم کی طرف توجہ دیجئے پھر جن لوگوں نے اس کو قبول کرلیا اور مشرف باسلام ہوئے تو پھر انہیں جتنی تکالیف پہنچائی گئیں، جتنا ستایا گیا اس سے کسی قدر آپ بھی واقف ہیں لیکن ان مسلمانوں نے اپنی محنت جاری رکھی اور ایمان نہیں چھوڑا، بزدلی اور مؤمن دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وجاھدھم بہ جھاداً کبیرا'' (سورۂ فرقان آیت ۵۲) جہاد کرو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اور بڑا جہاد کلمہ حق کا اعلان تھا، اسلام کی دعوت تھی، کافروں کے ساتھ جنگ کیوں کی جاتی تھی، مسلمانوں کو کیوں پیٹا جاتا تھا، اس لئے کہ وہ کفار کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، حق کی دعوت دیتے تھے، تیرہ سال تک مسلمانوں نے کفار کے ہاتھوں اذیتیں اٹھائیں، ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا گیا، لیکن ظلم کے بادل چھٹے، ابر رحمت برسا اور وہی اسلام ان کے دل ودماغ پر

چھا گیا،جن کو اسلام سے وحشت تھی،اور اللہ تعالیٰ نے ایسا انقلاب برپا کردیا کہ پورے مکہ اور پورے حجاز کو خاص کر حرم کو اللہ تعالیٰ نے شرک سے پاک کردیا،اب اس دور کو دور جاہلیت نہیں بلکہ ''خیر القرون'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو یہ انقلاب کیسے آیا،انقلاب کوئی باہر سے آنے والی چیز نہیں بلکہ یہ باطن سے آتا ہے،جب انقلاب باطن میں ہوگا تو پھر پورے عالم میں انقلاب پیدا ہوجائے گا،اب دیکھنا یہ ہے کہ انقلاب پیدا ہونے کا ذریعہ کیا ہے؟

تو انقلاب علم سے آتا ہے،تعلیم سے آتا ہے،لیکن انقلاب کے لئے تعلیم کونسی حاصل کرنی پڑے گی؟ کیونکہ ایک دنیا کی تعلیم ہوتی ہے،مثلاً ایجادات وانکشافات کی تعلیم،سائنس اور انجینئرنگ کی تعلیم وغیرہ لیکن فرمایا یہ تعلیم نہیں ہے۔ آپ ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ.﴾ پڑھئے،اس رب کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا ہے،ہوسکتا ہے کہ ماں باپ کہیں کہ پیدا تو ہم نے کیا ہے،تکلیفیں ہم نے اٹھائی ہیں۔بے شک پیدائش کا ذریعہ ماں باپ ہی ہیں لیکن ماں باپ کے دل میں شفقت اور محبت ڈالنے والی ذات کون ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی ہے،قلوب کے اندر محبت ڈالنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے،تو سب سے پہلے فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ.

ہم نے انسان کو ایک بے حقیقت اور ایک ناپاک نطفے سے پیدا کیا تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور کبریائی کی تعلیم دی گئی۔اور جس نے رب کو پہچان لیا تو پھر اس نے ہر چیز کو پہچان لیا،جس نے رب کو نہیں پہچانا اس نے کسی چیز کو نہیں پہچانا۔اور

جس نے رب کو پہچان لیا تو اس نے ساری کائنات کو اپنے تابع بنالیا۔

تعلق مخلوق سے نہیں خالق سے جوڑنا چاہئے:

آپ نے دنیا میں تشریف لاتے ہی ابن آدم کو جھنجھوڑا اور بتلایا کہ دنیا اور اسکی چیزوں سے بے رغبتی پیدا کرو یہاں تک کہ خالق و مالک سے سچی محبت پیدا ہو جائے یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ہے انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو اور مالک حقیقی کی معرفت علم سے ہوگی اور وہ علم ہے علم الٰہی، حضرات صحابہ کرام اور خوش نصیب لوگوں نے جب رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو مانا، اپنایا اور اس علم الٰہی کو اپنے سینے میں جگہ دی تو پھر دنیا نے دیکھا کہ ساری کائنات پر انہوں نے حکومت کی۔

جب غلام آقا کا راز دار بن جائے:

مولانا رومؒ نے لکھا ہے کہ اگر ایک بادشاہ کے پاس کوئی خادم آجائے اور اس سے کہے کہ بادشاہ سلامت! مجھے اپنا خزانہ بتلادیں، آپ کے خزانے میں کتنا مال و دولت ہے، کتنا اسلحہ ہے وغیرہ وغیرہ تو بادشاہ کیا کہے گا؟ یہی نا کہ اسے پکڑ کر ڈنڈے لگاؤ اور اسے یہاں سے باہر نکال دو، لیکن ایک غلام ایسا آتا ہے جو بادشاہ کا مطیع وفرماں بردار اور نیاز مند ہے، بادشاہ کی ہر بات مانتا ہے اور اسکی اطاعت و نیاز مندی سے بادشاہ کے دل میں محبت پیدا ہوگئی تو پھر تو بادشاہ بر بنائے محبت اس کو آہستہ آہستہ سب کچھ بتانا شروع کر دے گا، ساری راز کی باتیں بھی اس سے کہنا شروع کر دے گا، بالکل اسی طرح اگر آج ہم حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرماں بردار بن جائیں تو ساری کائنات ہماری ہو جائے گی، ہماری زندگی کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، ہم عبادت اسی لئے

کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی نصیب ہو، اپنے مقصد کے لئے بندگی یا عبادت کرنا یہ بندگی بھی بے بندگی ہے، ایک آدمی نماز اس نیت سے پڑھتا ہے کہ اس کے کاروبار میں برکت ہو، اسے زیادہ مال و دولت نصیب ہو، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ انعام ملتا ہے تو سجدے کرتا ہے اس کے ذکر سے زبان تر رکھتا ہے، لیکن یہ بندگی تو اپنے لئے ہے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے کی جائے تو اتنا کچھ ملے گا جس کا تصور بھی مشکل ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے:

"وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصلحات ليستخلفنهم في الارض كما استخلف الذين من قبلهم" (سورۂ نور ۵۵)

ہم وعدہ کرتے ہیں ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور ایمان لانے کے ساتھ ہمارے حکم پر چلتے رہے، ہم ان کو زمین میں خلافت عطا فرمائیں گے۔

حضرت سعدؓ نے بسم اللہ پڑھ کر گھوڑے سمندر میں ڈال دیئے:

حضرت سعد بن وقاصؓ ایک بڑے لشکر کو لے کر ایران پہنچے، ان کے راستے میں سمندر حائل تھا، دشمنوں نے پل توڑ دیا تھا، حضرت سعد بن وقاصؓ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ اپنے گھوڑوں کو بسم اللہ پڑھ کر سمندر میں ڈالدو، آج ہمیں یہ پانی، سمندر کا طوفان کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، اس لئے کہ ہمارا تعلق خداوند قدوس کے ساتھ ہے، ہم اس مالک حقیقی کے غلام ہیں جس کی کل کائنات ہے تاریخ گواہ ہے اور کوئی اس کو جھٹلا نہیں سکتا کہ جب ان لوگوں نے سمندر میں اپنے گھوڑوں کو ڈالا تو وہ گھوڑے سمندر میں ایسے چل رہے تھے جیسا کہ کسی روڈ کے اوپر سے گذر رہے ہوں۔ اسی کو اقبال نے کہا ہے ؎

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دئے گھوڑے ہم نے
(اقبال)

حضرت سراقہؓ کا واقعہ:

حضرت نبی کریم ﷺ جب اپنے جاں نثار صحابی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہمراہ لے کر مدینہ منورہ جارہے تھے، سراقہ نے پیچھا کیا اور قریب پہنچ گیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ سراقہ تو ہمارے قریب پہنچ گیا ہے، آپ نے فرمایا کہ گھبرائیے نہیں اور پھر دنیا نے دیکھا کہ زمین جس کا کام دھنسانا نہیں، نگلنا نہیں، اسی زمین میں سراقہ کے گھوڑے کے دونوں پاؤں دھنس گئے اور یہاں تک دھنستے رہے جب تک کہ اس کو یقین نہیں ہوگیا کہ اب اسکی ہلاکت منھ کھولے سامنے کھڑی ہے اور سراقہ نے گریہ و زاری شروع کردی اور نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ اس مصیبت سے نجات دلائیے آئندہ میں کسی طرح کی اذیت نہیں پہنچاؤں گا میری ذات سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی بلکہ واپسی کے بعد میں آپ کا پتہ بھی نہیں بتاؤں گا تو سراقہ کے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ اس کا مقصد تعاقب کر کے آپ کو گرفتار کرنا اور کفار کے پاس پہنچانا اور ان سے ایک سو اونٹ انعام لینا تھا تو سراقہ کو اپنے غلط قدم اٹھانے کی سزا ملی، اور جب اس نے اپنے بدارادے کو بدل دیا اور سو اونٹ کو جناب رسول اللہ ﷺ کی نسبت پر قربان کردیا تو رسول اللہ ﷺ نے دعا دی کہ ایک وقت وہ آئے گا جب تیرے ہاتھ میں قیصر و کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ یہ پیشین گوئی حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں پوری ہوئی اور حضرت سراقہؓ کے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن پہنائے گئے، تو یہ سب کچھ اسی علم الٰہی

کے طفیل میں ملا،علم ذریعہ ہے خدا تعالیٰ کی معرفت کا،خدا تعالیٰ کی پہچان کا اس کے برعکس دنیا کے جتنے علوم ہیں ان کی انتہا ان کا اختتام اوران کا مدار دنیا کی زندگی پر ہے اور دنیا کے محور پر گھومتا ہے،آج ضرورت اس بات کی ہے کہ دینی تعلیم کو فروغ دیا جائے دین کی قدر کی جائے۔میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ دنیوی تعلیم حاصل نہ کی جائے دنیوی تعلیم بھی اچھی ہے لیکن اسے ضرورت کی حد تک سیکھنا چاہیئے،جیسا کہ اکبرالہ آبادی نے کہا ہے:

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں کھیلو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ ناچیز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

اللہ کے رسول نے ہمارے دونوں ہاتھ بھر دیئے ہیں:

اگر تمہارا دل علم الٰہی سے روشناس ہو جائے تو پھر چاہے تم ہواؤں میں پرواز کرو سائنس میں ترقی کرو دنیا کے کسی کونے میں چلے جاؤ،لیکن اپنی حقیقت نہیں بھولنی چاہیئے،دین دنیوی ترقی کے راستہ میں رکاوٹ نہیں، بلکہ دین دونوں جہاں کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے،اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کے طفیل میں اپنے نیک بندوں کو جو نعمتیں عطا فرمائیں دنیا والوں کے پاس وہ نعمتیں نہیں ہیں۔آج ترقی یافتہ ممالک سائنسی ترقی پر چاہے کتنا فخر کریں لیکن ایک دور وہ آئے گا جب ان کو اطمینان وسکون والی زندگی کے لئے اسلام کے دامن میں آنا پڑے گا۔

تنگ آ جائے گی خود اپنے چلن سے دنیا

تجھ سے سیکھے گا زمانہ تیرے انداز کبھی

کیونکہ اسلام فطری مذہب ہے، الحمدللہ آج ہم جس حالت میں بھی ہیں پھر بھی ہم مسلمان ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان نعمتوں کو محسوس کریں اس لئے کہ آج ہمیں ان نعمتوں کا احساس نہیں اور ہم ان کی قدر نہیں کرتے، الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ہاتھ میں علوم قرآنی اور دوسرے ہاتھ میں سنت رسول اللہ کے علوم عطا فرمائے ہیں اور جس کے دونوں ہاتھ بھرے ہوں وہ بھلا کیوں بھیک مانگے، ہمارے تو دونوں ہاتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بھر دیئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس تو نعمت ہی نعمت ہے لیکن ہمیں قدر نہیں ہے، ہم ناقدرے ہیں، شاعر نے بڑی اچھی بات کہی ہے ــــ:

تیرے ہاتھ میں ہے قرآن، تیرے دل میں ہے ایمان
یہ بتا ذرا مسلمان، تیرے ہاتھ میں کیا نہیں

اور ایک شاعر کہتا ہے ــ:

نہ توبہ پر نہ طاعت پر نہ زہد و اتقاء پر ہے
ہمیں تو ناز حضرت محمد مصطفیٰ پر ہے

مغرب کا تحفہ فرسودہ ہے:

تو الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے۔ البتہ اس علم الٰہی کو سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور اگر عمر بڑی ہوگئی ہے تو اس کے سیکھنے میں شرم کی کوئی بات نہیں کیونکہ بچے کو سب سے پہلے قاعدہ پڑھایا جاتا ہے گویا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے

کہ قاعدہ پڑھیں گے تو فائدہ ہوگا اور اگر قاعدہ پڑھایا نہیں جائے گا تو زندگی بے فائدہ ہے۔آج ہمیں مغربی علوم نے کچھ ایسا مبہوت کر دیا ہے کہ ہمیں اپنی خبر نہیں رہی اور دینی علوم سے بے رغبتی بڑھتی جا رہی ہے،ضرورت ہے کہ ہم دینی علوم سے اپنی زندگی کو آراستہ کریں،مغرب کے کرکٹ ہاکی سے دور بھاگیں،مغرب نہیں چاہتا کہ ہم دینی علوم سے مستفید ہوں کیونکہ اہل مغرب کو معلوم ہے کہ جب ہم میں علم آئے گا ذہنی غلامی سے آزادی کی طرف ذہن رسائی کرے گا،اور علم حاکمیت کا مطالبہ کرے گا بالآخر غلامی کی زنجیریں ٹوٹ جائیں گی اور محکومیت کا قلادہ نکل جائے گا،تو دنیوی علوم کے ساتھ ساتھ ضروری علم علم الٰہی ہے کیونکہ ہمارا سفر اس دنیا میں ختم ہونے والا نہیں بلکہ ہمیں آگے بہت طویل سفر کرنا ہے اور برزخ سے حشر کے میدان تک جانا ہے اور پھر حشر سے جنت میں جانا ہے اور جنت میں بھی سفر ختم نہیں ہو جائے گا بلکہ جنت میں بھی روزانہ ترقی ہوتی چلی جائے گی تو ہمارا مقصد بہت طویل ہے اور ہم نے یہ سمجھا ہوا ہے کہ بس یہ دنیا کی چند دن کی زندگی ہے اسے آرام وسکون اور سہولیات سے بسر کرنا ہے،یہ بہت غلط سوچ ہے کیونکہ ہماری اصلی زندگی آخرت کی زندگی ہے ہمیں یہاں اُس زندگی کا سامان کرنا ہے اور وہاں کی تیاری کرنی ہے۔

سکون دربار محمدی سے ملے گا:

آج دنیا سکون کی متلاشی ہے اسے سکون نہیں مل رہا ہے،فحاشی اور عریانیت کا دور دورہ ہے،دن بدن جرائم بڑھتے جا رہے ہیں،دنیا والوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ ان حالات کو درست کیسے کریں،کوئی کہتا ہے کہ پولیس کی تعداد میں اضافہ کیا جائے،کوئی کہتا

ہے کہ قانون کو سخت کریں، نتیجہ پھر بھی صفر نکلتا ہے تو ایسا کیوں؟اس لئے کہ حقیقت میں ان چیزوں پر نہیں سوچا جارہا جنہیں کم کرنا چاہئے یا جنہیں بالکل ہی ختم کردینا چاہئے، اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ شراب پی کر بیہوش ہوکر پڑے رہنے میں سکون ہے تو وہ بالکل غلط ہے اسکی یہ سوچ ٹھیک نہیں ہے،آج بھی اگر دنیا کو سکون کی تلاش ہے تو اسے دربار محمدی میں حاضری دینی پڑے گی،اور انہیں علم الٰہی سیکھنا پڑے گا،آپ نے اسی پر محنت فرمائی اور علم الٰہی کے لئے قلوب تیار فرمائے اور آپ کے صحابہ نے علم الٰہی سے اپنے سینوں کو معمور و منور کر کے دنیا کی روشنی کا سامان بہم پہنچایا،اسی لئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دور ''خیرالقرون'' کے نام سے یاد کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسول نے خیریت کا سرٹیفکٹ عطا فرمادیا،اسی علم الٰہی کے لئے تشنگان علوم نبوت نے مہینوں کی مسافت طے کی ہے اور علوم اسلامیہ کی دولت سے مالا مال ہوئے ہیں،تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ صحابہ کرام نے اسی علم الٰہی کی بدولت وہ دور جس کو زمانہ جاہلیت کہا جاتا تھا اس کو تھوڑے ہی عرصہ میں ''خیرالقرون'' کے لقب سے ملقب کردیا،آج ہم ان کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' کہتے ہیں،سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی کسی انسان کو انسان نہیں بناسکتی اگر انسان صحیح انسانیت سیکھنا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس میں اچھے اخلاق اور اچھے کردار کے حامل عادات پیدا ہوں تو اسے انبیاء کرام علیھم السلام کی تعلیم کی طرف آنا ہوگا اچھے انسان سائنس پیدا نہیں کرسکتی بلکہ اچھے انسان انبیاء کی تعلیم سے ہی پیدا ہوسکتے ہیں،سنو! آج جہاں کہیں بھی خیر نظر آتی ہے وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا فیضان ہے۔

اولاد کا مسئلہ:

آج ہم سب اپنی اپنی اولاد کے ہاتھوں کس قدر پریشان ہیں، ہماری اولاد بے راہ روی کا شکار ہیں، ان کے دل میں جو آتا ہے وہ کر گذرتے ہیں، انہیں اپنے والدین کا کوئی احترام نہیں، اور اگر میں ڈرتے ڈرتے کہوں تو انہیں اپنے مسلمان ہونے کا کوئی احساس نہیں، وہ اپنے مذہب سے بے بہرہ اور نا آشنا ہیں، عیاشی آوارہ گردی اور آزادی ان کی رگ رگ میں سمائی ہوئی ہے، سوچنے کا مقام ہے کہ ہم اولاد کے ہاتھوں ایسے حالات کا شکار کیوں ہیں؟ اس لئے کہ ہم نے انہیں اسلامی علوم نہیں سکھائے ہیں، اس لئے کہ ہم نے انہیں مسجد کا راستہ نہیں بتایا ہے، اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب حضرت نبی کریم ﷺ کی پہچان نہیں کرائی ہے، انہیں قرآن سکھانے والے درس میں نہیں بٹھایا ہے، انہیں حدیث رسول نہیں پڑھائی ہے، اگر کچھ بتایا ہے تو ایسی باتیں اور انہیں کچھ دیا ہے تو ایسی چیزیں جو انہیں اسلام اور دین سے اور اللہ رسول سے ہٹانے والی ہیں، اگر بچپن ہی سے اسلام کے اعلیٰ اور بہترین اخلاق سکھائے جاتے ان کے دماغ کے کیسیٹ میں قرآن وحدیث بھرا جاتا تو آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی بلکہ ہم دیار غیر میں رہ کر بھی غیر کو اپنے اخلاق و کردار سے متاثر کرنے میں اہم رول ادا کرتے، ہمارا اپنا امتیاز اور تشخص ہوتا، اغیار ہم سے اخلاقیات اور انسانیت کا درس لیتے، ہماری عزت و آبرو آسمان چھو لیتی، ایسی صورت میں آسمانی ہدایت کے مطابق آپریشن کی ضرورت ہے، لیکن ہم آپ کو اولاد کو علیٰحدہ کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتے اور نہ آپ علیٰحدہ کر سکتے ہیں کیوں کہ بدن سے اگر ایک عضو کاٹ دیا جائے تو کٹ جانے والے عضو کو کچھ نہیں ہوتا، باقی رہ

جانے والے جسم کو بہت تکلیف ہوا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ نے والدین کے دلوں میں اولاد کے لئے بے پناہ محبت اور شفقت رکھی ہے، اب اگر گھر سے نکالیں تو بہت تکلیف ہوگی کہ نہ جانے گھر سے باہر ان کا کیا حال ہوگا، کون سے مذہب میں چلے جائیں گے اور کس قسم کی زندگی بسر کریں گے اور اگر گھر میں رکھیں تو انتہائی بدخصلت اور خراب کردار کی اولاد ہے، اب بھی وقت ہے اب بھی ہم آنے والی نسل کو بہترین اسلامی علوم سے روشناس کرا سکتے ہیں اور ان کی اصلاح اب بھی ممکن ہے بشرطیکہ ہم بڑے اور بزرگ خود میں تغیر وتبدیلی پیدا کریں، جو وقت روزانہ ہمارا ٹی،وی اور وی سی آر (سمارٹ فون، لاپ ٹوپ، ٹیبلیٹ، آئی پیڈ) وغیرہ چیزیں لے لیتا ہے اسے ہم اللہ کے دین سیکھنے کے لئے وقف کردیں اور روزانہ کم از کم تین آیات کریمہ کی باترجمہ تلاوت اور روزمرہ کی آسان اور مختصر دعائیں اور مختصر مختصر احادیث نبوی ہم اپنے بچوں کو سکھائیں اور سمجھائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کی حالت کو سدھار دیں گے اور ہم حقیقی معنوں میں مسلمان کہلانے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حقدار ٹھہرائے جائیں گے۔

خون کے آنسو:

اس کے ساتھ ساتھ جو خون کے آنسو رلا دینے والی بات ہے وہ یہ کہ آج ہم مسلمانوں ہی کے ہاتھوں ہر جگہ دین اسلام خوار اور ذلیل ہے، ہم مسلمان ہی ہر جگہ اور ہر مقام پر دین کو ٹھکراتے رہتے ہیں، دین کی توہین کرتے اور مذاق اڑاتے ہیں، یاد رکھیں کہ دین اسلام ہمارا محتاج نہیں ہے محتاج تو ہم ہیں، اس لئے ہم کوشش کریں محنت کریں خود کو اور اپنی اولاد کو اور خاتون خانہ کو علم دین سے آگاہ کریں تو پھر چاہے ہم جہاں بھی رہیں علم

الٰہی کی تاثیر سے اولاد متاثر ہوگی گھر کا ماحول بدلے گا،اس میں نور آئے گا بے چینی ختم ہوگی،اب تو علوم دینیہ سے روشناس ہونے کے لئے دروازے کھلے ہیں،ہر زبان میں دینی کتابیں دستیاب ہیں،قرآن مجید اور احادیث کے کئی زبانوں میں تراجم شائع ہوچکے ہیں،کئی قسم کے واضح رسم الخط ہیں،دینی کتابیں طبع ہوچکی ہیں،اور ہر زبان میں کتابیں طبع ہوچکی ہیں،کس قدر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے لیکن ہم پھر بھی قدر نہیں کرتے،یہ ہماری بدقسمتی نہیں ہے تو اور کیا ہے،اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم دین ہمارے لئے آسان فرمادے اور پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس علم الٰہی کو اپنے سینوں سے لگائیں اور پھر آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کس قدر مدد فرماتے ہیں اور علم الٰہی جب آئے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ہمارے اندر آئے گی،اللہ تعالیٰ کا خوف بھی پیدا ہوگا اور جب خوف پیدا ہوگا تو اسلام کے احکامات پر عمل کرنا بھی آسان ہوجائے گا،اللہ تعالیٰ ہمیں علم نافع اور عمل صالح عطا فرمائے۔

آخر میں ایک شعر پر اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں ـــــ:

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرمادے جو روح کو تڑپادے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۷ ﴾

قرآن صحیفۂ انقلاب

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

﴿ ۷ ﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قرآن صحیفۂ انقلاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنّ سَيِّدَنَا وَ شَفِيْعَنَا وَحَبِيْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَهْلِ طَاعَتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كَثِيْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. (الحجر: ۹)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذلك لمن الشاهدين و الشاكرين و الحمد لله رب العالمين.

محترم بزرگو اور دوستو! نبی کریم ﷺ کا علمی معجزہ قرآن پاک ہے، جو الحمدللہ آج ہمارے ہاتھوں میں ایسا ہی موجود ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا، لہٰذا اگر آج بھی کوئی ہم سے ہمارے مذہب اور دین کے متعلق دلیل مانگے تو ہم ثبوت کے طور پر قرآن پاک کو پیش کر سکتے ہیں کہ یہ ہماری دلیل ہے، ہمارا دین اور مذہب بھی سچا ہے، ہمارا قرآن اور کتاب بھی سچی ہے اور نبی بھی سچے ہیں، عمل ہوتا ہے تو وہ عمل کرنے والے کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے لیکن علم باقی رہتا ہے۔

الفاظ ومعانی دونوں کا نام قرآن ہے:

نبی کریم ﷺ کا یہ علمی معجزہ ان شاء اللہ قیامت تک زندہ رہے گا، جب قیامت آئے گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ کلام اللہ کے حروف کو اٹھالیں گے، صرف الفاظ جو لوح محفوظ میں ہیں وہ باقی رہیں گے، اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے کہ وہ فنا ہو جائے، اس کے الفاظ ومعانی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے یہ الفاظ ومعانی نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوئے اور زبان مبارک سے بیان ہوئے ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ. اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ.﴾ (القیامہ:۱۶،۱۷) سے مراد الفاظ قرآن اور ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ.﴾ (القیامہ:۱۹) سے معانی قرآن مراد ہیں اور یہ دونوں نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوئے، اب نبی کریم ﷺ کا یہ علمی معجزہ قیامت تک چلتا رہے گا۔

محدثین اور فقہاء کرام کی خدمات:

نبی کریم ﷺ کے بعد بھی خیر القرون کا دور رہا ہے اور اس کے بعد محدثین اور فقہائے کرام آئے، فقہائے کرام نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے اصول اخذ کئے اور ہزاروں مسائل کا استنباط کیا ہے، اصل تو قرآن کریم ہی ہے، اصل تو حدیث رسول ہی ہے، کتاب وسنت ہی علوم ومسائل کا سرچشمہ ہیں، فقہائے کرام نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے اصول اخذ کئے اور ہزاروں مسائل کا استنباط کیا، امام اعظم ابوحنیفہؒ نے قرآن وحدیث سے تقریباً ایک لاکھ مسائل کا استنباط کیا، آج کل کچھ لوگ پروپیگنڈہ کر کے لوگوں کو ائمۂ اربعہ سے اور خاص طور سے امام اعظمؒ سے بدگمان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ویسے بعض مرتبہ وہ منہ کی بھی کھاتے ہیں۔

لکھا ہے کہ ایک آدمی وضو کر رہا تھا تو پاس کھڑا ایک آدمی جن کو ائمۂ اربعہ سے بیر تھا وہ کہنے لگا اس طرح مسح مت کرو یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے بلکہ میں جس طرح بتاتا ہوں اس طرح کرو، اس آدمی نے بڑا اچھا جواب دیا وہ کہنے لگا میری قسمت میں اگر کسی کے کہنے پر ہی عمل کرنا ہے تو تیرے کہنے پر کیوں چلوں؟ امام اعظم کے کہنے پر کیوں نہ چلوں جنہوں نے ایک لاکھ مسائل کا حل ہمیں قرآن وحدیث سے دیا ہے۔
(معارف القرآن ادریسی)

تو محدثین اور فقہائے کرام قرآن وحدیث سے باہر نہیں گئے بلکہ انہوں نے ہمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں مسائل کا حل دیا ہے۔

فقہائے کرام نے کیسی خدمات انجام دی اس کا ایک نمونہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، دیکھئے حدیث شریف میں ہے کہ کچا لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں مت آؤ (بخاری شریف) کیونکہ اس سے منہ میں بدبو آتی ہے اور اس سے نمازیوں کو عبادت میں تکلیف ہوتی ہے، اس زمانہ میں سگریٹ نوشی تو تھی نہیں، علماء کرام نے اسی حدیث سے مسئلہ نکالا کہ بیڑی سگریٹ پی کر مسجد میں نہ آئیں کیونکہ سگریٹ اور بیڑی میں بدبو ہوتی ہے جس سے دیگر نمازیوں اور فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے
(ملفوظات فقیہ الامت ج۱ص۱۶)

اس لئے منہ صاف رکھنے کی ہدایت کی گئی تاکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، لہٰذا سگریٹ وغیرہ پی کر مسجد میں نہیں آنا چاہئے۔
(فتاوی رحیمیہ)

ہاں تو انقلابات آتے رہیں گے، زمانہ بدلتا رہے گا، نئے نئے مسائل بھی سامنے آئیں گے اور آرہے ہیں لیکن ہم مطمئن ہیں کہ ہر دور کے مسائل کا حل کتاب و

سنت میں موجود ہے،اصول کے مطابق ہم غور وفکر کریں گے تو مسئلہ کا حل نکلے گا مثلاً میرے پاس ایک صاحب آئے اور پوچھا کہ مولوی صاحب روزے کی حالت میں انجکشن لگانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں ٹوٹتا؟اب آپ ﷺ کے زمانہ میں انجکشن نام کی کوئی چیز نہیں تھی، میں نے اس سے کہا کہ انجکشن اگر ایسا ہے جس کا اثر پیٹ تک نہیں پہنچ پاتا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا،اس مسئلہ کا حل کہاں سے نکلا؟ آپ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ روزے کی حالت میں مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔

(جدید فقہی مسائل)

امام شافعیؒ پر جب بڑھاپا غالب آیا اور چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے تو ان کے شاگردوں میں امام احمد بن حنبلؒ ہیں تو امام شافعیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کو خط لکھا کہ میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اب سفر کے قابل نہیں رہا تم سے ملے عرصہ ہو گیا ہے ملنے کو جی چاہتا ہے اگر تم تکلیف کر کے مصر کا سفر کرلو تو تمنا پوری ہو جائے گی۔

امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ کے استقبال کے لئے مصر سے کئی میل دور باہر نکل گئے اور جب وہ نکلے تو مصر کے تمام علماء ان کے ساتھ نکلے اور جب تمام علماء ساتھ نکلے تو تمام فوجی حکام بھی ساتھ ہو لئے اور جب وہ ساتھ ہوئے تو بادشاہ وقت نے بھی کہا کہ میں بھی ساتھ چلتا ہوں، مصر کی حکومت اور لوگ سب مل کر امام احمدؒ کے استقبال کو کئی میل آگے بڑھے اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ امام احمد کو لے کر آئے اور امام شافعیؒ کے یہاں مہمان ہوئے۔

حضرت امام شافعیؒ کی مہمان نوازی ضرب المثل ہے اس قدر مہمان نواز کہ یوں

چاہتے تھے کہ سارا گھر مہمان کے پیٹ میں داخل کر دوں، انتہائی مدارات وتکریم کی، بہت سی قسم کے کھانے پکوائے، اب شام کا وقت ہوا دستر خوان بچھا کر امام احمد کو بلایا گیا امام احمد نے اس طرح گر پڑ کر کھایا جیسے کوئی سات وقت کا بھوکا کھانا کھا رہا ہو، اتنا زیادہ کھایا کہ دوسرے لوگوں کو تحیر پیدا ہوا کہ اتنا کھانا تو متقی کی شان سے بعید ہے کہ آدمی اپنے پیٹ کو اس حد تک بھر لے۔

جب امام شافعیؒ گھر میں پہنچے تو چونکہ فقہ وتقویٰ کا زمانہ تھا بچیوں نے اماشافعیؒ کا دامن پکڑا کہ یہ کیسا امام ہے جو پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے یہ تو متقیوں کی شان سے بعید ہے، یہ کس قسم کا امام ہے جس کی آپ تعریف کر رہے تھے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے جواب نہ بن پڑا اس لئے کہ مجھے خود ناگوار ہو رہا تھا تو بچیوں سے فرمایا کہ یہ خلجان میرے دل میں بھی ہے کہ احمد نے امام وقت ہوتے ہوئے اتنا کیوں کھایا مگر میں بول نہیں سکتا تھا، اس لئے کہ میں میزبان ہوں اگر میں کہتا کہ تم کم کھاؤ تو اس کا مطلب ہے کہ میں اپنا کھانا بچانا چاہتا ہوں میرے لئے کچھ کہنے کا موقعہ نہ تھا مگر دل میں میرے بھی خلجان ہے۔

اس کے بعد دونوں حضرات عشاء کی نماز کے لئے تشریف لے گئے امام شافعی کی بیٹیوں نے بستر تیار کیا اور چار پائی کے قریب پانی کا لوٹا بھر کر رکھ دیا تا کہ اخیر شب میں اٹھنے میں وضو وغیرہ کرنے میں دشواری نہ ہو، عشاء سے فراغت پر دونوں امام آ کر اپنے اپنے مقام استراحت پر آرام فرما ہوئے، صبح کا وقت ہوا تو دونوں حضرات صبح کی نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے، صاحبزادیوں نے آ کر بستر لپیٹا تو دیکھا کہ لوٹا اسی طرح

پانی سے بھرا ہوا رکھا ہے،اب تو ان کے غصہ کا پارہ اور تیز ہوگیا اور امام شافعیؒ نماز فجر سے فراغت پر جب گھر تشریف لائے تو بچیوں نے حضرت کا دامن پکڑ کر کہا کہ یہ کیسا امام ہے، پیٹ بھر کر یہ کھاتا ہے، رات کا تہجد اسے نصیب نہ ہو، وضو اس نے نہیں کیا، یہ کیسا امام ہے جس کی آپ تعریف کرر ہے تھے، یہ کسی امام کی شان نہیں۔

اب امام شافعیؒ سے بھی صبر نہ ہوسکا استاد تھے، امام احمد بن حنبل سے آ کر کہا کہ اے احمد ! یہ تغیر تم میں کب سے پیدا ہوا، کھانا کھانے بیٹھے تو تم نے خوب کھایا، میرے بولنے کا موقع نہ تھا، مگر دل میں خلجان ضرور رہا اس کے بعد وضو کے لئے رکھا پانی کا لوٹا بھرا رکھا رہا وہ استعمال نہیں ہو۔ امعلوم ہوا کہ تم تہجد کے لئے نہیں اٹھے۔

امام احمد بن حنبلؒ مسکرائے اور فرمایا حضرت ! بات وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں، بات کچھ اور ہے، امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کیا بات ہے؟

امام احمدؒ نے فرمایا کہ جب کھانا چنا گیا تو اس کھانے پر اس قدر انوار و برکات کی بارش تھی کہ میں نے دنیا میں اتنی حلال کمائی کا کھانا آج تک نہیں دیکھا جو آپ کے گھر کے دستر خوان پر تھا، اس لئے میں نے چاہا کہ جتنا کھا سکتا ہوں کھالوں چاہے بعد میں سات دن روزے رکھنے پڑیں مگر یہ کھانا پھر مجھے نہیں ملے گا، یہ وجہ تو زیادہ کھانا کھانے کی ہے کہ میں نے اس کھانے کو زیادہ کھالیا پھر اس پر انوار و برکات کی بارش دیکھی اور اتنا بابرکت اور حلال لقمہ میں نے عالم میں آج تک نہیں دیکھا۔

اور فرمایا کہ اسکی دو برکتیں ظاہر ہوئیں ایک علمی اور ایک عملی، علمی برکت تو یہ ظاہر ہوئی کہ رات چارپائی پر لیٹ کر قرآن کریم کی ایک آیت سے فقہ کے سو مسئلے استخراج

کئے (نکالے) میرے اوپر علم کا ایک دروازہ کھل گیا۔

اور عملی برکت یہ کہ عشاء کے وضو سے تہجد پڑھی اور اسی وضو سے نماز فجر پڑھی، اس لئے جدید وضو کی ضرورت پیش نہیں آئی، امام شافعیؒ نے یہ بات اپنی بچیوں کو بتائی تو ان کی بھی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

(خطبات طیب ص۱۴۰تا۱۴۳ بتغیر)

امام ابو یوسفؒ امام ابوحنیفہؒ کے حلقۂ درس کے ممتاز طالب علم تھے، درسگاہ میں بیٹھے تھے کہ کسی نے بتایا کہ بیٹے کا انتقال ہو گیا، فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ میرے بیٹے کو دفن کر دیں، میں بیٹے کی تدفین کے لئے امام ابوحنیفہؒ کا درس نہیں چھوڑ سکتا۔

(علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات ص۳۹)

تو فقہاء و محدثین نے بہت محنتیں کی ہیں اور قرآن و حدیث کا مغز نکال کر ہمارے سامنے رکھا ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ پر علمی معجزہ قرآن کریم کی شکل میں نازل ہوا، آپ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے اس دور کو زمانہ جاہلیت کا دور کہا جاتا تھا، عربوں کو ''جہلائے عرب'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا لیکن وہ قرآن مجید کے اعجاز سے اس طرح بدلے کہ وہی لوگ ''عقلائے عرب'' کہلائے، ان کے قلوب قرآن مجید سے وابستہ ہو گئے تھے اور زندگی یکسر بدل گئی تھی، اس لئے زمانہ بھی بدلا اور زمانۂ جاہلیت کے بجائے خیر القرون ہو گیا اور جہلائے عرب جن کے متعلق یہ مشہور تھا کہ ان کو کیا کرنا آتا ہے بس اونٹ چرانا، وہ آج قرآن کریم سے وابستہ ہو کر ''صحابہ'' بن گئے اور آج ہم انہیں ''رضی اللہ عنہ'' کہتے ہیں، کس قدر پیارے القاب کے ساتھ ہم یاد کرتے ہیں۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

جو نہ قیصر و کسریٰ سے دبے چند اونٹوں کے چرانے والے
جن کو ہوتا تھا کافور پہ نمک کا دھوکا بن گئے وہ دنیا کی تقدیر بدلنے والے

اور آپ ﷺ نے قرآن کریم سے تعلق رکھنے والوں کی کتنی بڑی فضیلت بیان فرمائی فرمایا کہ **"خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ"** (بخاری شریف) اورقرآن کریم سے جو وابستہ ہوگئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے کیسی کیسی برکات نازل فرمائیں۔کون کون سے واقعات بیان کئے جائیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جب مدینہ منورہ سے ہندوستان آئے تو اکیلے آئے اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب آئے تو اکیلے اور جب دنیا سے گئے تو ان کے ہاتھ پر نوے لاکھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔یہ تو وہ تعداد ہے جو خواجہ صاحب کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئی، پھر ان کے خدام اور شاگردوں سے جتنا فیض پہنچا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے،تو جس نے خود کو قرآن کریم سے وابستہ کرلیا،اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں بھی انوار و برکات سے نوازے گا اور آخرت میں بھی انوار و برکات اور مغفرت سے نوازیں گے،اس لئے ہمیں آج سے ہی اپنی اولاد کے متعلق فکرمند ہونا چاہئے ،اگر حفظ قرآن نہ کراسکیں تو کم ازکم قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کا اہتمام تو ہونا ہی چاہئے،حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ جس نے اپنے بچے کو قرآن کریم کا حفظ کرادیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس حافظ قرآن سے فرمائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا، جہاں تیری آخری آیت ہوگی وہ تیری منزل ہوگی۔

اور فرمایا کہ قیامت کے دن حافظ قرآن کے والدین کو اللہ تعالیٰ ایسا تاج پہنائیں گے جس کی روشنی چاند اور سورج سے بھی زیادہ ہوگی اور پھر یہ کتنے اعزاز کی بات ہوگی کہ اللہ تعالیٰ خود تاج پہنائیں گے، دنیا کے اندر اگر کسی بادشاہ یا شہزادے کی تاج پوشی ہوتی ہے تو گنتی کے چند افراد ہوتے ہیں لیکن جشن تاج پوشی کا اہتمام مہینوں ہوتا ہے اعیان حکومت اور امراء خصوصی مدعو ہوتے ہیں پھر رسم تاج پوشی نہایت تزک واحتشام سے ادا کی جاتی ہے اور یہ ملک کا عظیم الشان دن مانا جاتا ہے، اس کے مقابلے میں سوچئے کہ ایک حافظ قرآن کے والدین کی تاج پوشی خود خالق کائنات کر رہے ہیں، اس کے والدین کے لئے یہ کس قدر اعزاز کی بات ہوگی کہ حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام انسانوں، تمام خلائق کے روبرو اس کو عزت اور کرامت کا تاج پہنایا جائے گا، کتنی بڑی عزت کا مقام ہے!

دنیا میں ایسے افراد بھی گذرے ہیں جنھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا ہی قرآن کریم کو بنالیا تھا اور اس فہرست میں صرف مرد نہیں عورتیں بھی گذری ہیں میں آپ کو اس سلسلہ میں ایک خاتون کا واقعہ سناتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کو گیا ایک سفر کے دوران راستے میں مجھے ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی ملی جس نے اون کا قمیص پہنا ہوا تھا اور اون ہی کی اوڑھنی اوڑھے ہوئے تھی۔ میں نے اسے سلام کیا تو اس نے جواب میں کہا:

سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ. (یٰسٓ : ۵۸)

میں نے پوچھا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے یہاں کیا کر رہی ہو؟ کہنے لگی:

مَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ (الاعراف: ۱۸۶)

میں سمجھ گیا کہ وہ راستہ بھول گئی ہے، اس لئے میں نے پوچھا: کہاں جانا چاہتی ہو؟ کہنے لگی:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا (الاسراء: ۱)

[پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گئی]

میں سمجھ گیا کہ وہ حج ادا کر چکی ہے اور بیت المقدس جانا چاہتی ہے، میں نے پوچھا: کب سے یہاں بیٹھی ہو؟ کہنے لگی:

ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا. (المریم: ۱۰)

[پوری تین راتیں]

میں نے کہا تمہارے پاس کچھ کھانا وغیرہ نظر نہیں آرہا، کھاتی کیا ہو؟ جواب دیا:

هُوَ يُطۡعِمُنِیۡ وَيَسۡقِيۡنِ. (الشعراء: ۷۹)

[وہ اللہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے]

میں نے پوچھا: وضو کس چیز سے کرتی ہو؟ کہنے لگی:

فَتَيَمَّمُوۡا صَعِيۡدًا طَيِّبًا (النساء: ۴۳)

[پاک مٹی سے تیمّم کرلو]

میں نے کہا میرے پاس کچھ کھانا ہے، کھاؤ گی؟ جواب میں اس نے کہا:

اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیُلِ (البقرہ: ۱۸۷)

[رات تک روزوں کو پورا کرو]

میں نے کہا یہ رمضان کا تو زمانہ نہیں ہے، بولی:

وَمَنُ تَطَوَّعَ خَیرًا فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیُمٌ (البقرہ : ۱۵۸)

[اور جو بھلائی کے ساتھ نفلی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ شکر کرنے والا اور جاننے والا ہے]

میں نے کہا سفر کی حالت میں تو فرض روزہ نہ رکھنا بھی جائز ہے، کہنے لگی:

وَاَنُ تَصُومُوا خَیرٌ لَّکُمُ اِنُ کُنُتُم تَعُلَمُونَ. (البقرہ: ۱۸۴)

[اگر تمہیں ثواب کا علم ہوتو روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے]

میں نے کہا تم میری طرح کیوں بات نہیں کرتیں؟ جواب ملا:

مَا یَلُفِظُ مِنُ قَوُلٍ اِلَّا لَدَیُہِ رَقِیُبٌ عَتِیُدٌ. (سورۂ ق: ۱۸)

[انسان جو بات بھی بولتا ہے اس کے لئے ایک نگہبان فرشتہ مقرر ہے]

میں نے پوچھا: تم ہو کون سے قبیلہ سے؟ کہنے لگی:

لاَ تَقُفُ مَا لَیُسَ لَکَ بِہٖ عِلُمٌ (الاسراء: ۳۶)

[جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑو]

میں نے کہا: معاف کرنا مجھ سے غلطی ہوئی، بولی:

لاَ تَثُرِیُبَ عَلَیُکُمُ الُیَوُمَ یَغُفِرُ اللّٰہُ لَکُمُ (یوسف : ۹۲)

[آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے]

میں نے کہا: اگر چاہو تو میری اونٹنی پر سوار ہو جاؤ اور اپنے قافلہ سے جاملو، کہنے لگی:

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ (البقرہ: ۱۹۷)

[تم جو بھلائی بھی کرو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے]

میں نے یہ سن کر اپنی اونٹنی کو بٹھالیا مگر سوار ہونے سے پہلے وہ بولی:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور: ۳۰)

[مؤمنوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں]

میں نے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں اور اس سے کہا: سوار ہو جاؤ، لیکن جب وہ سوار ہونے لگی تو اچانک اونٹنی بگڑ کر (بدک کر) بھاگ کھڑی ہوئی اور اس جدو جہد میں اس کے کپڑے پھٹ گئے اس پر وہ بولی:

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (الشوری: ۳۰)

[تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کے سبب ہوتی ہے]

میں نے کہا ذرا ٹھہرو میں اونٹنی کو باندھ دوں پھر سوار ہونا، وہ بولی:

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ (الانبیاء: ۷۹)

[ہم نے اس مسئلہ کا حل سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا]

میں نے اونٹنی کو باندھا اور اس سے کہا اب سوار ہو جاؤ وہ سوار ہو گئی اور یہ آیت پڑھی:

سُبْحٰنَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ. وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ.

(الزخرف: ۱۳،۱۴)

[پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لئے رام کر دیا اور ہم اس کو کرنے والے نہیں تھے اور بلا شبہ ہم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں]

میں نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور چل پڑا میں بہت تیز تیز دوڑا جا رہا تھا اور ساتھ ہی زور زور سے چیخ چیخ کر اونٹنی کو ہانک رہا تھا یہ دیکھ کر وہ بولی:

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ (اللقمٰن: ۱۹)

[اپنے چلنے میں اعتدال سے کام لو اور اپنی آواز پست رکھو]

اب میں آہستہ آہستہ چلنے لگا اور کچھ اشعار ترنم سے پڑھنے شروع کئے اس پر اس نے کہا:

فَاقْرَءُ وْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل : ۲۰)

[قرآن مجید میں سے جتنا حصہ پڑھ سکو وہ پڑھو]

میں نے کہا تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی نیکیوں سے نوازا گیا ہے، بولی:

وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (البقرہ: ۲۶۹)

[صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں]

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے اس سے پوچھا: تمہارا کوئی شوہر ہے؟ بولی:

لاَ تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ (المائدہ : ۱۰۱)

[ایسی چیزوں کے بارے میں مت پوچھو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں

بری لگیں]

اب میں خاموش ہو گیا اور جب تک قافلہ نہیں مل گیا میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی، قافلہ سامنے آ گیا تو میں نے اس سے پوچھا اس قافلہ میں تمہارا کون رشتہ دار ہے؟ کہنے لگی:

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (الکھف : ۴۶)

[مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہیں]

میں سمجھ گیا کہ قافلہ میں اس کے بیٹے موجود ہیں، میں نے پوچھا: ان کا نام کیا ہے؟ بولی:

وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ ھُمْ یَھْتَدُوْنَ. (النحل : ۱۶)

[علامتیں ہیں اور ستارے ہی سے وہ راستہ معلوم کرتے ہیں]

میں سمجھ گیا کہ اس کے بیٹے قافلے کے رہبر ہیں چنانچہ میں اسے لے کر خیمے کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا یہ خیمے آ گئے ہیں اب بتاؤ تمہارا بیٹا کون ہے؟ کہنے لگی:

وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلاً. (النساء: ۱۲۵)

وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْماً. (النساء: ۱۶۴)

یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ (المریم: ۱۲)

یہ سن کر میں نے آواز دی: **یا ابراھیم، یا موسیٰ، یا یحییٰ**

تھوڑی ہی دیر میں چند نوجوان جو چاند کی طرح خوبصورت تھے میرے سامنے

آ کھڑے ہوئے ہم سب اطمینان سے بیٹھ گئے۔تو اس عورت نے اپنے بیٹوں سے کہا:

فَابْعَثُوْا اَحَدَکُمْ بِوَرِقِکُمْ هٰذِهٖ اِلَی الْمَدِیْنَةِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَا اَزْکٰی طَعَامًا فَلْیَاْتِکُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ (الکهف : ۱۹)

[اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دیکر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے سو اس میں سے تمہارے واسطے کچھ کھانا لے آئے]

یہ سن کر ان میں سے ایک لڑکا گیا اور کچھ کھانا خرید لایا، وہ کھانا میرے سامنے رکھا گیا تو عورت نے کہا:

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓئًا ۢبِمَا اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ (الحاقه : ۲۴)

[خوشگواری کے ساتھ کھاؤ پیو بہ سبب ان اعمال کے جو تم نے پچھلے دنوں میں کئے ہیں]

اب مجھ سے نہ رہا گیا: میں نے لڑکوں سے کہا: تمہارا کھانا مجھ پر حرام ہے جب تک تم مجھے اس عورت کی حقیقت نہ بتلاؤ، لڑکوں نے بتایا کہ ہماری ماں کی چالیس سال سے یہی کیفیت ہے چالیس سال سے اس نے قرآنی آیات کے سوا کوئی جملہ نہیں بولا۔اور یہ پابندی اس نے اپنے اوپر اس لئے لگائی ہے کہ کہیں زبان سے کوئی ناجائز یا نامناسب بات نہ نکل جائے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے، میں نے کہا:

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ. (الحدید: ۲۱)

(تراشے ص ۴۰ تا ۴۴)

ہمیں کم از کم اتنا تو کرنا چاہئے کہ ہم قرآن کریم کی تلاوت کریں، یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ رمضان المبارک کے علاوہ ہمیں قرآن پاک یاد ہی نہیں رہتا اس کے ساتھ ساتھ کم از کم روزانہ ایک دو آیت با ترجمہ بھی پڑھنا چاہئے، آپ سمجھ کر پڑھیں گے تو دل و دماغ متأثر ہوں گے، آہستہ آہستہ تبدیلی آئے گی، اللہ تعالیٰ کے کلام سے دل بستگی پیدا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا کلام ایسا اثر ڈالے گا جس سے زندگی کے حرکات وسکنات چلت پھرت مثالی بن جائے گی، آج کا دور فتنہ وفساد کا دور ہے مگر اس سے نہیں گھبرانا چاہئے آج بھی اگر قرآن مجید کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرلیا جائے، قرآنی علوم اور قرآنی احکامات کو عمل میں لایا جائے تو کچھ مشکل نہیں کہ ہماری حالت بدل جائے قرآن مجید سے ہی اللہ تعالیٰ نے جہلائے عرب کو ''رضی اللہ عنہم'' کا مرتبہ عطا فرمایا اور پھر ان کے زمانہ کو ''خیر القرون'' کہا گیا، امام مالک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اس امت کے آخر والوں کی اصلاح بھی اسی سے ہوگی جس سے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی اگلے لوگوں کے پاس کوئی بڑے بڑے کتب خانے نہیں تھے، صرف اور صرف ایک ہی کتاب تھی، مکمل جامع کتاب اور وہ قرآن پاک ہے جو اس سے وابستہ ہوا جس نے اس سے تعلق جوڑا اسے کامیابی نصیب ہوئی وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب و کامران ہوا اور رحمت الٰہی اور مغفرت الٰہی کا حقدار ٹھہرا۔

تو میں قرآن پاک کے اعجاز اور قرآن پاک کا مقام کیا ہے اس کے متعلق عرض کررہا تھا، آج اگر کوئی ہم سے اسلام کے حق ہونے کی کوئی دلیل مانگے تو ہم اس کے سامنے دلیل کے طور پر قرآن کریم کو پیش کرسکتے ہیں، کیونکہ دلیل کا مطالبہ کرنے والے

اس کے مثل لانے سے عاجز ہیں،قرآن روحِ زندگی اور حیات کا سرچشمہ ہے،جس قوم کے اندر جن افراد کے اندر قرآن کریم آجاتا ہے ان کے اندر نئی روح نئی روشنی آجاتی ہے، نیا جذبہ ابھرتا ہے۔ تقویٰ کی رگ وپے میں لہر دوڑ جاتی ہے، اعمال صالحہ کو اپنی زندگی میں جاری کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے، اس کتاب کا ایک ایک لفظ ان کی زندگی کو اس طرح بدل دیتا ہے کہ وہ لوگ صالح معاشرہ کے لئے نمونۂ عمل بن جاتے ہیں۔

اور قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کو صرف دیکھنا بھی عبادت ہے جیسے کعبۃ اللہ کو صرف دیکھنا بھی عبادت ہے اور کعبۃ اللہ کو دیکھنے والے پر حدیث شریف میں ہے کہ تیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں،تو قرآن پاک کو دیکھنا بھی عبادت ہے، اسی طرح ایک آدمی زبانی قرآن پڑھتا ہے اور ایک آدمی قرآن کریم کو دیکھ کر اسکی تلاوت کرتا ہے تو حدیث میں ہے کہ دیکھ کر پڑھنے والے کا اجر زبانی پڑھنے والے سے دوگنا ہے اور ایک روایت کا مفہوم ہے کہ اگر کوئی آدمی یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ قرآن پاک کی تلاوت دیکھ کر کرے۔

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ قرآن کریم کو صرف دیکھنا بھی مستقل عبادت ہے، اس کو پڑھنا یہ بھی کوئی بیکار شئی نہیں ہے اس پر بھی اجر وثواب ملتا ہے،قرآن کی روح یہ ہے کہ اس کو صحیح تلفظ سے پڑھا جائے، اس کے معانی کو بھی سمجھیں اور پھر قرآن کریم کیا کہنا چاہتا ہے، کیا مطالبہ کرتا ہے، ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے معانی اور مطالب پر بھی غور کریں تا کہ وہ اس کے احکام اور تقاضوں کو سمجھیں اور اسے اپنی زندگی میں لائیں اس کے احکامات کے مطابق اپنے

آپ کوڈھالیں،اللہ تعالیٰ جب قرآن پاک کونازل فرمارہے تھےاور حضرت جبرئیلؑ کے سامنےاسکی تلاوت کرتے تھےتو حضرت جبرئیلؑ کوغشی آجاتی تھی بے ہوش ہوجاتے تھے حالانکہ کتنے طاقتور فرشتے ہیں پھرانہیں دیکھ کرسارے فرشتوں کوغشی آجاتی تھی پھر جب حضرت جبرئیلؑ کوہوش آجاتا تھااوردوسرے فرشتوں سے پوچھتے تھے **"ماذا قال ربکم"** ارے رب نے کیا کہا؟ فرشتے جواب میں کہتے **"قالوا الحق"** ہمارے رب نے حق کہا،تو اگرقرآن کریم کے باطن کواس کے معانی وحقائق کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں قرآن کریم کواپنے فکروتدبر کامحور بنائیں تو قرآن مجید جونوراور کتاب مبین ہےاس کا نور دلوں میں آئے گا،دل کی دنیابدلے گی اور یہ تمناپیدا ہوگی کہ اس عظیم الشان کلام والے کا دیدار ہوجائے تو قرآن کریم سے شغف رکھنے والا اپنے دل کی آنکھوں سے دیدارضرور کرے گااور ہرعبادت کا مقصد بھی یہی ہے کہ اسے دیدارنصیب ہو،ہرایمان والاہر عابد یہ چاہتا ہے کہ میں جس کی عبادت کرتا ہوں وہ معبود میرے سامنے آجائے،یہ خواہش صرف فطری اورطبعی نہیں بلکہ شرعی بھی ہے۔

حضورﷺ نے فرمایا:

ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک.

(مشکوۃ حدیث نمبرا)

[اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویاتم اللہ تعالیٰ کودیکھ رہے ہواوراگرتم نہیں دیکھ رہےتووہ تو تمہیں دیکھ رہاہے]

تو نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے،خواہ قالین پر یاجائے نماز پرہمارے دل میں یہ خیال ہونا چاہیئے کہ ہم اپنے رب کے سامنے کھڑے ہیں،اپنے رب کے

قدموں میں سجدہ کررہے ہیں،تصور دل میں یہی ہونا چاہئے،جس چیز کا تصور دل میں جمائیں گےاور جماتے رہیں گےتو ایک دن ایسا بھی آئے گا جب ہم اس دنیا سے جائیں گےاور جب زندگی کے چند لمحے باقی ہوں گےتو عالم غیب سامنےکھل کر آئے گا اور مشاہدہ ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور تجلیات سامنے ہوں گی اور اس سے آگے جب قبر کی طرف جائیں گےتو وہاں کے معارف اور انوار کا مشاہدہ ہوگا اور جب اس سے بھی آگے عالم آخرت میں جائیں گےتو وہاں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوجائے گا، جب ایک آدمی کلام اللہ کی تلاوت اس تصور سے کرتا ہے کہ ”ھذا کلام ربی“ یہ میرے رب کا کلام ہے،اس کے معانی پرغور کرتا ہے،اس میں بیان کئے گئے اپنے رب کے احکامات کے مطابق عمل کرتا ہےتو پھر ایمان والے کی وہ حالت ہوجاتی ہے کہ قرآن کریم کہتا ہے:

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡہُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّھُمۡ (الزمر: ۲۳)

جب اللہ تعالیٰ کا کلام ان کے سامنے پڑھا جاتا ہےتو اللہ تعالیٰ کےخوف سے ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں،اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ایسی لذت محسوس ہوتی ہے کہ وہ گم ہوجاتا ہےاور جس کو یہ لذت نصیب ہوگئی اسکی قسمت سنور گئی دونوں جہاں کی فلاح و بہبود کامیابی وکامرانی اسکا مقدر بن گئی،اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد بار یہ وضاحت فرمائی ہے کہ جب اللہ کے ایسے بندوں کے سامنےقرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہےتو ان کے دل ڈر جاتے ہیں،ارشاد ربانی ہے:

اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُھُمۡ وَاِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتُہٗ زَادَتۡھُمۡ اِیۡمَانًا

وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. (الانفال: ۲)

کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے اور تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے، اب یہ باتیں کیفیات سے تعلق رکھتی ہیں، میں نے عرض کیا اور آپ نے سن لیا اس سے اس کا اندازہ نہیں ہوتا، جب انسان کا حقیقت میں اس سے واسطہ پڑتا ہے تو پھر یہ کیفیات طاری ہوتی ہیں اور آدمی محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس میں ایمان کی پختگی کا کتنا عمل دخل شامل ہے۔

مولانا رومؒ نے مثنوی میں عجیب وغریب حکایات کے ذریعے بہت اہم اہم مسائل کا حل بتایا ہے، بہت سے مشکل مسائل کو انہوں نے حکایات اور واقعات کی شکل میں سمجھا دیا ہے، مولانا رومؒ نے اس آیت کو سمجھانے کے لئے ایک واقعہ لکھا ہے۔

واقعہ یوں بیان فرمایا ہے کہ ایک بادشاہ سفر کر رہا تھا کہ دوران سفر ایک لڑکی کو دیکھا جو بہت حسین وجمیل تھی وہ اس پر عاشق ہوگیا، بادشاہ اسے ساتھ لے آیا اور اس سے نکاح کرلیا لیکن لڑکی کا دل اس سے لگتا نہیں تھا، دن بدن وہ لڑکی کمزور ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ چہرے کی خوبصورتی رنگت سب کچھ ختم ہوگیا، لیکن بادشاہ کو حقیقت میں عشق تھا فسق نہیں تھا، آج کل فسق کا دور ہے، عشق تو لیلیٰ اور مجنون کا تھا جو حقیقی عشق تھا۔

میں نے اپنے استاذ مرحوم حضرت مولانا احمد اللہ صاحب سے سنا تھا کہ کسی اللہ والے نے انتقال کے بعد مجنون کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا حال ہوا؟ (کیسی گذری؟) جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی، پوچھا کہ وہ کون سا عمل تھا

جس سے تجھے مغفرت نصیب ہوئی، جواب میں کہا کہ بہت سے لوگوں نے مجھ سے اللہ سے عشق کرنا سیکھا، آج کل تو فسق ہی فسق ہے، حقیقی عشق اسے نہیں کہتے جس کے ہم اور آپ لوگ دعویدار ہیں، مجنون کا باپ بھی نہیں چاہتا تھا کہ لیلیٰ سے نکاح ہو اور لیلیٰ کا باپ بھی راضی نہیں تھا مگر وہی بات "حب الشئی یعمی و یصم" کہ کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے، مجنون کے باپ سے کسی نے کہا کہ اسے کعبۃ اللہ لے جاؤ اور کعبۃ اللہ کا پردہ پکڑ کر دعا مانگو قبول ہو جائے گی، وہ بیٹے کو کعبۃ اللہ لے گیا اور وہاں بیٹے کو سمجھایا کہ بیٹا یہاں دعا قبول ہوتی ہے، یہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ تیرے دل سے لیلیٰ کی محبت ختم ہو جائے، مجنون نے کہا کہ بہت اچھا میں دعا کرتا ہوں اور آپ اس پر آمین کہیں، اب مجنون دعا کرتا ہے، کیا کہتا ہے ؎

یا رب لا تسلبنی حبها ابدا
ویرحم اللہ عبدا قال اٰمینا
الٰهی تبت من کل المعاصی
ولکن حب لیلیٰ لا اتوب

مجنون کہتا ہے یارب لیلیٰ کی محبت میرے دل سے ہرگز نہ نکالنا اور اے اللہ اس بندہ پر رحم فرما جو میری اس دعا پر آمین کہتا ہے، باری تعالیٰ میں ہر گناہ سے توبہ کرتا ہوں لیکن لیلیٰ کی محبت سے نہیں۔

تو بادشاہ کا عشق حقیقی تھا، بادشاہ نے اس سے دل سے عشق کیا تھا اس سے نکاح بھی کر لیا اور خوش تھا کہ میں نے اس سے نکاح کیا ہے بیوی بنا لیا ہے ہونا تو یہ چاہئے تھا

کہ میرے گھر کی خوشیاں اس سے دوبالا ہو جاتیں میری بیوی خوش رہتی لیکن یہ تو دن بدن کمزور ہوتی جارہی ہے، میرے گھر میں ناخوش ہے، بادشاہ تھا اس نے بڑے بڑے حکیموں اوراس زمانہ کے ڈاکٹروں سے مشورہ کیا لیکن جوں جوں علاج کرتا ہے مرض اور بڑھتا جارہا ہے، ایک دن بادشاہ پریشانی کی حالت میں مسجد میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں کسی اللہ والے سے ملاقات ہوئی، اس نے کہا کہ اس کا علاج میرے پاس ہے، بادشاہ اللہ والے کی تلاش میں نکلے اور جیسا خواب میں دیکھا تھا اسے وہ اللہ والا مل گیا، بادشاہ نے ان سے اپنا قصہ بیان کیا اور بزرگ کو اپنے گھر لے آئے، بزرگ نے بادشاہ کی بیوی سے پوچھا کہ کیا تکلیف ہے؟ کہاں کی رہنے والی ہے وغیرہ وغیرہ باتیں اس سے پوچھی، اس سے کچھ سوال کرنے کے بعد بزرگ یہ کہتے ہوئے بادشاہ کے دربار سے نکلے کہ میں دو دن بعد واپس آؤں گا اور آکر پھر اس کا علاج کروں گا، یہاں سے نکل کر بزرگ اس علاقے میں گئے جہاں سے بادشاہ کی بیوی تعلق رکھتی تھی، وہاں کے حالات معلوم کئے اور پھر بادشاہ کے پاس گئے، بزرگ نے بادشاہ سے کہا کہ لڑکی کو بلاؤ، وہ لڑکی حاضر ہوئی تو بزرگ نے اسکی نبض پر ہاتھ رکھا اور باری باری اس کے گاؤں کے لڑکوں کے نام لینے شروع کر دیئے کہ فلاں کو پہچانتی ہے؟ فلاں کو جانتی ہے؟ اس دوران بزرگ نے ایک صراف کا نام لیا تو لڑکی نے کہا کہ ہاں میں اسے جانتی ہوں، اس صراف کا نام لینا ہی تھا کہ لڑکی کی نبض تیز ہوگئی، بزرگ نے بادشاہ سے کہا کہ اس کا دل آپ سے نہیں لگا ہے وہ تو اس صراف کو چاہتی ہے، اس واقعہ سے بتانا صرف یہ مقصود ہے کہ جب اس دنیا میں کسی عاشق کا نام لینے سے کسی کی رگ، نبض اور حرکت میں تیزی آسکتی ہے تو جب رب العلمین کا کلام پڑھا

جائے گا" وجلت قلوبھم " اس کا دل کیوں نہیں ڈرے گا اور " زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون " کی کیفیت کیوں طاری نہیں ہوگی۔ تو اگر الفاظ کے سرسری پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے معانی اور مطالب پر غور کیا جائے قرآن پاک کو سمجھا جائے اور پھر اس پر عمل کیا جائے تو یقیناً یہ قرب الٰہی اور معرفت الٰہی و مغفرت الٰہی کا ذریعہ بنے گا۔

علماء کا مقام:

آج بعض لوگ علماء اور قرآن کریم پڑھنے پڑھانے والوں پر طعن کرتے ہیں ان لوگوں کو اس کی اہمیت کا اندازہ تب ہوگا جب وہ آخرت میں ان کے مقام کو دیکھیں گے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند سے سنی ہوئی ایک روایت بیان کرتا ہوں حضرت نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت سے گروہ اور بہت سی جماعتیں ہوں گی، ان میں سے ایک جماعت زانیوں کی ہوگی، ایک جماعت دھوکہ بازوں کی ہوگی، اسی طرح ایک جماعت نیک لوگوں کی ہوگی، نمازیوں کی جماعت ہوگی، روزہ داروں کی جماعت ہوگی، جن کو روزے سے بڑی محبت تھی اور وہ اکثر روزہ سے رہا کرتے تھے، ایک جماعت وہ ہوگی جن کو قرآن کریم سے بڑی محبت تھی، دنیا میں قرآن پاک کے پڑھنے پڑھانے کا مشغلہ تھا، تو ان مختلف جماعتوں میں سے اللہ تعالیٰ ایک ایسی جماعت کو بلائے گا جو نابیناؤں کی جماعت ہوگی، جن کو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بینائی نصیب نہیں فرمائی، آنکھوں کی روشنی سے محروم کر دیا، اللہ تعالیٰ اس نابینا جماعت کو بلائے گا اور اسے

آنکھوں کی روشنی دے دے گا اور فرمائے گا دنیا میں تو میں نے تمہیں آنکھوں کی روشنی سے محروم کر دیا تھا، تم دنیا میں میری دنیوی نعمتوں کو دیکھ نہیں سکتے تھے لیکن آج جو روشنی میں تمہیں دے رہا ہوں وہ ابدالآباد تک رہے گی، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اب تمہاری آنکھیں روشن ہو چکی ہیں اور تم سے اب یہ روشنی کوئی چھین نہیں سکتا، لکھا ہے کہ اس جماعت کے امام حضرت شعیب علیہ السلام ہوں گے۔ ان کی بھی آخر عمر میں آنکھوں کی بینائی چلی گئی تھی، اللہ تعالیٰ حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاتھوں میں ایک سفید جھنڈا عطا فرمائیں گے اور فرمائیں گے کہ دنیا میں تجھے ایک بہت بڑی نعمت سے محروم کیا تھا تم نے ناشکری نہیں کی، صبر سے کام لیا تو آج میں تمہیں اس صبر اور شکر کے بدلے میں یہ انعام دے رہا ہوں کہ تم آکر یمین عرش یعنی میرے پہلو میں بیٹھ جاؤ۔

ایک جماعت علماء کی بھی ہوگی، علماء اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے یہ اچھا فیصلہ ہے ان کے پاس تو صرف آنکھوں کی روشنی نہیں تھی، صبر تو ہم نے سکھایا، ہم سے تو کوئی کلام نہیں، کوئی بات نہیں، ہمارے لئے یمین عرش میں کوئی جگہ نہیں اور انہیں اتنے قرب سے نوازا گیا، اللہ تعالیٰ حضرت شعیب علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ علماء جو کہتے ہیں انہیں کہنے دیں، آپ میرے قریب آجائیں، پھر ایک جماعت آئے گی جسے دنیا کے اندر جذام کا مرض ہوگا، ان کی بیماری کی وجہ سے لوگ کراہت کرتے تھے، ان سے دور بھاگتے تھے، اللہ تعالیٰ انہیں وہاں بہت خوبصورت اور نورانی چہرہ عطا فرمائیں گے، ایسا نورانی چہرہ کہ پانچ سو سال کی مسافت سے چہرہ کا نور نظر آئے گا تو دنیا میں تو وہ بیچارے جذامی تھے، گھناؤنی بیماری میں مبتلا تھے، لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کے میزبان ہوں گے اور

انہیں بھی اپنا قرب نصیب فرمادیں گے کہ انہوں نے دنیا میں صبر سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہیں کی، اس گروہ اور جماعت کے امام حضرت ایوب علیہ السلام ہوں گے کیونکہ انہوں نے دنیا میں بہت سی بیماریوں کو جھیلا ہے اور بہت تکالیف اٹھائی ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ سبز جھنڈا عطا فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے دنیا میں تم نے صبر سے کام لیا آج میرے پہلو میں یعنی یمین عرش میں آجاؤ، علماء کرام کی جماعت پھر بولے گی کہ صبر تو ہم نے سکھایا ہمیں پوچھنے والا کوئی نہیں اور اکرام سے انہیں نوازا گیا، اللہ تعالیٰ حضرت ایوب علیہ السلام سے فرمائیں گے انہیں کہنے دو، تم یہاں میرے قریب آجاؤ، آخر میں اللہ تعالیٰ علماء کرام کی جماعت کو بلائیں گے اور ان سے فرمائیں گے کہ دنیا میں تم لوگوں نے خدمت کی تھی، لوگوں کو دین کا سبق دیا تھا، آج بھی تم لوگوں کی خدمت کرو اور وہ خدمت کیا ہے؟ یہ کہ لوگوں کے پاس جاؤ اور ان کی شفاعت کرو، تم جن کی شفاعت کروگے میں انہیں بھی جنت میں داخل کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کی رسی:

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسی قرآن مجید ہے، اس قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑلو جو اس رسی کو مضبوطی سے تھام لے گا اللہ تعالیٰ جب اس رسی کو کھینچیں گے تو وہ بھی جنت میں داخل ہو جائے گا، شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہے کہ زمین اور آسمان کے درمیان کی جو جگہ ہے یہی جہنم بننے والی ہے، فرمایا کہ کافر کو تو جہنم میں جانا ہی ہے اس نے زندگی بھر جہنم کو ہی جانا پہچانا ہے اسکی پسندیدہ جگہ وہی ہے البتہ جو ایمان والے جہنم میں پڑے ہیں اور انہوں نے رسی کو تھاما ہوگا انہیں جہنم سے

نکالا جائے گا اور پھر وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

قرآن کریم ظاہر کے ساتھ باطن کی دنیا کو بدل دیتا ہے:

قرآن پاک ایک حیات ہے، سر چشمۂ حیات اور روح ہے، جیسا کہ خود قرآن کریم نے کہا ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُورًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا

(شوریٰ آیت ۵۲)

اس آیت میں مستقل ایک لمبی چوڑی بحث ہے، اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی کلام ہیں، البتہ وہ اس آیت میں شامل ہیں، انبیاء کرام نے دنیا میں کسی سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا، کیونکہ ان کے استاذ اللہ تعالیٰ ہیں، انہیں علوم اللہ تعالیٰ عطا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے قلب پر علم نازل فرما دیتے ہیں، جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا: "وعلم آدم الاسماء" حضرت آدمؑ کو سب چیزوں کے نام اللہ تعالیٰ نے سکھائے، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: "وعلمنه من تاويل الاحاديث" حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر کا علم اللہ تعالیٰ نے سکھایا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: "وعلمنا منطق الطير" انہیں جانوروں کی بولی اللہ تعالیٰ نے سکھلائی، حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: "وعلمنه صنعة لبوس لكم لتحصنكم" حضرت داؤد علیہ السلام کو لوہے کی زرہیں بنانے کا علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، اسی طرح نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا: "وعلمک مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما" آپ کو ہم نے وہ

باتیں سکھلائیں جو آپ جانتے نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ تو بہت فضل کرنے والے ہیں۔تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ قرآن کریم نے خود اپنے بارے میں فرمایا:﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ ہم نے آپ کی طرف جو وحی کی ہے یہ تو ایک روح ہے۔

اسلامی تعلیم کے انقلابی اثرات:

نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت جزیرۂ عرب کی کیا حالت تھی،اس غیر متمدن قوم میں تمدن کہاں سے آیا،جہاں بانی اور جہاں گیری کے اسرار و رموز کس نے سکھائے،جہالت کی ظلمتوں سے روشنی میں وہ قوم کس طرح آئی،اس میں انقلاب کس نے برپا کیا،وہ انقلاب لانے والی چیز کیا تھی؟وہ قرآن مجید کا علم تھا،جس نے صحابہ کرام کے دلوں میں ایسی روحانی طاقت پیدا کر دی کہ دنیا میں اس سے انقلاب آ گیا۔صحابہ کرام جن کا ایمان لانے سے قبل کام ہی شرک،چوری وڈکیتی اور زنا تھا،دنیا کی کوئی ایسی برائی نہیں تھی جس میں وہ مبتلا نہیں تھے،لیکن جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور قرآن کریم جیسی عظیم کتاب انہیں ملی اور انہوں نے لوگوں کو قرآن کریم کی دعوت دی،تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دور یعنی دور جاہلیت کو دور خیر القرون میں بدل دیا،جو جہلائے عرب کہلاتے تھے وہ صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین بن گئے اور پھر اسی قرآن پاک کی بدولت صحابہ کرام کے اندر وہ طاقت آ گئی کہ قلیل عرصہ میں انہوں نے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا،پھر صحابہ کرام جہاں جہاں بھی گئے جن جن علاقوں کو فتح کیا صرف یہی نہیں کہ وہاں کے باشندوں کو تعلیم دی کہ ان کی زبان بھی بدل گئی،آج مصر میں قبطی بولنے والے عربی بولتے ہیں،عراق عربی جانتا ہے،اگر آج مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ان میں انقلاب آئے تو انہیں قرآن کریم سے

وابستہ ہونا پڑے گا،قرآن پاک کے دامن کو پکڑنا ہوگا،آج ہم مسلمان جتنے بھی قسم کے فسادات اورلغویات کا شکار ہیں،اسکی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم نے قرآن کریم سے دوری اختیار کی ہوئی ہے،جس قدر ہم قرآن پاک سے دور ہوتے چلے گئے ایمانی روح اور اخلاق حسنہ ہم سے چھوٹتے گئے بجائے انقلاب لانے کے ہم تنزل کی طرف مائل ہوگئے،اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ روح باقی نہیں رہی جو پہلے مسلمانوں میں تھی،جب تک مسلمانوں میں روح باقی تھی،انہیں جتنا پیٹا گیا ستایا گیا وہ پیچھے نہیں ہٹے بلکہ اورآگے بڑھتے گئےلیکن جب روح نکل گئی تو آج مسلمان بے بس ہے،جس کا جو جی چاہے وہ سلوک کرے کوئی ٹوکنے والی زبان نہیں ملے گی،آج پوری دنیا میں مسلمان بےبس اوررسوا ہے،ذلت ورسوائی اس کا مقدر بن چکی ہے اسکی آہ وزاری دلوں کو دہلاتی نہیں بلکہ بہیمانہ سلوک کی دعوت دیتی ہے حالانکہ یہی کتاب جب ان لوگوں کے درمیان آئی جو معمولی باتوں پرمہینوں اور برسوں آپس میں لڑتے رہتے تھے وہ بدل گئے۔سچ ہے جب کوئی قوم اپنا اصول چھوڑ دیتی ہے وہ ذلیل اوررسوا ہوجاتی ہے۔

حضرت علیؓ اپنے دور خلافت میں بیت المال میں آئے،دیکھا کہ پورا خزانہ بھرا پڑا ہے،مال ہی مال ہے،فرمایا: ”غری غیری“ اے دنیا تو دوسروں کو دھوکہ دینا،ہم تیرے دھوکہ میں آنے والے نہیں،خدام کو بلایا اور فرمایا کہ سارا خزانہ غرباء میں تقسیم کردو۔

دولت پریشانی کا سبب ہے:

حضرت جابرؓ کو اللہ تعالیٰ نے بہت دولت سے نوازا تھا،فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میں مسجد سے گھر گیا تو میں بہت اداس اور غمگین تھا،گھر والی نے اداسی اور مایوسی کی

وجہ پوچھی میں نے کہا کہ ہمارے گھر میں کس قدر مال و دولت جمع ہو چکا ہے ہم اس کو کیا کریں گے؟ میری پریشانی کا سبب یہی دولت ہے، اہلیہ نے کہا کہ اس میں پریشانی کی کونسی بات ہے، یہ مال غرباء میں تقسیم کردو، چنانچہ خادم کو بلایا اور شام تک گھر کا سارا خزانہ غرباء میں تقسیم کردیا اور اس کے بعد اپنی بیوی سے کہا کہ تم نے بہت اچھی بات بتائی میرے دل کا بوجھ اب ختم ہوگیا۔

چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے:

قرآن پاک نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ”کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله“ جب قرآن پاک کا قرب نصیب ہوا اور ایمان مضبوط ہو تو مسلمانوں کی چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آجائے گی، دنیا نے یہ دیکھا دنیا اسکی گواہ ہے تاریخ اسکو مٹا نہیں سکتی کہ جب بھی اللہ والوں کی مختصر سی جماعت اہل باطل سے ٹکرائی، تو جن کے دل ایمان کی حلاوت سے نا آشنا تھے ان کو شکست سے دو چار ہونا پڑا اور حق باطل پر غالب آکر رہا، ذرا دیکھو تو سہی اہل حق ایک جنگی محاذ کے سلسلہ میں مشورہ کر رہے ہیں کہ حریف کی طاقت کا معائنہ کرنا چاہیئے اور ان کی جنگی تیاریوں کو دیکھنا چاہیئے، حضرت خالد بن ولیدؓ نے کہا کہ اس کام کے لئے میں اکیلا ہی کافی ہوں، امیر نے کہا کہ دنیا دار الاسباب ہے، آپ اپنے ساتھ تین سو مجاہدین کو بھی لے جائیں، حضرت خالد بن ولیدؓ نے کہا تین سو افراد کی ضرورت نہیں صرف تیس افراد ہی کافی ہیں۔ اور ہم دیکھ کے واپس آجاتے ہیں، امیر جماعت نے کہا کہ ساٹھ آدمیوں کو لے جاؤ اور فیصلہ اسی پر ہوا، حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے ساٹھ ساتھیوں سمیت کفار کے لشکر کو دیکھنے کے لئے روانہ ہوئے، وہاں جا کر

دیکھا کہ کفار کا لشکر جنگ کے لئے مکمل تیار ہے اور ہر قسم کے اسلحہ سے لیس ہے، حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟ ہم تو خبر لینے آئے ہیں، اب جس کام کے لئے آئے ہیں وہی کریں یا ان سے نمٹیں، ساتھیوں نے کیا جواب دیا؟ اللہ اکبر! ساتھیوں نے کہا: ہمیں تو شہادت محبوب ہے۔ آج ہم بھی مسلمان ہیں ہمارے اندر وہ جذبہ کہاں ہے؟ کہاں وہ لوگ اور کہاں ہم گنہگار؟ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ ایک دور ایسا آئے گا کہ مسلمانوں کی کثرت ہوگی مسلمان بہت بڑی تعداد میں ہوں گے، لیکن دشمنان اسلام مسلمانوں پر اس طرح ٹوٹیں گے جیسا کہ کھانے کے وقت بھوکے لوگ دستر خوان پر ٹوٹتے ہیں۔ اور فرمایا کہ مسلمانوں کو "وہن" کا مرض ہو جائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا "ما الوھن یا رسول الله" وہن کیا چیز ہے یارسول اللہ!؟ جواب میں فرمایا کہ

"حب الدنیا و کراھیة الموت"

(ابوداؤد، رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ، ترجمان السنۃ ج ۴ ص ۳۱۸)

مسلمانوں کو دنیا سے محبت ہو جائے گی اور موت سے ان کو ڈر لگنے لگے گا۔ صحابہ کرام میں یہ دو مرض نہیں تھے جو آج ہم میں موجود ہیں، تو جب تک مسلمانوں میں روح قرآن موجود تھی تو ساٹھ مسلمان ساٹھ ہزار پر غالب آئے، آج ہم اپنے اوپر تنقیدی نظر ڈالیں تو ہمیں یہ بات سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ ہمارا یہ جو حشر ہے وہ قرآنی تعلیمات سے انحراف کی بنا پر ہے۔

علماء، صوفیاء، اور حفاظ قرآن:

پھر قرآن پاک کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے

فرمایا:﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ.﴾ (الحجر:۹) اس قرآن کو ہم نے نازل کیا اور اسکی حفاظت بھی ہم خود ہی کریں گے، قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا اور اس کے معانی کو بھی نازل فرمایا، اب امت کے اندر اس قرآن کی حفاظت کے مختلف گروہ ہوگئے، مختلف جماعتیں ہوگئیں، مختلف انداز سے وہ قرآن پاک کی حفاظت کرتے ہیں اور کر رہے ہیں، الفاظ قرآن کی حفاظت ''حفاظ کرام'' کرتے ہیں، معانی کے اعتبار سے قرآن پاک کی حفاظت ''علماء کرام'' کرتے ہیں، اور قرآن کریم کے اندر جتنی تزکیہ کی چیزیں ہیں اخلاقیات سے متعلق جو چیزیں ہیں اسکی حفاظت ''صوفیاء کرام'' کرتے ہیں، اسی طرح ''کاتب حضرات'' رسم الخط کی حفاظت کرتے ہیں، ''قراء حضرات'' قرآن پاک کے لب ولہجہ کی حفاظت کرتے ہیں، اصلی اور حقیقی حافظِ قرآن وہ اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت پر بندوں کو مامور کر دیا ہے ان کے دلوں میں قرآن کریم کی عظمت اس طرح بھر دی ہے کہ وہ بصد احترام اسکی حفاظت میں مصروف ہیں، یہ ہے دراصل اللہ تعالیٰ کا بندوبست، ہم جس طرح اپنا بندوبست کرتے ہیں اسی طرح دارالاسباب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کے بندوبست کیئے ہیں، پھر فرمایا کہ ''وانا له لحافظون'' چونکہ یہ دنیا ہے اس لئے دنیا جیسے ہی سارے اسباب اختیار کرنے پڑیں گے۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی کھیتی غلہ پیدا کرے تو بیج ڈالنا پڑے گا، پانی کا بندوبست کرنا پڑے گا، ہر قسم کی موذی اشیاء سے حفاظت کرنی پڑے گی، آپ چاہتے ہیں کہ اولاد ہو تو اس کے لئے شادی کرنی پڑے گی، ازدواجی زندگی ہوگی تو اولاد ہوگی تو اصل حافظ قرآن تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن اسباب کے

اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے حافظ قرآن کے سینے میں اس قرآن کو حفظ کرا کے محفوظ کرا دیا اور اسکی حفاظت کا ذریعہ بنا دیا، واسطہ بنا دیا پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ نے الفاظ قرآن کی حفاظت بھی فرمائی، پانچ پانچ، چھ چھ سال کے معصوم بچے جنہیں قرآن کریم کی عظمت و تقدس کا پتہ تک نہیں ہوتا، لیکن رٹ رہے ہوتے ہیں اور ان کے سینوں میں قرآن کریم محفوظ ہو جاتا ہے، ان میں یہ سمجھ بھی نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، بہت سے لوگ اسے دقیانوسی عمل کہتے ہیں، اسے وقت کا ضیاع کہتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ماں باپ کے دلوں میں بھی شوق پیدا کر دیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو حفظ کرا رہے ہیں اور پھر پورا قرآن کریم ان کے سینوں میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس حفظ کے بدلے میں کس قدر بلند درجات عطا فرماتے ہیں اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے پہلی فضیلت تو یہی کہ تم نے میرے کلام کو حفظ کر لیا ہے تو میں تمہیں حافظ کا لقب دیتا ہوں، جس نے جس قدر قرآن پاک کی خدمت کی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا اپنا اپنا مرتبہ اور مقام ہے، پھر جس حافظ قرآن نے اس کو سیکھا، اسے سمجھا اور اس پر عمل کیا اور ان میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے انہیں حرام سمجھا اور جن چیزوں کو حلال قرار دیا گیا ہے انہیں حلال سمجھا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اعزاز سے نوازیں گے کہ اس کے خاندان کے دس افراد اسی کی سفارش سے جنت میں جائیں گے جن پر جہنم واجب تھی ایسے افراد کو حافظ قرآن کی سفارش سے جنت نصیب ہو جائے گی، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ کا قانون ہے، کتاب ہدایت ہے، سرچشمۂ فلاح و بہبود ہے، کامیابی و کامرانی اسی سے میسر آئے گی، دنیا میں بھی آخرت میں بھی جب سورج سوا

نیزے پر ہوگا تو اسکی ہولناک تمازت سے کون بچائے گا؟ نجات کا ذریعہ کون بنے گا؟ یہی قرآن اوراس پرعمل جس نے اس پرعمل کیا اس کو قرآن کریم کی روح میسر آ گئی اور نبی کریم ﷺ سے دوگنی مشابہت پیدا ہوگئی۔اس کے ساتھ ساتھ اسے دنیا کی پریشانیوں اور مشکلات سے بھی نجات ملے گی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افلاطون نے پوچھا تھا کہ اے موسیٰ! اگر آسمان کمان اور دنیا کے حوادث تکالیف اور مشکلات تیر بن جائیں تو بچنے کی کیا شکل ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیر پھینکنے والے کے قریب چلا جا۔یعنی دنیا کی مصیبتیں دینے والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن پاک ہے، جسے قرآن مجید کا قرب ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوجائے گا اور جسے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا اسے دنیا کی مشکلات وحوادث سے بھی چھٹکارا ملے گا۔

حضرت امام شافعیؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ حضرت! مجھے عجیب حالات پیش آئے، پوچھا کیا حالات پیش آئے؟ اس نے کہا بہت عرصہ تک تو اولا دنہیں تھی، پھر بہت دعائیں کیں، اوراللہ تعالیٰ نے ایک بیٹی دی اب خوشی کے عالم میں میں نے کہا اے اللہ! تو نے مجھے بیٹی دی ہے جب یہ بڑی ہوگی اور اسکی شادی ہوگی تو اسے جہیز میں دنیا کی ہر چیز اور مال ودولت دوں گا، اب بڑی ہوگئی ہے اور شادی کا وقت آ گیا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اب اس کو دینے کے لئے دولت کہاں سے لاؤں؟

حضرت امام شافعیؒ نے بہت بہترین جواب دیا، فرمایا کہ تم اسے قرآن پاک کی تعلیم دے دو اور جب گھر سے رخصت ہونے لگے تو اسے قرآن پاک کا نسخہ دے دو، واللہ

اس سے بہتر مال و دولت اس دنیا میں کوئی نہیں ہے،تو قرآن پاک صرف پڑھنے کی چیز نہیں بلکہ اس پر عمل بھی کرنا ہے اسے سمجھنا بھی ہے، جب اس پر عمل ہوگا تو روح قرآن اور قرب الٰہی نصیب ہوجائے گی، اور جب قرب الٰہی نصیب ہوگا تو ہمیں عرش میں جگہ مل جائے گی، عاقبت سنور جائے گی لیکن آج کل شادی میں کیا ہوتا ہے؟ اس کو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں؟ کہیں شادی اور شادی کے طے کرتے وقت قرآن مجید اور اس پر عمل کی بات آتی ہے؟ کہیں تصور میں بھی کتاب وسنت پر عمل کی بات آتی ہے؟ کہیں تصور میں بھی کتاب وسنت پر عمل کا خیال آتا ہے؟ تو پھر اللہ تعالیٰ سے قرب اور عرش کا سایہ کیسے میسر آئے گا؟

امام احمد بن حنبلؒ کا خواب:

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اے باری تعالیٰ! تیرے قرب کا ذریعہ کیا ہے؟ کون سا عمل ہے جس سے تیرا قرب حاصل ہو؟

تو جواب دیا گیا کہ تلاوت قرآن،قرآن پاک کی تلاوت میرے قرب کا ذریعہ ہے،اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے انہوں نے ہمارا مسئلہ حل کردیا،حضرت الامام نے پوچھا کہ باری تعالیٰ سمجھ کر پڑھنے سے یا بغیر سمجھے پڑھنے سے؟

جواب ملا کہ سمجھ کر یا بلا سمجھ کر پڑھے دونوں صورتوں میں جو میرا کلام پڑھتا ہے اسے میرا قرب نصیب ہوتا ہے۔ بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ بغیر سمجھے ہوئے پڑھنا بیکار ہے، وقت کا ضیاع ہے، وہ لوگ غلط کہتے ہیں، کیونکہ کلام اللہ پڑھنے پر آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک حرف پر دس نیکیاں ملیں گی، اور مثال میں حضور ﷺ نے ”الٓمّٓ“ جو

حروف مقطعات میں سے ہے جس کا مفہوم کوئی نہیں جانتا وہ لفظ بیان فرمایا اس سے پتہ چلا کہ بغیر سمجھے پڑھنا بیکار چیز نہیں ہے، اس پر بھی پڑھنے والے کو ثواب دیا جاتا ہے، صرف "الٓمٓ" پڑھنے پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

اب میں اخیر میں قرآن پاک کی فضیلت کے سلسلہ میں حضور ﷺ کے دو تین ارشاد سنا کر اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس آدمی سے قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہونے کی وجہ سے ذکر چھوٹ گیا، تلاوت میں اتنا مشغول تھا کہ نہ اسے دعا کا وقت ملا اور نہ ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تمام مانگنے والوں سے زیادہ بہتر اسے عطا فرماتا ہوں، ہمیں چاہئے کہ قرآن پاک کو خود بھی سیکھیں اور اپنی اولاد کو بھی سکھائیں۔

ایک روایت میں فرمایا گیا کہ **"خیر کم من تعلم القرآن وعلمه"** تم میں سب سے بہتر وہی لوگ ہیں جو قرآن کریم کو سیکھیں اور لوگوں کو سکھلائیں۔

اور ایک روایت کا مفہوم ہے کہ آپ ﷺ نے ابو ہریرہؓ سے فرمایا: اے ابو ہریرہ! قرآن کریم کو سیکھو اور سکھاؤ یہاں تک کہ تمہاری موت آجائے، جب موت آجائے گی تو تمہاری قبر کی زیارت فرشتے اسی طرح کریں گے جیسے لوگ بیت اللہ کی زیارت کرتے ہیں، اور قرآن مجید کا صرف پڑھنا ہی کار ثواب نہیں ہے بلکہ اس کا سننا بھی کار ثواب ہے، آپ ا کا ارشاد ہے کہ اگر کسی شخص نے قرآن پاک کی ایک آیت سنی تو مکہ مکرمہ کا صبیح نامی پہاڑ کھرا سونا بنا دیا جائے اور پھر اسے صدقہ کر دیا جائے اس سے بھی زیادہ ثواب ایک آیت سننے میں ہے، نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کلام اللہ کی ایک آیت

تلاوت کی تو عرش الٰہی کے نیچے جتنی چیزیں ہیں، اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن پاک کی قدر کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، صحیح طریقہ سے پڑھنے اور سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿۸﴾

ایمان کی شیرینی

خوفِ حق ، الفتِ احمد کو نہ چھوڑ اے اکبر!
منحصر ہے ان ہی دو لفظوں پہ سارا اسلام

﴿ ۸ ﴾

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ایمان کی شیرینی

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِيۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنۡ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِيۡكَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَاوَ شَفِيۡعَنَاوَحَبِيۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَ اَهۡلِ بَيۡتِهٖ وَاَهۡلِ طَاعَتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡراً كَثِيۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

عن انسؓ قال قال رسول اللّٰه ﷺ : ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الايمان؛ من كان اللّٰه ورسوله احب اليه مماسواهما ومن احب عبداً لايحبه الا للّٰه ومن يكره ان يعود فى الكفر بعد ان انقذه اللّٰه منه كما يكره ان يلقى فى النار. (متفق عليه)

او كما قال عليه الصلاة و السلام

ابھی میں نے آپ کے سامنے جو حدیث پڑھی اس کا مفہوم یہ ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس میں تین خصلتیں اور تین عادتیں ہوں تو وہ ایمان کی حلاوت اور چاشنی کو پالے گا گویا کہ اس حدیث میں ایمان کی حلاوت کا ذکر کیا گیا ہے، پہلی چیز یہ بیان فرمائی گئی کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہر چیز

سے زیادہ ہو، دوسری چیز یہ ہے کہ کسی بندے سے محبت ہوتو وہ محبت محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، اور عداوت بھی ہوتو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، تیسری چیز یہ کہ ایمان لانے کے بعد کفر میں واپس لوٹنا اتنا ناگوار ہو جائے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانا۔

محبت کے بہت سے اقسام ہیں:

میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا کہ محبت کے بہت سے اقسام ہیں، ایک محبت جمالی ہوتی ہے، ایک محبت احسانی ہوتی ہے، ایک محبت کمالی ہوتی ہے، ایک محبت ایمانی ہوتی ہے، ایک محبت عقلی ہوتی ہے۔

(علمی تقریریں ص ۱۶۵۔۱۶۶)

ساری محبتوں کا سرچشمہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، اس لئے قرآن پاک میں فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرہ:۱۶۵) [جولوگ ایمان لائے ان کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہے] اگر دیکھا جائے تو ایمان کا جو خمیر ہے اس کے اندر ہی اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، اب اگر اسے علم نہ ہو یا اسے ایسا ماحول نہ ملا ہو جس کی وجہ سے اس کے دل سے یہ مادہ ختم ہو جائے وہ الگ بات ہے ورنہ انسان کے خمیر میں اللہ تعالیٰ کی محبت موجود ہے۔

روح نکالنے کا کام حضرت عزرائیلؑ کے سپرد ہے:

صوفیائے کرام نے لکھا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا کہ زمین پر جاؤ اور پوری دنیا کی مٹی لاؤ جب حضرت جبرئیلؑ مٹی لینے کے لئے زمین پر آ گئے اور ہر جگہ کی مٹی اٹھائی تو مٹی

نے کہا کہ مجھے کہاں لے جاتے ہو؟

حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس، مٹی نے پوچھا کہ مجھے کیا کریں گے؟ حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ اس سے انسان بنائیں گے، تو مٹی نے رونا شروع کردیا کہ مجھے نہ لے جاؤ، معلوم نہیں وہ انسان کیسا ہوگا؟ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے، اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرے تو مٹی بہت رونے لگی اور منت سماجت کرنے لگی تو حضرت جبرئیلؑ نے اسے چھوڑ دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اسرافیلؑ کو بھیجا، ان کے ساتھ بھی یہی مسئلہ ہوا، پھر حضرت عزرائیلؑ کو بھیجا، انہوں نے کہا تو خوش ہو یا ناخوش مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور مٹی زبردستی لے گئے، حضرت عزرائیلؑ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ جب بنانے کے وقت ابتداء میں تمہیں رحم نہیں آیا تو روح نکالتے وقت بھی تمہیں رحم نہیں آئے گا، اس لئے روح نکالنے کا کام بھی اب تمہارے سپرد ہے، انہیں کسی پر رحم نہیں آتا کوئی انہیں روک نہیں سکتا، انہیں کسی کی پرواہ نہیں ہے، جب کبھی کسی کا وقت ختم ہوجائے، بے دھڑک آکر روح قبض کرلیتے ہیں۔

تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے خمیر میں اللہ تعالیٰ کی محبت موجود ہے، اور کیوں نہ ہو کہ انسان کے قریب بھی تو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، قرآن کریم نے فرمایا:

نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡكُمۡ وَلٰكِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ. (سورۂ واقعہ: ۸۵)

[ہم تو تمہارے بہت قریب ہیں لیکن تم ہمیں دیکھتے نہیں]

ہم پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ یہ پردے ہٹادے تو اللہ تو

ہمارے بہت قریب ہے ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (سورۂ ق:۱۶) اللہ تعالیٰ کی محبت کے واسطہ سے پھر سب سے محبت ہونی چاہئے،اس کے بعد ایمان والوں کوسب سے زیادہ محبت اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے ہے،قرآن کریم میں فرمایا کہ ﴿النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم﴾ نبی ایمان والوں کوان کی ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں،فرمایا﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (الانعام:۵۷) [اصل حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہے] ہم ماں باپ سے محبت کرتے ہیں لیکن کیوں کرتے ہیں،اس لئے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے،کوئی ماں باپ یا کوئی بزرگ ہمیں گناہ کا حکم دیں تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی،معلوم ہوا کہ اصل محبت اللہ تعالیٰ کی ہے اور جب دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت گھر کرلیتی ہے تو اس کے ہر عمل سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

ایمان کی شیرینی:

تو مذکورہ حدیث میں ایمان کی حلاوت سے مراد شیرینی اور مٹھاس ہے،حسیّ نہیں،معنوی طور پر مؤمن کا دل ایمان کی شیرینی سے لبریز ہوجاتا ہے اور اسکی علامت یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلنا آسان ہوجاتا ہے اور اعمال صالحہ اسکی فطرت اور طبیعت بن جاتے ہیں،تو پہلی بات تو یہ ہے کہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے ہو،دوسری بات یہ ہے کہ کسی بندے سے محبت یا عداوت ہو تو وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہونی چاہئے،حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر آدمی نفسی نفسی کی حالت میں ہوگا بلکہ حدیث میں تو یہاں تک فرمایا گیا کہ انبیاء کرام بھی نفسی نفسی کے عالم میں ہوں گے،ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؓ سے کچھ وعظ

کرنے کو کہا حضرت کعبؓ نے بہت سی باتیں بتائیں اور فرمایا اے عمر! قیامت کے دن ایک آواز آئے گی جس سے ہر آدمی اپنے گھٹنے کے بل گر جائے گا لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے اور بڑے آرام اور راحت میں ہوں گے۔

عرش کے سایہ میں:

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ سات آدمی ایسے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جو مؤمن کے ساتھ محبت کرے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کرے اور دشمنی بھی کرے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، ذاتی مفاد کے لئے محبت نہ ہو کہ فلاں سے محبت کر کے مجھے یہ فائدہ مل جائے گا تو جسے یہ نصیب ہو جائے حضور ﷺ نے فرمایا وہ بھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں ہوگا۔

تیسری چیز جو مذکورہ حدیث میں فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مؤمن کو ایمان لانے کے بعد دوبارہ کفر میں جانا اتنا مشکل ہو جائے جیسا کہ اسے آگ میں ڈالا جانا، آگ میں جانا کون پسند کرتا ہے اس طرح ایمان لانے کے بعد ایمان اتنا پکا ہونا چاہئے کہ واپس کفر میں لوٹنے کا تصور تک بھی دل میں نہ گزرے تو یہ تین چیزیں جس میں پائی جائیں گی تو اسے ایمان کی حلاوت اور چاشنی نصیب ہو جائے گی۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کا ارشاد:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تین چیزیں ایسی عطا فرمائی ہیں کہ ان پر جتنا شکر ادا کروں، کم ہے۔

ایک تو یہ ہے کہ تقریباً دوسو کے قریب میرے شاگرد ایسے ہیں جنہوں نے مجھ

سے قرآن وحدیث پڑھا ہے اور آس پاس کے علاقوں میں دین کی خدمت کر رہے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ شریعت کے جتنے امورِ شرعیہ ہیں وہ میرے لئے امورِ طبعیہ بن گئے ہیں، امورِ شرعیہ امورِ طبعیہ بن جائیں یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمادے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ اگر میری کوئی تعریف کرتا ہے تو اس کا میرے اوپر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے اور جو کوئی برائی کرتا ہے تو میں مانتا ہوں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے آج ہماری کوئی تعریف کرے تو ہم پھول جاتے ہیں کہ واقعی ہم تو بہت بڑے متقی ہیں، یہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہئے زیادہ سے زیادہ محنت کرنا چاہئے کہ ہمیں حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوجائے۔

کہنے والا سچا ہے:

حضرت تھانویؒ نے ایک لطیفہ لکھا ہے کہ ایک حجام (نائی) بال بنارہا تھا کسی نے جاکر کہا کہ تیری بیوی بیوہ ہوگئی تو وہ رونے لگا لوگوں نے پوچھا کہ بھائی کیوں رورہے ہو اس نے کہا کہ فلاں صاحب نے خبردی ہے کہ میری بیوی بیوہ ہوگئی ہے، کسی نے کہا بے وقوف جب تو زندہ ہے تو تیری بیوی کیسے بیوہ ہوگئی؟ جب تو مرے گا تو وہ بیوہ بنے گی۔ تو حجام بولا بات دراصل یہ ہے کہ کہنے والا سچا ہے، اس طرح ہم لوگوں کا بھی یہی حال ہے کہ اگر کوئی آکر کہتا ہے کہ آپ تو ماشاء اللہ بڑے نیک ہیں تو ہم بھی اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتے ہیں تو اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ آدمی میں تکبر پیدا ہوتا ہے، آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہے، تو سب سے بڑی چیز وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہے

اور اگر کسی بندے سے محبت ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو اپنی نفسانی خواہشات کے لئے نہ ہو، شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے بڑے کام کی بات فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ جب تیرا تعلق تیرے مالک کے ساتھ ہو تو اس میں کسی کو شریک نہ کر اور جب تیرا تعلق کسی بندے کے ساتھ ہو اس میں اپنے نفس کو شامل نہ کر، آج ہم بزرگوں کو مانتے ہیں لیکن ان کے بتائے ہوئے کاموں پر عمل نہیں کرتے، اپنی خواہشات کے تابع بنے رہتے ہیں، جو نفس کا تقاضا ہوا وہ ہم کر گزرتے ہیں اس کے باوجود ہم بزرگوں سے اپنی عقیدت ومحبت کا دم بھرتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ جو عمل خواہ وہ کتنا ہی عظیم الشان ہو اگر نفس کے لئے کیا گیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبول نہیں مردود ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ میدان جنگ میں ایک یہودی سے لڑ پڑے اس لڑائی میں کبھی وہ غالب آتا ہے اور کبھی حضرت علیؓ، ایک موقع ایسا آیا کہ حضرت علیؓ نے اسے پٹک دیا اور تلوار نکالی قریب تھا کہ اسکی گردن اڑا دیں اسنے حضرت علیؓ کے منہ پر تھوک دیا تو حضرت علیؓ نے اسے اسی وقت چھوڑ دیا تو وہ یہودی حضرت علیؓ سے پوچھنے لگا کہ تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا اب تو تمہیں مجھ پر اور زیادہ غصہ آنا چاہئے تھا لیکن تم نے تو مجھے چھوڑ دیا۔

حضرت علیؓ نے اس سے فرمایا کہ اب تک میری اور تیری لڑائی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تھی جب تو نے میرے منہ پر تھوکا تو اب میرا غصہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں بلکہ اپنی ذات کے انتقام کے لئے ہوتا اب اگر میں تجھے قتل کرتا تو یہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہوتا بلکہ اس میں اپنے نفس کی رضا بھی شریک ہو جاتی اور یہ اقدام خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہوتا اس لئے میں نے تجھے چھوڑ دیا۔

آپ نے صحابہ کرام کے واقعات پڑھے ہوں گے اور بزرگوں کے واقعات سنے ہوں گے کہ ان کا ایمان اتنا پختہ ہوتا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں ایمان سے ہٹا نہیں سکتی تھی، ایسے ہزاروں واقعات ہیں، حضرت بلالؓ کو لے لیں، دشمنوں نے انہیں کتنا ستایا، کتنی تکلیفیں دیں، لیکن ان کی زبان سے ہمیشہ ''احد، احد'' نکلتا تھا دشمن انہیں ایمان لانے کے بعد دوبارہ کفر میں جانے پر مجبور نہیں کر سکے، حضرت خبابؓ کو انگاروں پر لٹایا جاتا تھا اور ان سے کہا جاتا تھا کہ ایمان چھوڑ دو ورنہ جلا دیں گے لیکن وہ ہمیشہ یہ کہتے کہ مجھے ایمان کی خاطر جلنا منظور ہے لیکن ایمان نہیں چھوڑوں گا۔

اگر ایمان کا مزہ چکھنا ہو:

مسلم شریف کی روایت ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ آدمی ایمان کا مزہ چکھ لے گا جو اللہ تعالیٰ کو اپنے رب ماننے کے اعتبار سے راضی ہو جائے اور اسلام کو اپنا دین اور مذہب ماننے کے لئے راضی ہو جائے اور محمد ﷺ کو اپنا رسول ماننے کے لئے راضی ہو جائے تو اسے ایمان کا مزہ مل جائے گا، اس حدیث میں جو تین چیزیں بیان فرمائی گئی ہیں یہ ایمان کی بنیادی چیزیں ہیں ان سے ہٹ کر محبت کا دعویٰ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا فضول بات ہے، ان بنیادوں پر ہی محبت ورضا کی عمارت استوار ہو گی، کوئی ان باتوں کو پسند کرے یا نہ کرے، دل کی خوشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لینا اور دین اسلام جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے اس کو پسندیدہ دین سمجھ لینا اور رسول اللہ ﷺ کو اپنا رسول مان لینا ہی ایمان کی مضبوطی ہے، ایمان اسی کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتے

ہیں کہ تیرے رب کی قسم ایک آدمی اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک تم نے جن چیزوں کا فیصلہ کر دیا ہے اس پر وہ دل سے راضی نہ ہو، جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو اسے دل سے قبول کر لینا یہی ایمان کا تقاضا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. (اٰل عمران:۸۵)

جو شخص دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو پسند کرتا ہے تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں خسارے میں رہے گا، تو ہمیں اپنی روزمرہ کی زندگی کو دیکھ لینا چاہئے، اپنی معاشرت، اپنے کاروبار، اور خوشی وغمی کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم کتنے احکامات پر پورے اترتے ہیں اور کتنے احکامات ہم سے چھوٹے ہوئے ہیں یا ہم نے چھوڑ دئے ہیں۔

خوفِ حق ' الفتِ احمد کو نہ چھوڑ اے اکبر!
منحصر ہے ان ہی دو لفظوں پہ سارا اسلام

اللہ تعالیٰ ہمیں دین اسلام کے احکامات پر عمل کرنے کی توفیق بخشے اور مغفرت نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

۹

انسان کا سفرزندگی

موجودہ مادی دور میں زندگی کا مقصد جو ہم نے خود بنالیا ہے وہ دنیا اور دولت ہے جس کو دنیا میں ہی رہ جانا ہے جبکہ انسان کو مرنے کے بعد بہت طویل زندگی گذارنی ہے، عالم برزخ، عالم حشر اور ابد الآباد کی زندگی، زندگی کا مقصد دنیا کمانا نہیں، دولت سمیٹنا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کو راضی رکھنا ہے۔

نہ مال و دولت نہ دھن جائے گا
ساتھ تیرے فقط ایک کفن جائے گا

﴿۹﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انسان کا سفر زندگی

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡكَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیۡعَنَاوَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَذَکِّرۡ فَاِنَّ الذِّکۡرٰی تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ. (الذاریات:۵۵)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلك لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

محترم حضرات! دنیا میں انسان ایک سفر کرتا ہے جو بچپن سے بڑھاپے پر ختم ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسکی روح کو عالم برزخ میں پہنچا دیتے ہیں، عالم برزخ کے بعد انسان میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا۔ وہاں پر کچھ وقت گزارے گا جسکی مقدار اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے:

کَانَ مِقۡدَارُہٗ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ. (السجدہ: ۵)

[وہاں کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوگا]

زمانۂ دراز تک انسان وہاں حاضر رہے گا اور پھر حساب کتاب ہوگا۔

جب موت کو بھی موت آجائے گی:

محشر اور حساب کے بعد دوسرا سفر شروع ہوتا ہے یا تو جنت میں جائے گا یا جہنم میں، پھر جنت میں بھی سفر ختم نہیں ہوتا بلکہ وہاں بھی درجات ملیں گے اور پھر آخر میں

لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَلَا یَحۡیٰی

[اس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جئے گا]

اللہ تعالیٰ مینڈھے کی شکل میں موت کو جہنم اور جنت کے درمیان ذبح کر دیں گے اور فرمائیں گے: اے جنتیو! سن لو آج ہم نے موت کو بھی موت دے دی، اب ابدالآباد کی زندگی ہے، موت ختم ہوگئی، اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندگی ہوگی۔

جب نصب العین معلوم نہ ہو:

پس انسان کو اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا تو اسکی زندگی ابدی ہے، اس زندگی کے سفر کا ایک مقصد بھی ہونا چاہئے کیونکہ بغیر مقصد اور منزل کے کوئی سفر نہیں کرتا مثلاً ٹرین سے کوئی سفر کر رہا ہے تو وہ بلا مقصد سفر کی زحمت نہیں اٹھا رہا ہے اس نے سفر سے پہلے اپنا مقصد متعین کیا ہے اس کے بعد ٹرین میں بیٹھا ہے، ہم کو بھی اپنی زندگی کا مقصد متعین کرنا ہوگا اصلی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرنا ہوگی، بہت سے لوگ رزق کمانے کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتے ہیں حالانکہ رزق تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے، رزق اللہ تعالیٰ عاقل کو بھی دیتا ہے، بیوقوف کو بھی دیتا ہے، ڈگری والے کو بھی دیتا ہے اور بغیر ڈگری والے کو بھی دیتا ہے، جانور کو بھی دیتا ہے حالانکہ جانور کے پاس نہ کوئی ہنر ہے اور نہ کوئی ڈگری، وہ کون سا

کاروبار کرتا ہے، پھر بھی جانور کا پیٹ بھر جاتا ہے، اگر کسی نے رزق حاصل کرنے کو مقصد بنایا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ یہ زندگی بہت طویل ہے جو دنیاوی بھی ہے اور اخروی بھی ہے کیوں کہ انسان ابدی ہے اور مقصد صرف ۶۰ / یا ۷۰ / سال کا ہے، تو انسان کا یہ مقصد نہیں ہوسکتا اور نہ انسان کو ایسے مقاصد اپنانا چاہئے، دنیا اور دولت کو مقصد حیات بنانے والو! جب اجل آئے گی تو سب پونجی چھن جائے گی کچھ بھی ساتھ نہیں جائے گا۔

نہ مال و دولت نہ دھن جائے گا
ساتھ تیرے فقط ایک کفن جائے گا

موجودہ مادی دور میں زندگی کا مقصد جو ہم نے خود بنالیا ہے وہ دنیا اور دولت ہے جس کو دنیا میں ہی رہ جانا ہے جبکہ انسان کو مرنے کے بعد بہت طویل زندگی گذارنی ہے، عالم برزخ، عالم حشر اور ابدالآباد کی زندگی، زندگی کا مقصد دنیا کمانا نہیں، دولت سمیٹنا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کو راضی رکھنا ہے۔

بعض لوگ عزت اور جاہ وجلال کو مقصود بنالیتے ہیں، پرائم منسٹری، اقتدار اور کرسی کی خواہش ہوتی ہے حالانکہ یہ ایک خیالی دنیا ہے، بہت پست سوچ ہے، آج کرسی مل گئی، لوگوں نے اقتدار کی کرسی پر بٹھا دیا تو جب تک خلق کے درمیان ہے، جاہ وجلال ہے، اگر کرسی چلی گئی اقتدار ختم ہوگیا تو پھر کوئی پوچھتا بھی نہیں، اقتدار کی موجودگی میں زندہ باد اور اقتدار کے چھن جانے پر مردہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں، وہ بھی کیا مقصد ہے کہ آدمی صرف چند دنوں اپنی بلندی کے خواب میں رہتا ہے پھر پستی اور رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے، ان چند دنوں کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جاتا، کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد اقتدار کی

بھوک مٹتی ہے پھر اسی بھوک سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ موت کسی کو نہ چھوڑے گی۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ. وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ. (الرحمٰن:۲۶،۲۷)

ہر کسی کو فنا کے گھاٹ اترنا ہے اور صرف ذات باری تعالیٰ ہی ہے جو باقی رہ جانے والی ہے۔]

بہر حال انسان کا مقصد حیات یہ نہیں ہے کہ روٹی حاصل کرے، دولت حاصل کرے، جاہ وجلال حاصل کرے اور زندگی عیش وعشرت سے گزارے۔

گود سے گور تک:

جس طرح ہماری زندگی طویل ہے اور انسان ابدی ہے تو اسی طرح انسان کا مقصد بھی عظیم اور ابدی ہونا چاہئے تا کہ اس جہاں میں بھی اور آخرت میں بھی کامیابی حاصل ہو، پیدائش سے لے کر موت تک کا ہمیں علم ہے، گود سے لے کر گور تک کا ہمیں علم ہے مگر یہ محدود علم ہے، اگر کوئی صحیح مقصد حیات بتائے گا تو وہ صرف ہمارا رب اور خالق ہی بتائے گا اور وہی ہمارا اصل مقصد ہوگا کیونکہ اول پر بھی اس کا علم، آخر پر بھی اس کا علم، ظاہر پر بھی اس کا علم، اور باطن پر بھی اس کا علم، آنے والی باتوں کا بھی اس کو علم، جو مقصد اللہ تعالیٰ بتائے گا وہی اصل مقصد ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بیکار نہیں بنایا:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ. (المؤمنون: ۱۱۵)

اور مقصد حیات کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّا لِیَعبُدُونِ. (الذاریات: ۵۶)

ہم نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، مال و ولت، جاہ وجلال، بنگلے اور بینک بیلنس کو مقصد حیات نہیں بتایا ہے بلکہ زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کا حکم دیا ہے، لیکن زندگی گذارنے کے لئے اسباب کو توڑنا نہیں بلکہ موڑنا ہے، ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو، اگر مال و دولت ہو تو اس سے بھی دین کمایا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ مال ختم کرنے کو نہیں فرماتا بلکہ اس کا صحیح مصرف بتاتا ہے کہ دولت کہاں خرچ کی جائے اور کس طرح مال کمایا جائے اللہ تعالیٰ نے دولت دی ہے تو اس کو صحیح جگہ خرچ کرنا بھی اسی کے حکم سے ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں سنو! دنیا کے خزانوں کے اصل مالک تو ہم ہی ہیں ﴿وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ (القصص:۵۸) ہاں مال ہے تو اس میں سے خیرات کرو زکوٰۃ دو، صدقہ دو، قریبی رشتہ داروں کا حق ادا کرو اور بے جا خرچ سے پرہیز کرو اور اسراف نہ کرو کیونکہ

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا.
(الاسراء:۲۷)

فضول خرچی کرنے والا شیطان کا بھائی ہے، اگر کوئی کسی سے کہے تو چور کا بھائی ہے، شرابی یا زانی کا بھائی ہے، تو اسے کتنا برا لگے گا لیکن فضول خرچی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ شیطان کا بھائی کہتے ہیں ''الامان والحفیظ''، ہم لوگ کتنی فضول خرچیاں کرتے ہیں، ہمیں اس پر غور کرنے کی سخت ضرورت ہے ہم اسی مال و دولت سے یتیم کی کفالت کر سکتے ہیں، ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے جس نے یتیم کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تو اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے، اللہ تعالیٰ اتنی ہی نیکیاں عطا فرمائے

گا۔(احمد، ترمذی عن ابی امامۃ، جواہر الحدیث ص۱۸۳) اور جو یتیم کی کفالت کرے گا تو پھر اس کے درجات کیا ہوں گے اس کا اندازہ آپ خود لگالیں، اگر مصرف نیک ہو تو یہی دولت پھر نعمت ہے، اس لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانۡتَشِرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ (الجمعه: ۱۰)

اور جہاں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کا ذکر کیا ہے وہاں حلال کمائی والے شخص کا ذکر بھی مجاہدین کے ساتھ فرمایا ہے:

وَاٰخَرُوۡنَ يَضۡرِبُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ يَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ (المزمل: ۲۰)

کچھ لوگ ایسے ہیں جو زمین میں پھرتے ہیں اور رزق تلاش کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ﴿وَاٰخَرُوۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ﴾ (المزمل:۲۰) مجاہدین کا ذکر بھی فرمایا ہے یعنی ایک جماعت ایسی ہے جو راہ خدا میں قتال کرتی ہے۔

دل کی دنیا:

تو معلوم ہوا کہ مال نہ بذات خود اچھا ہے اور نہ برا اچھے برے کا انحصار انسان کے دل پر ہے، اگر دل اچھا ہے مال اچھا ہے، اگر دل برا ہے تو مال بھی برا ہے، انسان کے دل کی مثال ایک کشتی کی سی ہے، جو پانی پر تیرتی ہے اور مال سمندر کی مثل ہے، اگر کشتی اور جہاز کے نیچے پانی ہے تو کشتی چلے گی ورنہ خشکی میں کشتی جہاں ہے وہی رہے گی اور یہی پانی اگر کشتی کے اندر آگیا تو کشتی ڈوب جائے گی، اسی کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

آب اندر زیر کشتی پستی است
آب در کشتی ہلاک کشتی است

اسی طرح اگر مال و دولت کا انبار مؤمن کے دل پر مسلط نہ ہو دل سے باہر ہو تو مال و منال مبارک ہے اور اگر دولت مؤمن کے دل میں آ گئی تو وبال ہے، دولت سے محبت بقدر ضرورت ہونی چاہئے مگر جب ایک طرف اللہ تعالیٰ کا حکم ہو اور دوسری طرف دولت تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دینا ہوگا، بہر حال مال فی نفسہ برا نہیں، اس کو اللہ تعالیٰ کی منشأ اور اس کے احکام کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے۔

غربت کوئی جرم نہیں:

اگر کوئی غریب ہے اس کے پاس مال نہیں ہے تو شریعت نے فرمایا کہ غریبی میں بھی تم اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتے ہو اور اس کی قربت حاصل کر سکتے ہو اور یہ بھی شریعت کا حکم ہے کہ تم غربت میں مایوس نہ ہو کیونکہ حضور ﷺ نے غریبوں سے فرمایا کہ غرباء امیروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے کیونکہ مالدار حساب کتاب میں لگے ہوں گے اور غرباء جنت میں پہنچ جائیں گے۔

صحابہ کرام میں ایسے بھی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کے انبار دیئے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جن کو ایک وقت کی روٹی مل جاتی تھی تو دوسرے وقت کے لئے بچانا اپنے لئے حرام سمجھتے تھے، حضرت ابوذرؓ کو ایک وقت کا کھانا مل جاتا تو دوسرے وقت کے لئے بچانا اپنے لئے حرام سمجھتے تھے اور ایک حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں جن کے دستر خوان پر ہزاروں لوگ کھانا کھاتے ہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اتنے مالدار تھے کہ جب ان کا مال باہر سے آتا تو مال سے لدا ہوا ایک اونٹ مدینہ میں ہوتا اور اس کا آخری اونٹ کئی کلومیٹر دور مدینہ سے باہر ہوتا، ان کی چار بیویاں تھی، وراثت میں بیوی کو مال کا

آٹھواں حصہ ملتا ہے جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا انتقال ہوا تو ہر ایک بیوی کو ۶۳ر لاکھ درہم ملے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا یہ حال تھا کہ جب دسترخوان پر ہزاروں آدمی کھانا کھانے لگتے تو حضرت رونے لگتے اور فرماتے اے اللہ! دنیا میں مجھے جنت کی نعمتیں ملی ہوئی ہیں آخرت میں کیا ہوگا؟ یہ تھی فکرمندی اور دنیا سے بے رغبتی۔

دنیا بھی ایک بہشت ہے اللہ رے کرم
کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا

اللہ تعالیٰ کے فیصلے:

ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں صحابہ کرام حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ میر تو ہم سے ثواب میں آگے نکل گئے کیونکہ وہ زکوٰۃ دیتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں، خیرات کرتے ہیں، یتیموں کی کفالت کرتے ہیں، بیواؤں کی مدد کرتے ہیں، ہمیں بھی کوئی ایسا عمل بتائیے تاکہ ہم بھی ان کے ثواب میں حصہ دار ہوجائیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا ہر نماز کے بعد ۳۳ر بار سبحان اللہ، ۳۳ر بار الحمد للہ اور ۳۴ر بار اللہ اکبر پڑھا کرو، ان کے ساتھ ثواب میں برابر ہوجاؤ گے، جب مالداروں کو معلوم ہوا تو وہ بھی پڑھنے لگے تو غرباء پھر حضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا اللہ کے رسول! آپ کی بتائی ہوئی تسبیحات تو امیر لوگ بھی پڑھنے لگے ہیں اب ہم کیا کریں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جسے چاہے عطا کرتا ہے۔

تو مالداری میں بھی خدا ملتا ہے اور افلاس میں بھی خدا ملتا ہے، اگر کوئی بیمار ہو خواہ وہ غریب ہو یا امیر، اس کو بیماری میں بھی خدا مل سکتا ہے، صحت مند ہو تو بھی خدا کی قربت

حاصل کر سکتا ہے، صحت مند عبادت کرتا ہے، جہاد کے وقت جہاد کرتا ہے، اور بیمار اگر اپنی بیماری پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ مقام عطا کرتا ہے جو بعض اوقات تندرستوں کو بھی نہیں ملتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں سے پوچھے گا اے میرے بندے! میں بیمار تھا تو نے میری بیمار پرسی نہیں کی، میری تیمارداری کے لئے نہیں آیا، بندہ جواب دے گا اے اللہ! آپ کی ذات اقدس بیماری وغیرہ سے پاک ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے فلاں بندہ بیمار تھا اگر تم اسکی تیمارداری کے لئے جاتے تو مجھے وہاں پاتے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہیں پلایا، میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، بندہ کہے گا اے اللہ! آپ کی ذات اقدس تو ایسی چیزوں سے پاک ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے فلاں بندہ پیاسا اور بھوکا تھا اگر تم اس کو پلاتے اور کھلاتے تو مجھے وہاں پاتے، اس سے معلوم ہوا کہ بیمار پرسی کرنے پر قرب خداوندی ملتا ہے تو ذرا سوچو خود بیمار کو خدا کا کتنا قرب نصیب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی رضا ہر چیز پر مقدم:

بیمار جب صابر ہو، شاکر ہو، صالح ہو اور خدا کو راضی رکھنے والا ہو تو اسے اللہ کی رضا حاصل رہتی ہے، حضرت عمران بن حصینؓ بتیس سال تک بستر پر پڑے رہے اور ایسی بیماری تھی کہ بتیس سال تک کروٹ پر لیٹنا نصیب نہ ہوا لیکن ان کا چہرہ پھر بھی ہشاش بشاش تھا، تندرستی اور صحت یابی سے زیادہ خوش تھے، کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے خوش کیوں رہتے ہیں (حالانکہ آپ تو شدید بیمار ہیں) فرمایا کہ اتنے عرصہ سے میں بستر پر پڑا ہوں

بیماری اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اس پر صبر کرتا ہوں تو اس کے عوض فرشتے ہر روز میری ملاقات کو آتے ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر:

حضرت ایوب علیہ السلام اٹھارہ سال تک بیمار رہے، ان کی اولاد سب انتقال کر گئی، مال بھی ختم ہو گیا، مکان بھی گر گیا، اٹھارہ سال بعد جب اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمادی، مال دیا اور دو گنا کر کے دیا، کسی نے ان سے پوچھا کیا حال ہے؟ بیماری کے دن کیسے تھے؟ تو جواب دیا آج کے دن سے بیماری کے دن اچھے تھے پوچھا وہ کیسے؟ جواب دیا کہ بیماری میں جب سب مجھ سے کٹ گئے مخلوق سے ناطہ توڑ لیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ جوڑ لیا، اس حالت میں روزانہ اللہ تعالیٰ پوچھتے ایوب کیا حال ہے؟ تو اس میں جو لذت ملتی تھی وہ اب اس حال میں نہیں ہے۔

ہم شاد ہیں کہ ہیں تو کسی کی نگاہ میں

رحمتِ حق کی بھر پور توجہ:

حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جو ایک رات بخار پر صبر کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ایک سال کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی پیٹ بھر کر کھاتا ہے تو اس میں بھی خدا ملتا ہے، فرمایا جب کوئی بسم اللہ پڑھ کر کے کھانے کا آغاز کرتا ہے اور الحمدللہ پر ختم کرتا ہے تو ''غفر لہ ما تقدم من ذنبہ'' اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔ (مشکوۃ ص ۳۶۹، ملفوظات فقیہ الامت ج ۲ ص ۵۸) اگر بھوکا ہے تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ کو پاسکتا ہے، روزہ دار تمام دن بھوکا ہوتا ہے اور افطار کے وقت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ جو بھی مانگے گا میں اس کو عطا کروں گا، حدیث قدسی ہے:

الصوم لی وانا اجزی به

[روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا۔]

بندگی مقصود ہے دنیوی گندگی نہیں:

تو معلوم ہوا کہ دنیا کی چیزیں عارضی ہیں اور اصل مقصود عبادت ہے، عبادت بھی مقصود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا مقصود ہے، اگر کوئی شخص طلوع، زوال اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھے گا تو ثواب کے بجائے الٹا عذاب کا باعث بنے گا کیونکہ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اگر کوئی عید الفطر (یکم شوال کو) یا عید الاضحیٰ کے چار دنوں میں (۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذیقعدہ) روزہ رکھتا ہے تو عذاب کا باعث بنتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، اگر کوئی شخص اس لئے کھانا کھائے کہ اس سے جو قوت پیدا ہوتی ہے اس سے عبادت کروں گا، تلاوت کروں گا، ذکر کروں گا تو یہ کھانا پینا بھی عبادت ہوگا، اگر کوئی عیاشی کے لئے کماتا ہے تو یہ کمانا قیامت کے دن وبال جان ہوگا، اگر کوئی شخص اس وجہ سے کماتا ہے کہ ماں باپ کی خدمت کروں گا، بیوی بچوں کے حقوق ادا کروں گا تو اس کا یہ کمانا بھی عبادت ہوگا، اس لئے فرمایا کہ بعض گناہوں کا کفارہ نہ نماز ہوتی ہے، نہ روزہ ہوتا ہے، نہ صدقہ ہوتا ہے ان کا کفارہ صرف حقوق کی ادائیگی ہوتا ہے اور حلال کمائی حاصل کرنے میں نکلا ہوا پسینہ ہوتا ہے، تاجر نے اگر دیانتداری کے ساتھ تجارت کی تو اس کا حشر قیامت کے دن شہداء اور صدیقین کے ساتھ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ان کے احکامات کی پابندی کرنا ہے،انبیاء سب سے پہلے احکام کی تعمیل کرنے والے تھے،انہوں نے امت کو احکام سکھائے،حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں،ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ میں نے خانہ کعبہ میں ایک کشادہ اور نورانی چہرے والے شخص کو طواف کرتے دیکھا،جبرئیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب دیا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام۔

نماز کی تمنا:

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ نے فرمایا قیامت کے دن اگر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو میں کہوں گا اے اللہ! دو گز جگہ اپنے عرش کے سایہ کے نیچے عنایت فرمادیں تاکہ نماز پڑھتا رہوں،دنیا میں اللہ تعالیٰ کے اوامر واحکام پر عمل کرنا چاہئے خواہ دل چاہے یا نہ چاہے،صبح اٹھنے کو جی چاہے یا نہ چاہے مگر نماز پڑھو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے اوامر واحکامات کو پورا کرنا جس شخص نے اپنا مقصد بنالیا وہی کامیاب ہے کیوں کہ یہ ایک عظیم مقصد ہے،اس مقصد کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہماری قبر کو خوبصورت بنائے گا،ذریعۂ آسائش بنائے گا،اور دنیا کے انسانوں اور جنات کی تخلیق کا مقصد ہی یہی ہے کہ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ.﴾ (الذاریات:۵٦) اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے،آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

﴿۱۰﴾

مکمل اسلام اپنانے کی دعوت

حضور ﷺ کے زمانے میں مسجد کیا تھی، مسجد عبادت گاہ بھی تھی اور مسجد کورٹ (عدالت) بھی تھی اس لئے کہ اس وقت جو فیصلے ہوتے تھے وہ مسجد میں ہوتے تھے اور اگر کسی کا تعاون اور مدد کرنا ہو تو مسجد میں صحابہ جمع ہو جاتے، آپس میں مشورہ کرتے تھے کہ فلاں کے ساتھ تعاون کرنا ہے، عوامی خدمت کا اہتمام بھی مسجد سے ہوا کرتا تھا، سارے حکم مسجد سے جاری ہوتے تھے، اسکی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے صرف یہ بتانا ہے کہ اس وقت وہ لوگ جو اسلام سے نفرت کرتے تھے صحابہ کرام کے اخلاق و عادات، تقویٰ و طہارت، پاکیزگی و سلامت روی دیکھ کر متاثر ہوتے تھے اور ان کی نفرت محبت میں بدل جاتی تھی اور اسلام ان کے دل میں گھر کر جاتا تھا اور وہ مشرف بہ اسلام ہو جاتے تھے۔

﴿۱۰﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مکمل اسلام اپنانے کی دعوت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیْعَنَاوَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَھْلِ الْکِتٰبِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْءً ا یُّجْزَ بِہٖ وَلَا یَجِدْ لَہٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْراً. (النساء: ۱۲۳)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک لمن الشاہدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

بزرگانِ محترم! اللہ تعالیٰ کا کرم اور احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رمضان المبارک کا مہینہ عطا فرمایا ہے، جو آیت کریمہ آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہے اس میں اللہ تعالیٰ شانہ ایمان والوں کو ایک اہم بات کی طرف دعوتِ فکر دیتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دولت اسلام عطا فرمائی ہے حقیقی معنیٰ میں اس دولت اسلام سے ہم اسی وقت پورا پورا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جب ہماری زندگیاں اسلام کے مطابق ہوں محض تمنا کرنا

یا محض آرزو کرنا یا محض دعویٰ کرنا کام نہیں آئے گا جب تک ہماری زندگی عملی نہ بنے گی۔

اقبال کا شعر ہے____:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

دعویٰ نہیں، عمل کام آئے گا:

رسول اکرم ﷺ نے جب یہ آیت کریمہ صحابہ کرام کو سنائی تو صحابہ چونک گئے، صحابہ فکر میں پڑ گئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے کہ تمہاری امیدیں، تمنائیں کوئی چیز نہیں ہیں، یہ کام نہیں آئیں گی۔ ﴿مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ﴾ [جو آدمی برے عمل کرے گا اس کو اسکی سزا ملے گی] یہ اللہ تعالیٰ کا صاف اور صریح ارشاد ہے اس میں کسی طرح کی موشگافی اور تاویل نہیں کی جاسکتی اور ﴿وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا۔﴾ (النساء:۱۲۳) [قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مددگار نہیں پائے گا] آج اگر ہم سب اپنی اپنی زندگی پر غور کریں تو ہر شخص یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ میری زندگی میں اسلام کتنا ہے، میں کس قدر اسلام پر کاربند ہوں، آج دنیا میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں، سب کی یہ خواہش ہے، یہ آرزو ہے، یہ تمنا ہے کہ دنیا میں اسلامی احکام نافذ ہوجائیں، لیکن ہمیں اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ سب سے پہلے ہم اپنے پانچ فٹ کے جسم پر اسلام نافذ کر کے دکھائیں، سب سے پہلے ابتداء تو اپنی ذات سے ہونی چاہئے، اپنے گھر سے ہونی چاہئے، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ صرف یہ باتیں اور دعوے کام نہیں آئیں گے، اصل عملی زندگی ہے۔

اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ:

صحابہ کرام کے سامنے جب دینِ اسلام آیا انہوں نے کلمہ پڑھ لیا، اسلام قبول کرلیا اسلام میں داخل ہوئے تو پورے پورے داخل ہوئے اور پھر ایسے جم گئے کہ ان پر ظلم وستم کے بڑے بڑے پہاڑ توڑے گئے، لیکن ان کے قدم ڈگمگائے نہیں، بڑے بڑے مصائب اور تکالیف سے دو چار کئے گئے، لالچ دی گئی لیکن وہ کسی چیز سے گھبرائے نہیں، اپنے دین پر جمے رہے، قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلاَ تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ. (البقرہ: ۲۰۸)

[اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ، اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔]

آج ہم مسلمانوں میں اسلام کے صرف چند احکام نظر آتے ہیں کسی نے ٹوٹے پھوٹے روزے رکھ لئے اور اسے مکمل اسلام سمجھا، کسی نے پنج وقتہ نماز ادا کی تو سمجھا کہ یہ مکمل اسلام ہے اور کسی نے حج کے دنوں میں حج ادا کیا تو سمجھتا ہے کہ میں نے مکمل اسلام پر عمل کرلیا، حالانکہ یہ تو چند عبادتیں ہیں، مکمل اسلام نہیں ہے، مکمل اسلام تو یہ ہے کہ کتاب و سنت کے ہر حکم کو اپنی زندگی میں نافذ کیا جائے، ہم نے کلمہ طیبہ پڑھا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کرتا ہوں کہ اب زندگی میری نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی ہے کلمہ پڑھ لینا یہ گویا عہد ہے، یہاں ایک بات عرض کردوں حدیث شریف میں ہے کہ

من قال لَآاِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ دخل الجنة.

[جوآدمی لا الٰہ الا اللہ کہہ دے جنت میں داخل ہوجائے گا]

بہت سے لوگ اس کا غلط مطلب نکالتے ہیں کہ جب ہم نے کلمہ پڑھ لیا ہے تو اب سیدھے جنت میں جائیں گے،لہذا نہ نماز کی ضرورت ہے، نہ زکوٰۃ کی ضرورت ہے،اور نہ روزے کی ضرورت ہے،نہ حج کی ضرورت ہے اور نہ کسی کار خیر کی ضرورت ہے، بیشک حدیث میں یہی آیا ہے لیکن صرف " لَآاِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ" کہہ دینا کافی نہیں جب تک اس کے تقاضے پر عمل نہ کریں۔

جیسا کہ نکاح کے وقت ایک شخص یہ کہتا ہے کہ "قبلتها" یا میں نے قبول کیا،اب جب میاں بیوی کی اکھٹی زندگی شروع ہوئی تو میاں بیوی کے لئے کپڑوں کا بندو بست بھی کرے گا،کھانے پینے کا انتظام بھی کرے گا اوراسی طرح جو دیگر ضروریات ہیں وہ میاں کو پوری کرنی ہی پڑیں گی،اب ایک بیوقوف یہ کہتا ہے کہ میں نے تو نکاح کے وقت صرف یہ کہا تھا کہ میں نے قبول کیا،میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اس کے کھانے پینے وغیرہ کا بندوبست بھی میں کروں گا،تو پہلے تو ایسا بیوقوف ملے گا ہی نہیں،اگر کوئی کہہ بھی دے تو اسے بتا دیا جائے گا کہ ان الفاظ "میں نے قبول کیا" میں سب کچھ آ گیا مکان بھی آ گیا،کپڑے بھی آ گئے اور کھانا پینا وغیرہ بھی آ گیا۔

کلمۂ طیبہ دین اسلام کا مکمل عنوان:

اسی طرح جب " لَآاِلٰـهَ اِلَّااللّٰهُ" کہہ دیا تو اس میں سب تقاضے آ گئے،نماز بھی آ گئی،روزہ بھی آ گیا،حج بھی آ گیا،زکوٰۃ بھی آ گئی،زندگی،معاشرت،معاملات سب کچھ

اس میں آ گیا کہ اب یہ زندگی میری نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام و فرامین کی زندگی ہے، اللہ اور اس کے رسول کے احکام والی زندگی ہے، کتاب وسنت کی روشنی والی زندگی ہے، نفس اور من مانی والی زندگی ”لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ“ پڑھنے کے بعد ختم ہوجاتی ہے، اور نئی زندگی کا آغاز ہوجاتا ہے، اب میری زندگی میری موت یہ سب کچھ رب العالمین کے لئے ہے۔

اِنَّ صَلاَتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

(الانعام:١٦٢)

جب ”لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ“ کہہ دیا تو اب اپنی خواہشات ختم ہے اب سب کچھ رب العالمین کے لئے ہے۔

صحابۂ کرام نے جب یہ کلمہ پڑھا تو اس پر ایسے جمے کہ مٹھی بھر صحابہ بے سرو سامانی کی حالت میں جن کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا گیا تھا لیکن اسلام پر ایسے جمے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ومدد سے دس سال کی قلیل ترین مدت کے اندر صرف عرب میں نہیں بلکہ مشرق ومغرب میں اسلام پھیل گیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی عطا فرمائی، اتنے قلیل عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے اتنا زبردست انقلاب دنیا میں پیدا کردیا تو اس انقلاب کی وجہ کیا تھی، وجہ یہ تھی کہ صحابۂ کرام کی زندگی کے اندر اسلام تھا، آج ہمارے ہاں اسلام صرف کتابوں تک رہ گیا ہے، ہماری زندگیوں میں نہیں، اگر حقیقی طور پر ہماری زندگی میں اسلام آجائے تو بہت سے لوگ ہمیں دیکھ کر اسلام قبول کرلیں، جب مسلمانوں کی زندگی میں اسلام تھا تو مسلمانوں کی چال ڈھال، اخلاق وعادات کو دیکھ کر بڑے بڑے سرکش کافر مسلمان ہوجاتے تھے۔

مسجد کی مرکزیت:

حضور ﷺ کے زمانے میں مسجد کیا تھی، مسجد عبادت گاہ بھی تھی اور مسجد کورٹ (عدالت) بھی تھی اس لئے کہ اس وقت جو فیصلے ہوتے تھے وہ مسجد میں ہوتے تھے اور اگر کسی کا تعاون اور مدد کرنا ہوتو مسجد میں صحابہ جمع ہو جاتے، آپس میں مشورہ کرتے تھے کہ فلاں کے ساتھ تعاون کرنا ہے، عوامی خدمت کا اہتمام بھی مسجد سے ہوا کرتا تھا، سارے حکم مسجد سے جاری ہوتے تھے، اسکی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے صرف یہ بتانا ہے کہ اس وقت وہ لوگ جو اسلام سے نفرت کرتے تھے صحابہ کرام کے اخلاق و عادات، تقویٰ و طہارت، پاکیزگی وسلامت روی دیکھ کر متاثر ہوتے تھے اور ان کی نفرت محبت میں بدل جاتی تھی اور اسلام ان کے دل میں گھر کر جاتا تھا اور وہ مشرف بہ اسلام ہو جاتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر نجد کی طرف روانہ کیا، اس لشکر کے لوگ قبیلہ بنو حنفیہ کے ایک شخص کو پکڑ کر لائے جن کا نام ثمامہ بن اثال تھا جو شہر یمامہ کے سردار تھے، مسلمان انہیں کسی دیہات سے گرفتار کر کے لائے تھے، جب یہ قیدی بن کر آئے تو لوگوں نے ان کو مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا ثمامہ کیا حال ہے؟ انہوں نے ایک جملہ کہا اگر آپ مجھ پر احسان کریں، مجھے آزاد کردیں تو ایسے شخص پر احسان کریں گے جو احسان فراموش نہیں ہوگا۔ اور اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا خاندان بہت بڑا ہے وہ ضرور بدلہ لیں گے۔ آپ نے کچھ نہیں فرمایا اور تشریف لے گئے۔ دوسرے دن آپ پھر ان کے پاس گئے اور پوچھا کیا حال ہے؟ انہوں نے پھر

وہی بات دہرائی، آپ نے کچھ نہیں فرمایا اور تشریف لے گئے۔ تیسرے دن پھر آپ ان کے پاس گئے اور پوچھا کیا حال ہے؟ انہوں نے پھر وہی جواب دیا تو حضور ﷺ نے ان کی بیڑیاں کھول دیں اور فرمایا تم آزاد ہو، جہاں دل چاہے جاسکتے ہو۔ قریب میں تالاب تھا وہ وہاں گئے غسل کیا کپڑے بدلے اور آپ ا کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں آزاد کردیا تھا واپس کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ بیشک آپ نے مجھے آزاد تو کردیا ہے، میرے پیروں سے بیڑیاں کھول دی ہیں لیکن اب تو میں آپ کے اخلاق کی قید میں آگیا ہوں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگئے۔ اور مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے کہا کہ اسلام لانے سے پہلے مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور مبغوض چہرہ آپ کا تھا لیکن اسلام لانے کے بعد مجھے سب سے زیادہ محبوب چہرہ آپ ﷺ کا ہی نظر آتا ہے۔
(سراج القاری شرح بخاری جلد۳ ص۲۷)

تو میں کہہ رہا تھا کہ مسلمانوں کی سلامت روی بذات خود اسلام کی دعوت ہے، چنانچہ دشمنان اسلام جب مسلمانوں میں اس قدر اعلیٰ اخلاق کا مشاہدہ کرتے تو وہ اسلام لانے پر خود بخود مجبور ہوجاتے اور مشرف بہ اسلام ہوجاتے۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو دین دیا ہے وہ کسی رسم ورواج کا نام نہیں ہے اور دنیا کی ڈیوٹی کی طرح آٹھ یا بارہ گھنٹے اس پر عمل کرنے سے اس کے تقاضے پورے نہیں ہوجاتے بلکہ ہماری ہر ساعت اور ہر سوچ فکر اسلام کے سانچے میں ہونی چاہئے، اسلام کے مطابق ہونی چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر

عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

۱۱

معراج نبوی

تفصیلی واقعہ، روئیدادِ سفر، ایک علمی اور تحقیقی تقریر

﴿ ۱۱ ﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

معراج نبوی؛ تفصیلی واقعہ، روئیدادِ سفر، ایک علمی اور تحقیقی تقریر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ.

(الاسراء:۱)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

سَلَامٌ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ وَ سَیِّدِیْ
حَبِیْبِ اِلٰہِ الْعَالَمِیْنَ مُحَمَّدِ
بَشِیْرٍ نَذِیْرٍ ھَاشِمِیٍّ مُّکَرَّمٍ
عَطُوْفٍ رَؤُوْفٍ مَّنْ یُّسَمّٰی بِاَحْمَدِ

معراج پر پہنچے نبی ظاہر ہوئے راز خفی
بولے ملائک سب یہی بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ
رضوان نے دی بڑھ کر صدا کیا نور ہے صل علی
شمس و قمر ان پر فدا کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حوریں کھڑی تھیں صف بصف تھے جام کوثر کف بکف
بولیں سبھی زہے عزوشرف حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
حق نے کہا اے بندگاں میرا ہے پیارا مہماں
یہ ہے صاحب کون و مکاں صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

معراج روحانی یا جسمانی:

بزرگان محترم،عزیزان مکرم اور معزز خواتین! آج ہم اس محفل میں ہمارے اور آپ کے آقا سید الاولین والآخرین محبوب رب العالمین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ جس سے میری مراد واقعۂ معراج ہے اس کو سننے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

معجزات کی تعداد تو بہت زیادہ ہے، معجزات کی نوعیت بھی جداگانہ ہے۔ مثلاً انگلیوں سے پانی کا ابلنا، دست مبارک لگنے سے بکری کے تھنوں میں دودھ اتر آنا، لعاب دہن سے شفایاب ہونا، لیکن معراج اپنی نوعیت کا جداگانہ معجزہ ہے، یہ واقعہ ہجرت مبارکہ سے پہلے اور آپ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے انتقال کے بعد پیش آیا تھا۔
(سیرۃ النبی:۳/۲۲۰، ۲۲۱)

قرآن مجید کا عظیم الشان معجزہ تو قیامت تک اپنے اعجاز کا سکہ دلوں میں بٹھاتا رہے گا اور اس کے معجزانہ زاویے سامنے آتے رہیں گے، معجزۂ شق القمر کو بھی قرآن مجید یاد

دلاتا رہے گا، یہ تیسرا معجزہ معراج بھی ایمان ویقین کی دنیا میں ہمیشہ روحانیت کو تازہ کرتا رہے گا، یہ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو دنیا میں بھیجا اور ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کے معجزات عطا فرمائے،لیکن یہ معراج کا معجزہ نہ تو بڑے سے بڑے فرشتے کو ملا اور نہ کسی اور نبی مکرم کو۔ یہ معجزہ صرف حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور یہ بڑا عجیب معجزہ ہے، حدیث کی کتابوں میں اور قرآن کریم میں بھی اسکی تفصیلات مذکور ہیں۔

قرآن کریم نے اس کو دو مقامات پر ذکر کیا ہے ایک تو پندرہویں پارے کے شروع میں سورۂ اسراء کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ (الاسراء: ۱)

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نجم میں اس کو ذکر فرمایا ہے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ معراج جسمانی نہیں تھی بلکہ روحانی تھی، تو یہ بات یاد رکھیں کہ روحانی معراج تو رسول اللہ ﷺ کو بہت مرتبہ ہوئی تھی، محدثین بیان فرماتے ہیں کہ بیسیوں دفعہ آپ ﷺ کو روحانی معراج ہوئی تھی۔

معراج روحانی بھی اور جسمانی بھی:

لیکن آج ہم جس معراج کا ذکر کر رہے ہیں یہ معراج جسمانی تھی آپ کو روح اقدس اور جسم اطہر کے ساتھ یہ معراج ہوئی ہے اور اس بات کے بہت سارے دلائل ہیں۔ میں مختصر طور پر چند دلائل ذکر کروں گا، پہلے میں معراج کا واقعہ ذکر کرتا ہوں۔

کلام پاک میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ﴾ [پاک ہے

وہ ذات] معراج کا واقعہ جسمانی ہوا، کہنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی قدرت والی ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیان واقعہ کی ابتداء ﴿سُبۡحٰنَ﴾ کے لفظ سے کی۔ جسکا معنیٰ ہے [پاک ہے وہ ذات] ﴿اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ﴾ [جو اپنے بندے کو لے گیا] ﴿اَسۡرٰی﴾ کے معنیٰ رات کو چلنا۔

روح اور جسم دونوں کا مجموعہ عبد ہے:

عبد کے معنیٰ ہیں بندہ اور غلام؛ تو عبد جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو ''عبد'' کے لفظ سے یاد فرمایا اور اگر حضور ﷺ کی یہ معراج صرف روحانی ہوتی تو ''عبد'' نہ کہتے اور اس کا ثبوت کیا ہے وہ یہ کہ عبد روح اور جسم دونوں کے مجموعہ کا نام ہے، اب آپ اس پر کچھ دلیلیں سنتے چلیں، قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ فرعون نے بڑا ظلم ڈھا رکھا ہے لہذا تم بنی اسرائیل کو راتوں رات یہاں سے لے کر چلے جاؤ اور مصر چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَقَدۡ اَوۡحَیۡنَا اِلٰی مُوۡسٰی اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡ (طٰہٰ: ۷۷)

یہاں ''بِعِبَادِی'' کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے، موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی روح کو لے کر چلے یا جسم کو لے کر چلے؟ دونوں کے مجموعہ ''عباد'' کو لے کر چلے، تو یہاں قرآن کریم نے خود گواہی دے دی ہے کہ عبد روح اور جسم دونوں کے مجموعہ کا نام ہے، تو روحانی معراج تو بیسیوں مرتبہ ہوئی ہے اور اگر میں روحانی معراجوں کا تذکرہ کروں تو پوری رات گذر جائیگی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے سورۂ بنی اسرائیل میں معراج کے واقعے کو بیان کیا ہے، اس سے معراج کا جسمانی ہونا خود بخود واضح ہوتا ہے، ابتدائے سفر سے لے کر انتہائے سفر تک ایک ہی جیسی حالت تھی، ایسا نہیں ہوسکتا کہ کچھ عرصہ حالت بیداری میں ہو اور کچھ عرصہ خواب میں ہو، دوسری بات یہ ہے کہ اس قرآنی آیت میں جسمانی معراج کا ثبوت اس سے بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ ﴿سُبۡحٰنَ﴾ کہا جو تعجب اور اظہار قدرت کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ لفظ استعمال فرمایا یعنی یہ واقعہ تعجب انگیز بھی ہے اور غور وفکر کے قابل بھی، اس میں بہت سے نکات بیان کئے گئے ہیں، دیکھو لفظ ﴿سُبۡحٰنَ﴾ کا استعمال اسی صورت میں ہوتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہوتا ہے اور یہاں اس کا استعمال اسی صورت میں صحیح ہوگا جب معراج جسمانی تسلیم کرلی جائے ورنہ خواب کیسا ہی حیرتناک کیوں نہ ہو اس سے حیرت واستعجاب میں اضافہ نہیں ہوتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اور ﴿بِعَبۡدِهٖ﴾ کا لفظ خود دونوں کے اوپر دلالت کرتا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ "اسری بروحہ" فرماتے۔ جیسا کہ آپ کو ایک مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنائی، اسی طرح یہ لفظ قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر آیا ہے۔

مقام عبدیت:

مثال کے طور پر "سورۂ علق" میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا: ﴿عَبۡدًا اِذَا صَلّٰى﴾ یعنی ﴿عَبۡدًا﴾ کا لفظ استعمال کیا۔ تو قرآن کریم نے جہاں بھی "عبد" کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں جسم اور روح دونوں کا مجموعہ ہی مراد

ہے، پھر یہاں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لئے بہت سے معزز اور بڑے بڑے القاب میں سے "عبــــدہ" کا لفظ ہی کیوں استعمال فرمایا گیا؟ اس لئے کہ معراج ایک عظیم الشان اور انوکھا معجزہ ہے کہ کسی اور نبی کو اللہ تعالیٰ نے نصیب نہیں فرمایا، تو اس عظیم واقعہ سے کہیں کوئی نبی کریم ﷺ پر الوہیت کا شبہ نہ کرے اس لئے "عبدٌ" کا لفظ بیان فرمایا اور عبدیت کا مقام بہت اونچا ہے۔

حسن دہلوی فرماتے ہیں اے رب! ہم تجھے "یارب یارب" پکارتے ہیں کبھی تو بھی "یاعبدی" اے میرے بندے کہہ دے۔ حسن دہلوی فرماتے ہیں ؎

بندہ حسن بصد زباں گفتہ کہ تو بندہ ام
تو بزبان خود بگو بندہ نواز کیستی

تو عبدیت کا مقام بہت اونچا ہے۔ دیکھو کلمہ کے اندر بھی یہی بات ہے۔

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اس کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے عبدیت کا مقام بتایا، بہرحال یہ اسکی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی تھی، روحانی معراج تو حضور ﷺ کو کئی مرتبہ ہوئی تھی، لیکن جسمانی معراج صرف ایک بار ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس معراج کی بہت اہمیت ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے کسی موقعہ پر امام رازیؒ کا قول اپنے والد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوالقاسم انصاری کو یہ کہتے سنا ہے کہ شب معراج میں حق تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ آپ کا سب سے زیادہ پسندیدہ

لقب اور محبوب صفت کون سی ہے،آپ ﷺ نے فرمایا ''صفت عبدیت'' یہی بندہ ہونا مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے،اس لئے جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو اسی پسند کردہ لقب سے اللہ تعالیٰ نے واقعۂ معراج کی ابتداء فرمائی۔

ام ہانی کا مکان:

ایک دفعہ حج کے موقعہ پر میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ معراج کہاں سے ہوئی تھی کچھ نے کہا کہ ام ہانیؓ کے مکان سے ہوئی تھی، میں نے پوچھا کہ ام ہانی کا مکان کہاں ہے معلوم ہے؟ ان کو معلوم نہیں تھا میں ان کو حرم مکہ میں باب عبدالعزیز لے گیا اور وہاں جو لائبریری بنی ہوئی ہے اس کے پاس لے جا کر کہا کہ یہ ام ہانیؓ کا مکان ہے، رسول ﷺ یہاں سوئے تھے یہیں سے اٹھ کر حطیم تشریف لے گئے، فرماتے ہیں کہ

بین النوم و الیقظة.

(سیرۃ النبی:۳/۲۲۵)

یعنی کہ نیند اور بیداری کی حالت تھی میری، حضرت جبرئیلؑ آئے اور چھت پر سے آئے اپنی عادت کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی عجیب واقعہ ہے، حضور ﷺ کے پیر دبائے تاکہ بیدار ہو جائیں، آپ بیدار ہو گئے۔

آب زم زم آب کوثر سے افضل ہے:

آپ ﷺ کے سینہ اقدس کو چیرا گیا اور قلب اطہر کو نکال کر اس کو زم زم سے دھویا گیا، اور جنت سے جو ایک طشت لائے تھے وہ علم وحکمت سے بھرا ہوا تھا اس کو قلب اطہر

میں رکھ دیا گیا، محدثین فرماتے ہیں کہ آب زم زم حوض کوثر سے بہتر ہے۔
(سیرۃ النبی ج۳ص۲۲۳)

اس لئے کہ اگر حوض کوثر کا پانی آپ زم زم سے بڑھ کر ہوتا تو جیسے اللہ تعالیٰ نے طشت جنت سے بھیجا اسی طرح پانی بھی جنت سے بھیجتے۔ تو زم زم سے اس کو دھویا گیا، تو اس میں حکمت کیا ہے؟ تو آج کل کی سائنسی دنیا بھی اس پانی کا کیمیائی تجزیہ کرنے کے بعد اسکی فضیلت کا اقرار کرتی ہے اور اس میں صحت مندانہ اجزاء کا اعتراف کرتی ہے، بہر حال قلب مبارک نکال کر اس کو دھویا گیا کیوں دھویا؟ اس میں بے شمار حکمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں، آپ میں سے جب کوئی لمبے سفر پر جاتا ہے، تو انجکشن لگایا جاتا ہے، سعودی کے لئے تو اس کے بغیر ویزہ بھی ملتا نہیں، یہ کیوں اس لئے کہ وہاں کی آب و ہوا صحت کو متأثر نہ کرے، سینہ مبارک چاک کیا گیا، قلب مبارک نکال کر آب زم زم سے دھویا گیا، پھر اسی جگہ لگا دیا گیا۔

سفر معراج:

پھر آپ براق پر سوار ہو گئے، برق کے معنیٰ ہیں بجلی، وہ بجلی ہی کی طرح چمکدار سفید سواری تھی، براق ایک بہشتی جانور کا نام ہے جو خچر سے چھوٹا حمار سے کچھ بڑا تھا۔ (سیرۃ النبی ج۳ص۲۲۵)، اسکی رفتار کا یہ عالم تھا کہ اس کا ایک قدم منتہائے نظر پر پڑتا تھا آپ براق پر سوار ہوئے تو وہ کچھ شوخی کرنے لگا، حضرت جبرئیلؑ نے براق سے کہا کہ اے براق! تجھ پر آج تک حضور سے زیادہ مکرم، محترم اور معظم کوئی سوار نہیں ہوا تو براق شرم کے مارے پسینہ پسینہ ہو گیا، حضرت میکائیلؑ بھی ساتھ تھے چنانچہ سواری اپنی منزل کی طرف

روانہ ہوگئی، مختلف مقامات پر سے گزری، مدینہ کے درخت دکھائے گئے اور بتایا گیا کہ آپ کی جائے ہجرت یہ ہوگی، طور پر لے جایا گیا، حضرت جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام فرمایا تھا، پھر آگے چلے بیت اللحم پہنچے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی، یہاں آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی، یہاں سے آپ کو بیت المقدس لے گئے اور اس براق کو بیت المقدس کے باہر ایک پتھر سے باندھ دیا گیا، یہ وہی پتھر تھا جس کے ساتھ انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے، پھر حضور ﷺ مسجد کے اندر تشریف لے گئے۔

انبیاء کی امامت:

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کی ارواح کو مثالی جسم میں وہاں بھیج دیا، حضرات انبیاء سب جمع ہو گئے، حضرت جبرئیلؑ نے اذان دی، اب بڑے بڑے انبیاء کرام ہیں امامت کون کرے؟ نماز کون پڑھائے؟ اگر کسی جگہ بہت سارے مساجد کے ائمہ اور مقتدی جمع ہو جائیں تو ہر ایک یہی چاہے گا کہ ہمارے امام کو موقعہ ملے اور وہی نماز پڑھائیں لیکن مالک مکان کو یہ اختیار ہے کہ وہ جس کو چاہے آگے کر دے۔ حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا گیا کہ نماز کون پڑھائے یہاں بڑے بڑے انبیاء ہیں ابوالبشر آدمؑ ہیں آدم ثانی حضرت نوحؑ بھی ہیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ بھی ہیں، حضرت موسیٰ کلیم اللہ بھی ہیں، حضرت عیسیٰ روح اللہ بھی ہیں، امام کون بنے؟ حضرت جبرئیلؑ نے کہا: ٹھہریئے میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ لوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے جبرئیل! جس کا روحانی وزن سب سے زیادہ ہو اس کو امام بنادو، چنانچہ جبرئیلؑ نے آپ کو امامت کے لئے آگے کر دیا۔

تو آپ کو امام الانبیاء بنا دیا، نماز ختم ہوئی اس کے بعد آسمانوں کے سفر کے لئے ایک لفٹ لگائی گئی اور حضور ﷺ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی، یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو آسمانوں پر لے جانے سے پہلے بیت المقدس کیوں لے جایا گیا؟

میرے استاذ حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بیت المقدس یہ زمین کا سب سے اونچا حصہ ہے تو گویا یہ آسمانوں پر جانے کے لئے زمینی ایئر پورٹ ہے، عیسیٰ علیہ السلام بھی شام ہی میں اتریں گے اور وہاں بیت المقدس کیوں لے گئے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا مقصد خود ذکر کر دیا:

مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا

ہم نے اس کے ارد گرد بہت سی برکتیں رکھی ہیں تا کہ ہم اپنی کچھ نشانیاں آپ کو دکھائیں، یہاں بکثرت انبیاء علیہم السلام تشریف لائے اور یہی مقام مرکز تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عرش سے لے کر نیل و فرات تک میرا خاص حصہ ہے، اس میں میں اپنے خاص بندوں کو بھیجوں گا اور یہ علاقہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا مسکن اور مدفن رہا ہے یہ مدفنِ انبیاء ہے، زیادہ تر انبیاء یہیں پر بھیجے گئے، بیت المقدس کی تعمیر حضرت داوٗد علیہم السلام نے شروع کی اور اسکی تکمیل حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! سب سے پہلی مسجد اللہ تعالیٰ نے کون سی بنائی، تو حضور ﷺ نے فرمایا سب سے پہلی مسجد اللہ تعالیٰ نے مسجد الحرام بنائی زمین و آسمان ہر چیز سے دو ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ

نے بیت اللہ بنایا اور اسکی بنیاد ساتوں زمین کے نیچے ہے، پھر پوچھا اس کے بعد کونسی مسجد بنائی تو جواب دیا کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس بنایا، پھر پوچھا کہ ان دونوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ جواب دیا کہ چالیس سال کا فاصلہ ہے۔ (بخاری شریف)
حضرت سلیمان علیہ السلام نے بڑی شاندار مسجد بنائی، حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت قوت عطا فرمائی تھی، سب سے بڑی سلطنت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی، کہتے ہیں کہ چار بادشاہ گذرے ہیں دو کافر اور دو مسلمان جن کو اللہ تعالیٰ نے بے مثال حکومت عطا فرمائی تھی، کافر بادشاہ ایک بخت نصر اور دوسرا نمرود اور دو مسلمان بادشاہ ایک حضرت سلیمان علیہ السلام اور دوسرے ذوالقرنین۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا:

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بڑی شاندار حکومت عطا فرمائی تھی اور یہ عظیم الشان حکومت حضرت سلیمانؑ نے اللہ تعالیٰ سے مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس دعا کا ذکر کیا ہے:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ

[اے اللہ مجھے بخش دے]

پہلے حکومت کا سوال نہیں کرتے، ہم جب سوال کرتے ہیں تو سب سے پہلے گھر مانگتے ہیں کہ اے اللہ! گھر تنگ پڑ گیا ہے بڑا سا گھر دے دے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام کہتے ہیں اے اللہ! مجھے بخش دے، اس کے بعد فرمایا:

وَھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ

(سورۂ ص:٣٥)

[اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو نہ ملے]

سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نے ایسی حکومت عطا فرمائی کہ ہوا پر حکومت، چرند، پرند، اور درندوں پر حکومت اور ایسا زبردست تخت عطا فرمایا تھا جو ہواؤں کے دوش پر اڑتا تھا، نہ پروں کی ضرورت ہے نہ کسی پنکھے کی ضرورت، اور نہ ایندھن کی ضرورت ہے صبح سے لے کر شام تک ایک مہینہ کی مسافت اسی تخت پر طے کرتے تھے، تو ایسی شاندار حکومت عطا فرمائی تھی اور پرندے ان کے اوپر سایہ کیئے رکھتے تھے۔

نگاہ اقرباء بدلی:

جس کا جتنا بڑا درجہ ہوتا ہے اس کے حالات بھی اتنے ہی عجیب ہوتے ہیں، ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے سر پر تاج سجا رہے تھے تاج ٹھیک طرح سے سج نہیں رہا تھا اتارا اور دوبارہ سر پر رکھا لیکن ٹھیک سجا نہیں پھر اتارا اور ٹھیک کیا مگر ٹھیک طرح سجا نہیں تو فوراً سجدے میں گر گئے اور پھر تاج کو سر پر رکھا تو تاج سج گیا آپ نے فرمایا کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی تھی جسکی وجہ سے تاج ٹھیک نہیں سج رہا تھا، حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ـــــــ:

نگاہ اقرباء بدلی خیال دوستاں بدلا
نظر ان کی کیا بدلی کہ کل سارا جہاں بدلا
(کشکول مجذوب)

اللہ تعالیٰ کی نظر بدل گئی سارا جہاں بدل گیا، حضرت سلیمانؑ نے مسجد کو بناتے وقت بہت سارے جنوں کو کام پر لگایا اور اسکی تعمیر میں بہت قیمتی پتھر استعمال فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو تیرہ سال کی عمر میں حکومت عطا فرمائی اور ترپین سال کی عمر میں آپ کا

انتقال ہوا اور حکومت سنبھالنے کے چار سال بعد اس مسجد کا تعمیری کام شروع کیا تھا اور وفات تک مسجد کو تعمیر کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کی وفات کا وقت آپہنچا، مسجد کی تعمیر کا زیادہ تر کام مکمل ہو چکا تھا اس خوشی میں آپ نے ایک عام دعوت رکھی روایت میں آتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے بارہ ہزار بھیڑ اور بیس ہزار بکرے ذبح کئے اور سب کو کھلایا۔

حضرت سلیمانؑ کی پانچ دعائیں:

اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ جو اس مسجد میں صرف تجھے خوش کرنے کے لئے (دنیاوی کوئی غرض نہ ہو) یہاں دعا مانگے اس کو گناہوں سے ایسا پاک صاف کر جیسا بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے وقت ہوتا ہے۔

اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے پانچ دعائیں مانگیں۔

۱......تو یہ کہ جو تجھے خوش کرنے کی غرض سے اس مسجد میں داخل ہو اور توبہ کرے اسکی توبہ کو قبول فرما اور اسکو گناہوں سے پاک صاف کر۔

۲......اور اگر کوئی امن مانگنے کے لئے اس مسجد میں داخل ہو اسکو امن دے۔

۳......اگر کوئی فقیر یا محتاج اس مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے داخل ہو جائے اور کسی دنیاوی غرض سے نہ آیا ہو تو اللہ اسکو غنی کر دے۔

۴......اگر میری مسجد میں کوئی بیمار آئے اور صرف تیری رضا کے لئے آئے تو اسکو شفا عطا فرما۔

۵......اے اللہ! میری مسجد میں جو داخل ہو اپنی نظرِ رحمت سے اسکو مالا مال کر دے، یہ پانچ دعائیں حضرت سلیمانؑ نے اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔

ہیکل سلیمانی کی تعمیر:

تو میں عرض کررہا تھا کہ بیت المقدس کی تعمیر میں تھوڑا سا کام باقی تھا کہ حضرت سلیمانؑ کا آخری وقت آپہنچا فرشتے آ گئے ،سلیمانؑ نے کہا کہ تھوڑا سا کام باقی ہے اے اللہ مجھے تھوڑی سی مہلت دے دے ،اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے سلیمان تیرا وقت پورا ہو گیا اب تیری روح قبض کی جائے گی ،دیکھو اللہ کا گھر بنا رہے ہیں کوئی اپنا کام نہیں کر رہے تھے لیکن موت کا وقت آپہنچا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت نہیں دی ،اور فرمایا کہ ہمارا گھر بھی مکمل ہو جائے گا اور روح بھی تیری نکل جائے گی ،چنانچہ جس لکڑی کے سہارے کھڑے ہو کر تعمیر کی نگرانی فرمارہے تھے قبض روح کے بعد بھی جوں کے توں کھڑے رہے اور ادھر تعمیری کام جاری رہا ،چند دنوں کے بعد لکڑی کو دیمک نے کھانا شروع کیا ،لکڑی کھوکھلی ہوگئی اور ٹوٹ گئی ،جب لکڑی ٹوٹ گئی تو اسکی وجہ سے حضرت سلیمانؑ زمین پر گر گئے قرآن کریم میں ہے:

فَلَـمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ. (السبا: ۱۴)

بہر حال اڑتیس سال میں بیت المقدس کا کام پورا ہوا اور بیت المقدس بنا اور یہی اولین قبلہ ہے ،جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو کچھ عرصہ کے لئے (تقریباً ۱۶ مہینے تک) اسی جانب منہ کر کے نماز پڑھی جاتی تھی ۔بیت المقدس کو قبلہ اول بنانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ اس میں یہ حکمت تھی کہ توریت میں نبی آخر الزماں خاتم النبیین ﷺ کی یہ پیشن گوئی بیان کی گئی تھی کہ خاتم الانبیاء ﷺ کچھ عرصہ کے

لئے بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنائیں گے، آپ کے بیت المقدس کو قبلہ اول بنانے سے یہ پیشن گوئی بھی صحیح ہوگئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں زیادہ یہود آباد تھے ان کو اسلام کی طرف مائل کرنا تھا کہ دیکھو ہمیں تمہارے قبلہ سے کوئی بیر و دشمنی نہیں ہے، گویا یہود کو اسلام کی طرف مائل کرنا تھا۔ تیسری بات یہ لکھی ہے کہ اس امت کو دونوں قبلہ کی برکت عطا کرنی تھی۔ (گلدستۂ تفاسیر ج۱) پھر حضور ﷺ نے خواہش ظاہر کی کہ میری امت کا قبلہ بیت اللہ ہو، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی دعا قبول کرلی۔ قرآن کریم میں ہے، بڑے پیارے انداز میں فرمایا:

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِکَ فِی السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبۡلَةً تَرۡضٰهَا فَوَلِّ وَجۡهَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ (البقرہ: ۱۴۴)

تو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دونوں قبلوں کی برکت عطا فرمائی، تو یہ ہمارا قبلۂ اول ہے، انبیاء کا مرکز ہے اور بہت سے انبیاء یہاں مدفون ہیں، مثلاً حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ، حضرت موسیٰؑ حضرت ہارون علیہ السلام وغیرہ بے شمار انبیاء یہاں مدفون ہیں، تو یہ بہت ہی متبرک مسجد ہے اور بڑی محنت سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو تعمیر کیا ہے اور یہ بڑا مقدس مقام ہے۔

بیت المقدس میں نماز کی فضیلت:

ایک روایت میں آتا ہے کہ بیت المقدس میں ایک نماز پڑھنے سے پچیس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ایک نماز پر پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے لیکن ہمارے اعمالِ بد کی وجہ سے آج بیت المقدس قبلہ اول پر قبضہ ظالموں کا

ہے، بیت المقدس شعائرِ اسلام میں سے ہے، ہم کو قبلۂ اول کے تحفظ کے لئے گڑگڑا کر دعا مانگنا چاہئے۔

حضور ﷺ نے معراج پر جاتے وقت بیت المقدس میں قیام کیا اور اس کے بعد ساتوں آسمانوں کی طرف سفر ہوا، پہلے آسمان پر پہنچے دروازہ کھٹکھٹایا فرشتوں نے پوچھا کون ہے؟ حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ میں جبرئیل ہوں، پوچھا ساتھ کون ہے؟ جواب دیا (حضرت) محمد ﷺ۔ اجازت مل گئی۔ یہ سوال و جواب کیوں ہوئے؟ یہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو آسمانی ضوابط و قوانین بتانا چاہتے ہیں۔ دہلی جمعیۃ العلماء ہند کی کانفرنس جس کی صدارت جمعیۃ العلماء ہند کے بانی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کررہے تھے وہ استنجے کے لئے تشریف لے گئے اور شیروانی تخت پر ہی چھوڑ دی واپسی پر دربان نے ان سے بھی داخلہ کا ٹکٹ مانگا حالانکہ مجلس کے روح رواں وہی تھے یہ ضوابط ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات:

پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی حضرت جبریل علیہ السلام نے تعارف کرایا کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے آپ نے سلام کیا حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا اور مرحبا کہا اور دعائے خیر دی آپ نے دیکھا کچھ صورتیں حضرت آدم علیہ السلام کے داہنی جانب ہیں اور کچھ بائیں جانب ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام داہنی جانب دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ہنستے ہیں اور بائیں جانب نظر کرتے ہیں تو روتے ہیں آپ کے دریافت کرنے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ دائیں جانب ان کی نیک اولاد کی صورتیں ہیں اور بائیں جانب نافرمان (کافر) اولاد

کی صورتیں ہیں۔

کچھ اور انبیاء سے ملاقاتیں:

آگے چلے دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئیں پھر آگے چلے تو تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، پھر آگے چلے تو چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، پانچویں آسمان پر حضرت ہارونؑ سے ملاقات ہوئی، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی، اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات ہوئی، کس آسمان پر کس نبی سے ملاقات ہوئی آپ اس کو یاد رکھنا چاہیں تو اس کا ایک آسان طریقہ ہے ایک جملہ آپ یاد کرلیں وہ ہے ''اعیاھما'' ''ا'' سے آدم، ''ع'' سے عیسیٰ''، ''یا'' سے یوسف، ''الف'' سے ادریس، ''ہا'' سے ہارون، اور ''م'' سے موسیٰ اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

بیت المعمور:

جب ساتویں آسمان پر پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے ہیں، جو فرشتوں کا قبلہ ہے، جو بالکل بیت اللہ کی سیدھ میں ہے، اگر بیت المعمور سے ایک خط کھینچا جائے تو سیدھا بیت اللہ تک آئے گا، اس دنیا میں حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کو از سر نو تعمیر کیا تو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر یہ اعزاز بخشا کہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں، یہ گھر فرشتوں کا قبلہ ہے، ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ فرشتے طواف کررہے ہیں، اور حدیث شریف میں ہے کہ روزانہ ستر ہزار فرشتے اس بیت

المعمور کا طواف کرتے ہیں اور ایک مرتبہ جو فرشتہ طواف کر لیتا ہے تو دوبارہ قیامت تک اسکی باری نہیں آتی، پھر آگے چلے یہاں تک کہ آپ نے جنت کا نظارہ کیا اور جنت کی بڑی بڑی نعمتیں دیکھیں۔

غرض یہ کہ حضور ﷺ کی سفر معراج میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئیں یہ ملاقاتیں کیوں ہوئیں؟ اس کی تشریح میں علماء کرام نے علم کے دریا بہا دیئے ہیں، میں مختصراً کچھ باتیں عرض کرتا ہوں۔

اولاً حضرت آدمؑ سے ملاقات ہوئی، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آدمؑ اول الانبیاء اول الآباء ہیں، اس وجہ سے اول ان سے ملاقات ہوئی، دوسری بات یہ ہے کہ ہجرت کی طرف اشارہ ہے، حضرت آدمؑ نے ایک دشمن کی وجہ سے جنت سے دنیا کی طرف ہجرت فرمائی اسی طرح آپ بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائیں گے اور بعد میں ایسا ہی ہوا اور حضرت آدمؑ کی طرح آپ کو بھی وطن مالوف کی مفارقت و جدائی طبعاً شاق گذری۔

دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، اس میں یہ نکتہ ہے کہ

انی اقرب الناس بعیسیٰ ابن مریم لیس بینی و بینه نبی. (مشکوۃ)

میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا، میں عیسیٰؑ کے سب سے زیادہ قریب ہوں، نیز حضرت عیسیٰؑ اخیر زمانہ میں دجال کو قتل کرنے کے لئے زمین پر اتریں گے اور قیامت کے دن اولین و آخرین کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں

گے۔حضرت یحییٰ سے ملاقات میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت یحییٰ کو یہود نے بہت تکلیف اور ایذا پہنچائی تھی، اسی طرح یہود بے بہبود سے آپ کو بھی تکلیف پہنچے گی۔

تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یوسفؑ کو اپنے بھائیوں سے تکلیف پہنچی، اسی طرح آپ بھی اپنے بھائیوں سے تکلیف اٹھائیں گے بالآخر یوسفؑ نے انہیں معاف کردیا، اسی طرح آپ نے بھی فتح مکہ کے وقت معافی اور امن وامان کا اعلان فرمایا:

لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ (الیوسف: ۹۲)

نیز کسی نے خوب لکھا ہے کہ جب امت محمدیہ جنت میں داخل ہوگی تو ان کی صورت حضرت یوسفؑ کی طرح ہوگی، پھر چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی، اس میں یہ نکتہ بیان فرمایا کہ خط وکتابت کے اول موجد حضرت ادریس ہیں اور انہوں نے سلاطین کو دعوت اسلام پیش کی، اسی طرح آپ نے بھی سلاطین کو دعوت اسلام دی، پھر جیسے حضرت ادریسؑ کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ (المریم:۵۷) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی علم، رفعت اور مرتبہ عطا فرمایا۔

پانچویں آسمان پر حضرت ہارونؑ سے ملاقات ہوئی، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح حضرت ہارونؑ کے روکنے اور منع کرنے کے باوجود سامری اور اس کے ہم نوا گوسالہ پرستی سے باز نہ آئے اور بالآخر قتل کئے گئے، اسی طرح مکہ والوں نے آپ کی بات پر کان نہیں دھرا اور بت پرستی پر ڈٹے رہے، ان کی سزا یہ ہوئی کہ بعض جنگ بدر میں قتل کئے گئے اور بعض قید ہوئے۔

چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی، اس میں بہت راز ہیں، مختصراً جس طرح حضرت موسیٰؑ ملک شام میں جبارین سے جہاد وقتال کے لئے نکلے تھے آپ بھی شام میں غزوہ تبوک کے لئے نکلے اور دومۃ الجندل نے صلح کرلی، جزیہ دینے پر راضی ہوگئے، آپ نے اسکی درخواست منظور فرمالی، جس طرح ملک شام حضرت موسیٰؑ کے خادم حضرت یوشعؑ کے ہاتھ فتح ہوا اسی طرح ملک شام آپ کے خادم حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھوں فتح ہوا اور اسلام کا پرچم لہرایا گیا۔

ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ چونکہ ابراہیمؑ کعبہ کے بانی تھے اس لئے یہ مقام ان کو عطا ہوا۔ آپ کی اس آخری ملاقات میں حجۃ الوداع کی طرف اشارہ ہے۔

بعد ازاں سدرۃ المنتھی اور اس کے آگے کی سیر کے بارے میں فتح الباری میں ابن حجرؒ نے ابن کثیرؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ آٹھویں منزل ہوئی اور اس میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے جو سن ہجری ۱۰ میں پیش آیا۔ معراج کی نویں منزل سدرۃ المنتھی سے صرف الاقلام تک ہے۔ اس میں غزوہ تبوک کی طرف اشارہ ہے جو سن ہجری ۹ر میں واقع ہوا۔ دسویں منزل رفرف اور مقام قرب تک ہوئی۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی. فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى. (النجم: ۸، ۹)

جہاں دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے اور کلام ربانی سنا۔ اس میں چونکہ لقاءِ خداوندی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کا وصال ہجرت کے دسویں سال ہوگا چنانچہ دسویں سال آپ دنیا کو چھوڑ کر رفیق اعلیٰ سے جاملے۔

آخرت کی نعمتیں:

اور وہاں چار نہریں دیکھیں ان نہروں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے۔ ا......دودھ کی نہر۲......پانی کی نہر۳......شراب کی نہر۴......شہد کی نہر۔ قرآن کریم میں ہے:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَا اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَاءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَ هُمْ. (المحمد: ۱۵)

یہ چار نہریں ہیں یہ ہر جنتی کو ملیں گی اور یہ چاروں نہریں ایک ساتھ چلتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ ایک ساتھ چلتی ہیں اور ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتیں، جنتی اپنے بالا خانے میں بیٹھا ہوگا اور اس کا دل چاہے گا کہ مجھے شراب پینا ہے جنت کی شراب دنیا کی شراب کی طرح نہیں، اللہ تعالیٰ بچائے اس سے جس نے ایک قطرہ دنیا کی شراب کا پیا جنت تو کیا جنت کی خوشبو سے محروم ہو جائے گا حالانکہ جنتی جنت کی خوشبو جنت میں داخل ہونے سے پانچ سو سال کی مسافت سے محسوس کرے گا، لیکن جس نے دنیا کی شراب پی وہ جنت تو کیا جنت کی خوشبو سے محروم ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ وہاں کی شراب نصیب فرمائے۔

مے کشی کا نظام:

وہاں ساقی گری کا فرض انجام دینے والے خوبصورت خوب سیرت نوعمر لڑکے ہوں گے، ایک دفعہ ایک صاحب نے سوال کیا کہ جنت میں تو شراب حلال ہے قرآن کریم میں ہے کہ ﴿وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا﴾ (الدہر:۲۱) [اللہ تعالیٰ جنتیوں کو خود پاکیزہ

شراب پلائیں گے] تو ایک شاعر نے اس پر اعتراض کر دیا کہ ـــــــــ:

زاہد یہی مسئلہ ہے تو مجھے اس میں کلام ہے
وہ مئے جو خلد بریں میں روا وہ میکدے میں حرام ہے

تو ایک شاعر وہاں بیٹھے تھے اس نے جواب دیا اور بڑا خوب جواب دیا ـــــ:

نہ بہک تو ادھر ادھر کہ خدا کا یہی نظام ہے
وہ جو حکم دے تو حلال ہے وہ جو حکم دے تو حرام ہے

مولانا صدیق صاحب باندویؒ جو ہندوستان کے بڑے پایہ کے ولی اللہ گزرے ہیں ابھی دو تین ماہ قبل ان کا انتقال ہوا ہے انہوں نے اس پر ایک شعر بڑا عمدہ کہا ہے ـــــ:

وہ جو حکم دے تو قعود ہے وہ جو حکم دے تو قیام ہے
بدوں اس کے حکم کے نہ قعود ہے نہ قیام ہے

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

تو جنتی بالا خانے میں بیٹھا ہوگا اس کا دل چاہے گا کہ شراب پیوں تو بغیر پائپ کے اس کے بالا خانے تک اس نہر میں سے پاکیزہ شراب پہنچ جائے گی، نہ مشین لگانے کی ضرورت نہ پائپ لگانے کی ضرورت، تو چاروں نہریں ایک ساتھ بہتی ہوں گی اور ایک دوسرے میں مخلوط نہیں ہوں گی، ایک صحابی نے ایک یہودی سے اس بات کا ذکر کیا تو اس نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ چار نہریں ایک ساتھ چل رہی ہوں اور ایک دوسرے میں خلط ملط نہ ہوں؟

میرے استاذ مرحوم حضرت مولانا احمد اللہ صاحب نے درس بخاری میں یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے کہا کہ اگر میں یہ ثابت کر دوں تو کیا تو مسلمان ہو

جائے گا؟اس نے کہاہاں! میں مسلمان ہوجاؤں گا،حضرت خالد بن ولیدؓ نے فرمایا تیرے دماغ میں اللہ تعالیٰ نے چاروں نہریں جاری کردی ہیں ایک پانی آنکھ میں آتا ہے،تو دوسری نہر سے ناک میں پہنچتا ہے،اورتیسری نہر سے پانی کان میں آتاہےاور چوتھی سے منہ میں پہنچتا ہےاور کبھی ایسانہیں ہوا کہ کان کا پانی آنکھ میں آجائے یاناک کا گندہ پانی منہ میں پہنچ جائے حالانکہ چاروں نہریں ایک ساتھ چلتی ہیں یہ سن کروہ یہودی مسلمان ہوگیا۔

بسم اللہ کی فضیلت:

اورحدیث شریف میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ معراج کی رات میں آسمانوں سے بھی اوپرتشریف لے گئے تو تمام جنتوں کا معائنہ اورسیر فرمائی،توجنت میں چارنہریں دیکھیں،پانی، دودھ،شراب طہوراورشہد کی نہریں، پس رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ نہریں کہاں سے نکلتی ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہ حوض کوثر کی طرف جاتی ہیں اور کہاں سے نکلی ہیں یہ مجھے بھی معلوم نہیں ہے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بتلا دے یادکھلا دے۔

پس نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔توایک فرشتہ آیااوراس نے نبی کریم ﷺ کوسلام کیااورپھر کہااے محمد! اپنی آنکھیں بندکیجئے،پس میں نے اپنی آنکھیں بند کیں،پھرکہا کھولئے جب میں نے آنکھیں کھولیں تو ایک درخت کے پاس تھااور دیکھا کہ سفید موتیوں کا ایک قبہ ہےاوراس پرسونے کا دروازہ ہے،اس پرتالا لگا ہوا ہے،قبہ اتنا بڑا ہے کہ تمام انسان و جنات اگر اس قبہ پر رکھ دیئے جائیں تو ایسا معلوم ہو کہ ایک خوبصورت پرندہ ایک پہاڑ بیٹھا ہے، پھر میں نے دیکھا یہ چاروں نہریں اس قبہ سے نکل

رہی ہیں، میں نے ارادہ کیا کہ وہاں سے واپس لوٹوں تو اس فرشتے نے کہا کیا آپ اس قبہ میں داخل نہیں ہوں گے، میں نے کہا میں کیسے داخل ہوں اس کے دروازے پر قفل (تالا) لگا ہوا ہے اور میرے پاس اس کی کنجی (چابی) نہیں ہے تو فرشتہ نے فرمایا کہ اس کی کنجی ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ہے۔

جب میں نے اس کے قریب جا کر ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھی تو تالا کھل گیا، میں نے دیکھا کہ نہریں اس قبہ سے اس طرح نکلی ہوئی ہیں کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کی ''میم'' سے پانی کی نہر ﴿اللّٰهِ﴾ کی ''ھ'' سے دودھ کی نہر ﴿الرَّحْمٰنِ﴾ کی ''میم'' سے شراب طہور کی نہر اور ﴿الرَّحِيْمِ﴾ کی میم سے شہد کی نہر۔ معلوم ہوا کہ یہ چاروں نہریں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ سے نکلتی ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! آپ کی امت اگر خلوص دل سے بغیر ریا کاری کے میرے اس نام سے مجھے یاد کرے گی تو میں ضرور ان نہروں سے انہیں سیراب کر دوں گا۔

(روح البیان ص۹)

نماز میں سستی کی سزا:

آگے چلے تو آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی ہے جس کے سر پر ایک فرشتہ بہت بڑا پتھر مارتا ہے جس کی وجہ سے اس کا سر چورا چورا ہو جاتا ہے، پھر ٹھیک ہو جاتا ہے، پھر مارتا ہے پھر ٹھیک ہو جاتا ہے، حضور ﷺ حضرت جبرئیلؑ سے دریافت کرتے ہیں کہ جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبریلؑ جواب دیتے ہیں یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو ان کا سر بھاری ہو جاتا ہے یہ بے نمازیوں کی سزا ہے۔

(خطبات احتشام الحق:۱/۲۰۸،تفسیر ابن کثیر)

واعظین بے عمل:

پھر آپ آگے چلے تو دیکھتے ہیں کہ فرشتے کچھ لوگوں کی زبان قینچی سے کاٹتے ہیں پھر وہ ٹھیک ہوجاتی ہے پھر کاٹتے ہیں پھر ٹھیک ہوجاتی ہے حضور ﷺ دریافت کرتے ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرئیلؑ فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی امت کے واعظین ہیں جو فتنے برپا کرتے ہیں اور جنگ وجدال کی صورتیں نکالتے ہیں۔علم پر ان کا عمل نہیں اور جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں ہیں۔

(خطبات احتشام الحق ج ا ص ۲۰۸)

یتیموں کا مال کھانے والے:

پھر آگے چلے تو دیکھا کہ فرشتے ایک شخص کو پکڑے ہوئے ہیں اور اس شخص کے ہونٹ اونٹ کی طرح کے ہیں فرشتے اس کے منہ میں پتھر ڈالتے ہیں حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر)

زانیوں کا حال:

پھر آگے چلے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے پاس نفیس اور عمدہ کھانے رکھے ہوئے ہیں لیکن وہ گندہ اور بدبودار کھانا کھاتے ہیں،آپ نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے وہ مرد ہیں جن کا نکاح ہو چکا ہے لیکن وہ شب باشی کسی اور عورت کے ساتھ کرتے ہیں یا وہ عورتیں ہیں جن کی شادی ہو چکی ہے لیکن شب باشی کسی اور مرد کے ساتھ کرتی ہیں،ان کی یہ سزا ہے۔(تفسیر ابن کثیر)

پھر آگے چلے تو دیکھا کہ کچھ عورتیں ہیں جن کو سینوں سے لٹکایا گیا ہے آپ نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو آپ کی امت کی زنا کار عورتیں ہیں۔(تفسیر ابن کثیر)

شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا مال خرچ کرنے پر عذاب:

پھر آگے چلے تو دیکھا کہ کچھ عورتوں کے ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کا مال ان کی اجازت کے بغیر خرچ کرتی تھیں۔

زکوٰۃ خور کی سزا:

آگے چلے تو دیکھا کچھ لوگ ہیں جن کے بدنوں پر خراب چیتھڑے لٹکے ہوئے ہیں اور وہ خاردار درخت زقوم کھا رہے ہیں دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے۔

سودخوروں کا انجام:

پھر آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ مٹکوں کی طرح بڑے بڑے ہیں یہ لوگ اٹھنا چاہتے ہیں پھر گر جاتے ہیں اور بار بار یہ کہتے ہیں خدایا قیامت قائم نہ ہو، دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے ہیں؟
(خطبات احتشام الحق ج ۱ص ۲۰۸، تفسیر ابن کثیر)

غیبت کرنے والوں کی سزا:

آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے

ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کونوچتے تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا یہ وہ لوگ ہیں جولوگوں کی غیبت کرتے تھے اورلوگوں کی آبروریزی کرتے تھے۔آپ نے اس سفر میں جنت کے باغبان ''رضوان'' کودیکھا اور جہنم کے خازن یعنی داروغہ کوبھی دیکھا جس کا نام'' مالک'' ہے،اس سفر میں ہر جگہ مرحبا کی صداتھی سوائے مالک جہنم کے۔حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب سے اسے پیدا کیا ہے یہ کبھی ہنسانہیں چاہے خوشی کا موقعہ ہی کیوں نہ ہو۔

(خطبات احتشام الحق ج ۱ص ۲۰۸)

صدقہ کرنے والے لوگ:

پھر آپ آگے چلے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جوکھیتی باڑی کرتے ہیں دیکھتے ہی دیکھتے سرسبز کھیتی اُگ جاتی ہے آپ نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جوصدقہ کرتے تھے اوراللہ تعالیٰ اس کو بڑھادیتے تھے۔

قرض دینے کا ثواب:

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی رات عرش پرلکھا ہوادیکھا کہ صدقہ کرنے کا ثواب ایک کا دس ہے یعنی ایک روپئے کے دس روپئے ثواب مگر قرض دینے کا ثواب ایک کا اٹھارہ ہے۔مگر آج اچھے اچھوں کے معاملات صحیح نہیں ہیں اس وجہ سے لوگ قرض دینے سے ڈرتے ہیں۔

سدرۃ المنتھی:

پھر آگے چلے حتی کہ سدرۃ المنتھی تک جا پہنچے سدرۃ المنتھی وہ مقام ہے جہاں

پہنچ کر حضرت جبرئیلؑ رک جاتے ہیں اور آگے نہیں جا سکتے۔ اب آپ کے لئے ایک اور سواری لائی گئی آپ کا مقام بہت اونچا ہے لیکن آپ نے جو تکالیف اٹھائیں یہ کس کے لئے؟ اس امت کے لئے اب جبرئیل پیچھے ہٹ رہے ہیں آپ نے پوچھا اے جبرئیل! آپ ہر مقام پر میرے ساتھ چلتے رہے اب کیوں پیچھے ہٹ رہے ہیں اس کو شیخ سعدیؒ نے یوں بیان فرمایا ہے ـــــــ:

گر یک سر موئے بر تر پرم
فروغ تجلی بہ سوزد پرم

اے محمد! یہ میرے عروج کی انتہا ہے اگر اس سے ایک بال برابر بھی میں آگے بڑھا تو تجلیات ربانی میرے پروں کو جلا کر خاکستر کر دے گی، اب آپ آگے تشریف لے جائیں۔

حضرت شاہ عطاء اللہ بخاریؒ فرماتے تھے کہ اگر میں ہوتا تو محمد کا ساتھ نہیں چھوڑ تا چاہے جل جاتا، اس کے بعد فرمایا کہ حضور ﷺ کا ساتھ دینے والے ''جلا'' نہیں کرتے بلکہ انہیں ''جِلا'' ملتی ہے، آپ کا مقام اتنا بلند ہے کہ جہاں فرشتوں اور نورانی مخلوقات کے سردار کے مقام کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے انسانوں کے سردار کی ابتداء ہوتی ہے، پھر آپ کو ذات باری تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل ہوا جس کو قرآن کریم نے یوں بیان کیا ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی. فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی. (النجم: ۸،۹)

یہ آیت سورۂ نجم کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قرب اتنا ہوا کہ بات چیت ہوئی، اللہ تعالیٰ نے پوچھا میرے لئے کیا تحفہ لائے ہو، آپ نے کہا کہ آپ تو رب

العالمین ہے آپ کے خزانوں میں کس چیز کی کمی ہے لیکن آج میں آپ کیلئے ایسا تحفہ لایا ہوں جو آپ کے خزانوں میں بھی نہیں، پوچھا کہ وہ کیا تحفہ ہے، آپ نے فرمایا میں تیرے حضور تواضع اور عاجزی کا تحفہ لایا ہوں۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الجاثیه: ۳۷)

حضور ﷺ نے ساری زندگی مسکینوں جیسی گزاری، آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِیْ مِسْكِيْنًا وَاَمِتْنِیْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنَ

[اے اللہ! مجھے زندگی دے خاکساروں کی اور موت دے خاکساروں کی اور اٹھانا خاکساروں کے گروہ میں]

اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں مگر تواضع اور عبدیت نہیں، اس وجہ سے حضور ﷺ نے اپنی عبدیت کا اظہار اور عجز و نیاز پیش کیا۔

معراج کی وہ رات آئی یا عفو وکرم کی بات آئی
جبریل امیں ہے در پہ کھڑا اللہ کا مہماں سویا ہے
شاہ حجاز و ملک عرب اس پر تواضع شاہ امم
بستر ہے کھجوروں کی چھالوں کا ختم رسولاں سوتا ہے

بارگاہ الوہیت میں اظہار عجز:

آپ کا مقام اتنا اونچا مقام ہے لیکن بستر کھجوروں کی چھالوں کا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تواضع لے کر آیا ہوں۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَوَاتُ وَ الطَّيِّبَاتُ

عبادتیں تین قسم کی ہوتی ہیں عبادت کی جاتی ہے(ا) زبان سے،(۲) مال سے یا(۳) جسم سے، آپ نے فرمایا جتنی عبادت زبان سے ہوسکتی ہے خواہ وہ ذکر ہو یا تلاوت ہو یا نصیحت ہو آپ نے فرمایا وہ ساری عبادتیں تیرے لئے لے کر آیا ہوں۔اور جتنی جسم سے عبادت ہوسکتی ہے وہ تیرے لئے لے کر آیا ہوں، سجدہ تیرے لئے لے کر آیا ہوں رکوع تیرے لئے لایا ہوں۔اور مال سے زکوٰۃ دینا، صدقہ کرنا خیرات کرنا، کسی کی مدد کرنا، جتنی عبادت ہوسکتی ہے وہ تیرے لئے لے کر آیا ہوں، اللہ کے نبی ﷺ نے تین چیزیں پیش کیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اپنے رسول کو تین چیزیں عنایت فرمائیں:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

اے اللہ کے نبی تجھ پر اللہ کا سلام ہو، اللہ کی رحمت ہو، اسکی برکتیں ہوں۔سلام، رحمت اور برکات، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام مل رہا ہے۔

اللہ کے نبی پر قربان جایئے کتنے شفیق ہیں، کتنا اونچا مقام اللہ کے رسول کو اللہ کی طرف سے ملا۔﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی.﴾ (النجم:۸،۹) قرب والا مقام جو کسی نبی کو نہیں ملا، کسی رسول کو نہیں ملا، کسی فرشتے کو نہیں ملا۔

میں کہا کرتا ہوں کہ ہر انسان دو مقام پر اپنے دوستوں کو اپنے رشتہ داروں کو اپنے گھر والوں کو بھول جاتا ہے، جب انسان کسی تکلیف یا مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، کسی پریشانی میں گرفتار ہوتا ہے تو اس پریشانی میں وہ سب کو بھول جاتا ہے یا جب اسکو کوئی بڑا عہدہ مل جاتا ہے، جب مال و دولت مل جاتی ہے تو اپنے رشتہ داروں کو اپنے تعلق والوں کو

یہاں تک کہ ماں باپ تک کو بھول جاتا ہے، شاید میں نے پہلے بھی یہ قصہ سنایا ہے اب تو اللہ کا شکر ہے کہ مسجد نمازیوں سے بھری رہتی ہے مگر ایک دور لندن کا وہ تھا یہاں جو آتا تھا وہ یہاں کے رنگ میں ایسا رنگ جاتا تھا کہ اس کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ مسلمان بھی ہے یا نہیں؟ اور حد تو یہ ہے کہ جنت اور جہنم کا انکار کر دیتا تھا اب اللہ کا کرم اور احسان ہے کہ یہاں کی معاشرت میں اس قدر گھلتا ملتا نہیں ہے لیکن اب بھی بہت کام کی ضرورت ہے ۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

دولت دماغ خراب کر دیتی ہے:

ایک لڑکا انڈیا سے یہاں پڑھنے کے لئے آیا اور بڑی ڈگری حاصل کی۔ ایم، اے، پی ایچ ڈی وغیرہ کی۔ پھر جب انڈیا واپس گیا تو اس کا باپ بیچارہ دیہاتی قسم کا سادہ مسلمان تھا، اس بیچارے کو پتہ چلا کہ میرا بیٹا اتنے سالوں بعد دیار فرنگ سے واپس وطن آرہا ہے اور بڑی ڈگریاں لے کر آرہا ہے تو وہ باپ بڑے شوق سے سیدھی سادی پگڑی باندھے سادہ لباس میں استقبال کے لئے گیا۔ بیٹے نے جب دیکھا تو پوچھا تو کون ہے؟ باپ تھا تو بوڑھا لیکن تھا بڑا سیانا، اس نے کہا تیری ماں کا خصم (چاکر) ہوں۔

تو دماغ مال و دولت ملنے سے بہت اونچا ہو جاتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ پر قربان جایئے اتنا اونچا مقام ملا اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب نصیب ہوا لیکن اپنی امت کے گنہگاروں کو وہاں بھی نہیں بھولے وہاں بھی ہمیں اور آپ کو یاد رکھا یہی نہیں بلکہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی آپ کی زبان مبارک پر ہے تو صرف یہی: ''یارب امتی'' ''یارب امتی''۔

نزع میں احساس کا یہ عالم یاد جو آئی امت عاصی
چشم مبارک ہو گئی پرنم صلی اللہ علیہ وسلم

امت کا خیال:

نزع کے وقت بھی آپ کی زبان مبارک پر ''یارب امتی'' یارب امتی'' کا ورد جاری ہے اور جب سب سے اونچا مقام عطا ہوا رحمتوں کی بارش سے فیضیاب ہوئے برکتوں سے مالامال ہوئے اس وقت بھی زبان مبارک سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول اپنی امت کے لئے مانگ رہے ہیں۔

اب امت میں دوقسم کے لوگ ہیں ایک عاصی اور گنہگار اور ایک پاکباز اور پرہیزگار، ایک تو امت میں نیک متقی پرہیزگار اور ایک مجھ جیسے گنہگار۔ اگر گنہگاروں کو پیش کریں خطرہ ہے اللہ ناراض نہ ہوجائیں، ہمارے گھر میں جب کوئی مہمان آتا ہے تو جو اچھے بچے ہوتے ہیں ماں اسے بھیجتی ہے کہ جاؤ دروازے پر دیکھو کہ کون ہے؟ اور جو شریر بچے ہوتے ہیں ان کو اپنی گود میں بٹھائے رکھتی ہے، تو دوقسم کے امتی تھے ایک مجھ جیسے گنہگار اور دوسرے متقی صالحین، میرے ایک استاذ بڑی عجیب بات فرمایا کرتے تھے وہ گجراتی میں کہا کرتے تھے کہ آپ تو اتنے مہربان تھے کہ امت کی ہزاروں مائیں قربان ہوجائیں، آپ اتنے شفیق تھے کہ گنہگاروں کو اپنے دامن رحمت میں ڈھانپ لیا۔ آپ نے فرمایا:

السَّلَامُ عَلَيْنَا

[سلام ہو ہم پر]

ہم میں سب آ گئے، ہم گنہگاروں کو اپنی گود میں لے لیا۔ اور نیک بندوں کو الگ سے پیش کیا، آگے فرمایا:

وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ

[اور نیکوں پر بھی سلام ہو]

تو میں کہا کرتا ہوں کہ نماز کے اندر التحیات میں بیٹھ کر معراج کی کیسیٹ لگادی جاتی ہے، صوفیاء فرماتے ہیں "الصلوة معراج المؤمنین" [نماز مؤمن کی معراج ہے] حقیقت میں نماز اگر نماز ہو تو نماز کی روح کی پرواز پتہ نہیں کہاں سے کہاں تک ہوتی ہے۔

نماز میں استغراق:

حضرت زین العابدینؒ کو ایک تیر لگا بڑی کوشش کی کہ نکل جائے پر نکل نہیں رہا تھا، بہت درد ہو رہا تھا، گھر والوں نے کہا چھوڑ دو، جب نماز میں مشغول ہو اس وقت نکال دینا چنانچہ جب نماز میں مشغول ہو گئے تیر نکال لیا گیا لیکن حضرت زین العابدینؒ کو پتہ بھی نہیں چلا کہ کس طرح نکالا گیا، اللہ اکبر، نماز تو ان کی تھی درحقیقت ایسی ہی نماز کے متعلق کہا گیا ہے کہ "الصلوة معراج المؤمنین" نماز میں معراج نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے جب نماز ختم ہوتی ہے تو کہتے ہیں:

السلام علیکم ورحمة اللّٰه

تو سوچنے کا مقام ہے سلام کب کیا جاتا ہے؟ جب کوئی غائب ہو اور وہ واپس آئے تو ہماری روح باہر گئی تھی اسے معراج نصیب ہوئی تھی نماز ختم ہوگئی تو گویا وہ واپس آ گئی۔ پتہ چلا کہ نماز مؤمن کی معراج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب ہم تم کو تین تحفے دیتے ہیں، اول پچاس نمازیں، دوم سورۂ بقرہ کی آخری آیات، اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے

ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے والے امتی کو جنت عطا کی جائے گی۔

پانچ نمازیں پڑھنے والوں کو پچاس نمازوں کا ثواب دیا جاتا ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور پچاس نمازوں کے تحفے کا ذکر کیا تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا پچاس نمازیں پڑھنا آپ کی امت کو بڑا بھاری ہوگا اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ کچھ نمازیں کم کردیں، آپ گئے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی چنانچہ پانچ نمازیں کم ہوئیں، الغرض نو مرتبہ کی آمد و رفت اور درخواست پر پینتالیس نمازیں کم ہوئیں اور پانچ نمازیں باقی رہ گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اب بھی درخواست کی کہ ابھی اور کچھ کم کرائیے اس لئے کہ مجھے اپنی امت سے واسطہ پڑا ہے آپ کی امت پانچ بھی ادا نہیں کرسکے گی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب مجھے اور کم کراتے ہوئے حیا محسوس ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا گیا ہماری باتیں بدلتی نہیں ہیں ہم نے تم پر پانچ نمازیں فرض کیں مگر جو پانچ نمازیں ادا کرے گا اس کو ہم ثواب پچاس نمازوں کا دیں گے، تو نماز معراج کا تحفہ ہے، دنیا میں جب کوئی اپنے محبوب کو تحفہ دیتا ہے تو یہ اس محبّ کی سب سے پسندیدہ چیز ہوتی ہے تو نماز اللہ تعالیٰ کا آسمانی تحفہ ہے اسکی قدر کرنی چاہئے۔ اور نماز ایسا تحفہ ہے کہ جو ''عرشی'' ہے باقی سب احکام وفرائض ''فرشی'' ہیں اللہ تعالیٰ کو یہ تحفہ دینا تھا تو اس کے لئے آپ کو اوپر بلایا، اور پھر دو دن تک حضرت جبریلؑ اس کو سکھانے کے لئے زمین پر تشریف لاتے رہے۔ پہلے دن اول وقت میں نمازیں پڑھائیں اور دوسرے دن آخری وقت میں نماز پڑھائی تاکہ نماز کے اول و آخر اوقات معلوم ہو جائیں چنانچہ فرمایا کہ

صلوا بین ھذین الوقتین. (موطا امام مالک)

[اول وآخر وقت کے بیچ میں نمازیں ادا کیجئے۔]

نماز ذریعۂ انقلاب:

تو مؤمن کی نماز ایک انقلابی شان رکھتی ہے جب یہ تحفہ دینا تھا تو فرش سے عرش پر آپ کو بلایا گیا اور جب اس تحفے کو سکھلانا تھا تو عرش سے فرش پر حضرت جبریلؑ کو بھیجا تو یہ اوپر سے نیچے آنا اور نیچے سے اوپر جانا انقلاب نہیں تو اور کیا ہے؟ تو اگر مؤمن کی نماز حقیقی نماز بن جائے روح والی نماز بن جائے تو اس نمازی میں انقلاب آجاتا ہے یہ انقلاب چاند وسورج کو بدل سکتا ہے فرمایا اللہ کے رسول نے جب چاند اور سورج کو گرہن لگ جائے تو نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ کیونکہ سورج اور چاند میں جو روشنی ہے وہ گرہن میں ماند پڑ چکی ہے اب اسکو دوبارہ بحال کرنے کے لئے نماز کی ضرورت ہے اور فرمایا کہ جب آسمان پانی نہ برسا رہا ہو قحط سالی ہو تو آبادی سے باہر میدان میں چلے جاؤ وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور نماز پڑھو تو نماز میں وہ طاقت ہے جو آسمان کو پانی برسانے پر مجبور کر سکتی ہے چنانچہ اس نماز سے متاثر ہو کر آج کے اس فسق و فجور سے بھرے ہوئے دور میں روس اور دوسرے غیر مسلم ممالک میں غیر مسلم اسلام کی طرف راغب ہو رہے ہیں اور مشرف بہ اسلام ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں قوت نصیب فرمائے اور ان کے لئے تمام سہولیات مہیا فرما دے، تو مؤمن کی نماز میں وہ انقلابی قوت ہے جو آسمانوں کو پانی برسانے کے لئے مجبور کر سکتی ہے، شمس وقمر میں انقلاب پیدا کر سکتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے نماز کا یہ تحفہ رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا اور آپ اسے لے کر دنیا میں تشریف لائے، قرآن

پاک میں ارشاد باری ہے: ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا ﴾ آپ کا یہ سفر یعنی عرش سے فرش پر آنا صرف ڈیڑھ دو منٹ کا تھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، آج کے دور میں اگر کوئی سائنس داں ایسا جہاز بنا سکتا ہے جو چند لمحوں میں پوری دنیا کا چکر لگا لے حالانکہ ان سائنس دانوں کو پیشاب اور پاخانے کا طریقہ بھی معلوم نہیں تو کیا اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے اس کے لئے چند لمحوں میں اتنا طویل سفر کرا دینا آسان نہیں ہے؟ بلکہ اس سے بھی جلد اپنے محبوب رسول کو سفر کرا دے اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔

معراجِ جسمانی کے دلائل:

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ معراج جسمانی نہیں روحانی تھی میں جسمانی معراج کی کچھ اور دلیلیں آپ کے سامنے پیش کروں گا جو آپ کے لئے مفید رہیں گی، جب آپ نے ام ہانیؓ سے سارا واقعہ ذکر فرمایا کہ آج رات میرے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا تھا، جبریل آئے اور مجھے بیت المقدس لے گئے اور وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی تو حضرت ام ہانیؓ نے فرمایا کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کریں ورنہ سب جھٹلا دیں گے اور آپ کی تکذیب کریں گے، حضرت ام ہانیؓ نے آپ کو بیان کرنے سے روکا، اگر خواب کا معاملہ ہوتا تو خواب کی تعبیر ام ہانیؓ بھی بتا سکتی تھیں اور کوئی بھی بتا سکتا تھا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ بیت اللہ سے بیت المقدس تک کے سفر کا نام ''اِسراء'' ہے اور بیت المقدس سے ساتوں آسمان ملاء اعلیٰ اور جنت وغیرہ

کے سفر کا نام ''معراج'' ہے، قرآن کی رو سے اسراء کے سفر کا منکر کافر ہوا، یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ ایک سفر تو عالم بیداری میں ہوا اور دوسرا سفر خواب میں، یہ ناممکنات میں سے ہے۔

معراج جسمانی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے معراج کا واقعہ کفار مکہ کے سامنے بیان فرمایا تو انہوں نے دریافت کیا اچھا بیت المقدس کے دروازے کتنے ہیں کھڑکیاں کتنی ہیں وغیرہ وغیرہ، آپ فرماتے ہیں کہ میں گھبرایا کیونکہ کوئی شخص ان چیزوں کو دیکھتا نہیں، اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے کر دیا، آپ دیکھ دیکھ کر بیان فرماتے جاتے تھے۔

معراج جسمانی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو دعوت نامہ بھیجا کہ تم یہاں میرے پاس حاضر ہو جاؤ، دعوت پر لبیک کہتے ہوئے بلقیس چل پڑیں، ان کی روانگی کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص بلقیس کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت یہاں لا سکتا ہے؟ ایک جن (عفریت) بولا میں آپ کی مجلس برخواست ہونے سے پہلے اسے لا سکتا ہوں۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا مجھے اور جلدی چاہئے تو ایک شخص نے کہا میں پلک جھپکنے میں لا دیتا ہوں وہ ''آصف بن برخیا'' تھے۔ قرآن پاک میں بڑی تفصیل سے یہ واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کے درمیان بڑی طویل مسافت تھی، چنانچہ پلک جھپکنے میں ایک منٹ میں وہ تختِ بلقیس وہاں آموجود ہوا، اگر سلیمانؑ کے ایک امتی کے لئے ایک منٹ میں تختِ بلقیس آسکتا ہے تو حضور ﷺ کو رات کے ایک مختصر وقت میں اللہ تعالیٰ معراج کرا دیں تو یہ کون سی تعجب کی بات ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے معراج کا مقصد بیان فرمایا: ﴿لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ اس سفر کا مقصد عالم بالا کی اشیاء کو دکھانا ہے جن کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا ظہور ہوتا ہے مثلاً عرش وکرسی، لوح وقلم، سدرۃ المنتھی، جنت وجہنم وغیرہ اور عالم بالا جو گناہوں سے پاک اور عجائبات قدرت کا محل ہے، وہاں لے جانے میں خاتم الانبیاء کے اعزاز واکرام کا ظہور ہے، اس پر کچھ لوگ ایک شبہ پیش کرتے ہیں کہ اس سفر میں سردی وگرمی سے حفاظت کیسے ہوسکتی ہے، اس کا جواب آج کل کے دور میں بہت آسان ہے، جب بے بس انسان ائیر کنڈیشن کے ذریعہ گرمی وسردی کا انتظام کرسکتا ہے تو قادر مطلق وخالق کائنات کے لئے ایسا انتظام کیوں ناممکن ہے جس کے آگے ہر چیز صف بستہ سر جھکائے کھڑی ہے، ادھر حکم ہوا ادھر چیز وجود میں آگئی، کائنات کا ایک ایک ذرہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا تابع ہے، محققینِ یورپ نے تصریح کی ہے کہ جس ذات نے قوانین طبعیہ بنائے ہیں اس کو ان میں مداخلت وتبدیلی کا حق ہے۔

اسی طرح ایک اشکال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ رات کے تھوڑے حصہ میں چند منٹ میں پورا سفر ہوجائے، اس کا جواب یہ ہے کہ فلسفۂ قدیم وجدید اس بات پر متفق ہے کہ حرکت کی تیزی اور سرعت کے لئے عقلاً کوئی حد مقرر نہیں۔

جس زمانہ میں جس قدر حرکت ممکن ہے اس زمانے کے کروڑویں حصہ میں بھی وہ حرکت ممکن ہے، اس بنا پر سرعت وحرکت معراجیہ پر شبہ واعتراض کرنا اور اس کو ناممکن قرار دینا دونوں فلسفوں کے بھی خلاف ہے، البتہ مشاہدہ میں ایسی تیز حرکت نہ آنے کی وجہ تعجب انگیز ضرور ہے جیسے جدید تیز رفتار میزائل قبل از مشاہدہ محل تعجب تھے، آج کے دور میں

فیکس وٹیلیفون سے (اور بھی ایسی کئی چیزیں وجود میں آ چکی ہیں سبھی کو وہ معلوم ہیں تقریباً) ایک لمحہ میں دنیا کے کونے کونے میں بات کر سکتے ہیں نیز سورج کی روشنی کی شعاع نو کروڑ تیس لاکھ میل چند منٹ میں طے کر کے زمین پر پہنچتی ہے، ہماری آنکھوں کی شعاع رات کے وقت ایک لمحہ میں کھربوں میل مسافت طے کر کے بعید ترین ستاروں تک پہنچتی ہے۔اسی طرح نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے معراج کرائی اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اسراء کی روایات متواتر ہیں اور نقاش نے بیس صحابہ کرام سے نقل کیا ہے، قاضی عیاضؒ نے شفا میں اور زیادہ تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔امام ابن کثیرؒ نے تفسیر ابن کثیر میں ان تمام روایات کو پوری طرح جرح وتعدیل کے ساتھ نقل فرمایا ہے، پھر صحابہ کرام کے اسماء گرامی نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں (۱) حضرت عمر بن خطابؓ (۲) ابن مسعودؓ (۳) ابوذر غفاریؓ (۴) مالک بن صعصعہ (۵) ابو ہریرہؓ (۶) ابوسعید ابن عباسؓ (۷) شداد بن اوسؓ (۸) ابی بن کعبؓ (۹) عبدالرحمٰن بن قرظہؓ (۱۰) ابوحبہؓ (۱۱) ابو لیلے (۱۲) عبداللہ بن عمیرؓ (۱۳) جابر بن عبداللہؓ (۱۴) حذیفہ بن یمانؓ (۱۵) بریدہ اسلمیؓ (۱۶) ابو ایوب انصاریؓ (۱۷) ابو امامہ باہلیؓ (۱۸) سمرۃ بن جندبؓ (۱۹) صہیب رومیؓ (۲۰) ام ہانیؓ (۲۱) عائشہ صدیقہؓ (۲۲) اسماء بنت ابی بکرؓ ان ناموں کے بعد حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ واقعہ اسراء پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے صرف ملحد وزندیق ہی اس سے انکار کر سکتا ہے۔

معراج رات کو کیوں؟

معراج کا واقعہ رات کو کیوں پیش آیا؟ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، ایک تو یہ کہ حبیب اور محبوب کے درمیان ملاقات کا سب سے موزوں وقت رات کا وقت ہے، اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ بہت پیارا ہے جو رات کے وقت اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس پر بہت پیار آتا ہے کہ سارے لوگ سو رہے ہیں اور میرا یہ بندہ اٹھ کر میری عبادت میں مصروف ہے۔

صدیق اکبرؓ کا کارنامہ:

رات کو یہ سفر اس لئے بھی کرایا کہ جب آپ نے سب کو جمع کر کے یہ واقعہ سنایا تو ابو جہل بھی موجود تھا، اس نے کہا واقعۃً آپ نے یہ سفر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اس وقت اس مجلس میں حضرت ابو بکرؓ موجود نہیں تھے، ابو جہل بہت خوش ہوا اور دوڑتا ہوا حضرت ابو بکرؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ آپ اس بات پر یقین کریں گے اگر کوئی آدمی یہ دعویٰ کرے کہ میں رات کے وقت بیت اللہ سے بیت المقدس گیا اور وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کر کے رات کو ہی واپس آ گیا، حضرت ابو بکرؓ نے کہا بالکل نہیں (اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ کہا کہ یہ تو بتاؤ کہ یہ کہنے والا کون ہے) ابو جہل نے کہا کہ پھر کیا خیال ہے اپنے دوست محمد کے بارے میں جس نے یہ دعویٰ کیا ہے، تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ اگر میرے محبوب حضرت محمد نے فرمایا ہے تو میں اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہوں۔ آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے اللہ کے رسول نے یہ بات سنی تو حضرت ابو بکرؓ کو ''صدیقؓ'' کا لقب عطا فرمایا۔ ہاں! تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ رات کو سفر

کرایا تا کہ دنیا دیکھ لے کہ ''صدیق'' کون ہے؟اور ''زندیق'' کون ہے؟

جب بیت المقدس سامنے کر دیا گیا:

تیسری دلیل یہ ہے کہ آپ نے جب یہ واقعہ ذکر کیا تو مکہ والے سارے جمع ہو گئے انہوں نے کہا کہ اتنا لمبا سفر اور رات کے اتنے قلیل وقت میں چنانچہ انہوں نے اللہ کے رسول کو کھڑا کیا اور کہا کہ ہم آپ سے چند سوالات کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ واقعی آپ بیت المقدس گئے تھے یا نہیں۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ بیت المقدس میں طاق کتنے ہیں، ستون کتنے ہیں کھڑکیاں کتنی ہیں اور اس طرح کی دیگر چیزوں کے متعلق پوچھا حالانکہ آپ سے اگر پوچھا جائے کہ آپ جس مسجد میں نماز پڑھنے جاتے ہیں اس میں مصلے کتنے ہیں، روشن دان کتنے ہیں؟ تو کوئی بھی نہیں بتا سکے گا کیونکہ آپ نماز پڑھنے آتے ہیں اس کو گننے نہیں آتے ہیں، آدمی کی نظر بیک وقت ہر چیز کی طرف نہیں ہوتی، تو حضور ﷺ بیت المقدس نماز پڑھنے گئے تھے، یہ گننے تو نہیں گئے تھے کہ مسجد میں ستون کتنے ہیں، دروازے کتنے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان لوگوں کو تو آپ کا امتحان لینا مقصود تھا، خود حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ پر ایک خوف سا طاری ہو گیا، لیکن تھوڑی دیر میں بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا گیا، وہ لوگ جو سوال کرتے تھے میں دیکھ دیکھ کر اس کا جواب دیتا تھا۔

کذلک الانبیاء:

پانچویں دلیل جسے ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور حافظ ابو نعیمؒ نے بھی ذکر کیا ہے کہ آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور صلح حدیبیہ ہو گئی، آپ نے

بادشاہوں کے نام خطوط لکھے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام بھی ایک خط لکھا اس اقعہ کو امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں ذکر کیا ہے، بادشاہ کو جب یہ خط ملا تو وہ عربی نہیں جانتا تھا اس نے کہا کہ کسی عربی داں کو بلاؤ کسی نے کہا کہ شام سے ایک قافلہ تجارت کی غرض سے آیا ہوا ہے بادشاہ نے کہا کہ قافلہ والوں کو بلالاؤ چنانچہ قافلہ والوں کو بلایا گیا، اس کے سردار ابوسفیانؓ تھے اور جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بادشاہ نے قافلہ والوں سے پوچھا تمہارا سردار کون ہے؟ قافلہ والوں نے ابوسفیان کو پیش کیا، پوچھا کہ عربی جانتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں عربی جانتا ہوں، تو ان سے کہا گیا کہ اس خط کا ترجمہ کریں۔

پھر بادشاہ نے ابوسفیانؓ سے چند سوالات کئے اس میں ایک سوال یہ تھا کہ محمد کا نسب کیا ہے؟ ابوسفیانؓ نے کہا کہ آپ سب سے اونچے خاندان میں سے ہیں قریشی ہیں اور اس میں بھی بنو ہاشم سے ہیں جو قریش میں سب سے اونچا خاندان ہے، بادشاہ نے پوچھا کہ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کیا اس سے پہلے ان کے باپ دادا وغیرہ میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟ ابوسفیان نے نا (نفی) میں جواب دیا، اس پر ہرقل نے کہا کہ "**کذلک الانبیاء**" [انبیاء ایسے ہی ہوتے ہیں۔]

بادشاہ نے سوال کیا کہ ان کے ماننے والوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے، ابوسفیانؓ نے جواب دیا کہ ان کے ماننے والوں اور ان پر ایمان لانے والوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے، اس پر بادشاہ نے کہا کہ "**کذلک الانبیاء**" [انبیاء ایسے ہی ہوتے ہیں۔]

پوچھا جو ایمان لے آتا ہے وہ دوبارہ اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ جاتا ہے؟ابوسفیان نے کہا کہ ان پرایمان لانے والوں کو جتنا بھی ستایا جائے رلایا جائے اور انہیں کتنی ہی تکلیفیں پہنچائی جائیں لیکن وہ ایمان لانے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف نہیں لوٹتا ایمان نہیں چھوڑتا، بادشاہ نے اس پر کہا کہ ’’کذلک الانبیاء‘‘ [انبیاء ایسے ہی ہوتے ہیں۔]

ابوسفیان جواس وقت آپ کے سخت دشمن تھےاوراسی کوشش میں تھے کہ کوئی ایسا موقع ملے کہ حضور ﷺ کے خلاف بدگوئی اور دروغ گوئی سے کام لیں مگر وہ چاہتے ہوئے بھی ایسانہیں کرسکے،ابوسفیان کہتے تھے کہ مجھے دومرتبہ جھوٹ بولنے کا موقع ملا مگر میں جھوٹ نہیں بول سکا۔خیر ابوسفیان نے کہا کہ ابھی ابھی ہماری ان سے صلح (صلح حدیبیہ) ہوئی ہے،اورآپس میں دس سال کا معاہدہ ہوا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ لوگ عہد و پیمان توڑتے ہیں یا معاہدہ صلح کی پاسداری کرتے ہیں، ہاں ایک بات یہ بھی ہے کہ محمد معراج کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ رات کے معمولی حصہ میں بیت اللہ سے بیت المقدس گئے اور پھر ساتوں آسمانوں کا سفر کیا اور پھر رات ہی میں واپس ہوگئے یہ ہماری عقل میں نہیں آتا یہ کیسے ہوسکتا ہےتو وہاں موجود ایک پادری نے کہا کہ اس رات سے میں واقف ہوں پادری نے کہا میں بیت المقدس کا مجاور ہوں اور رات گئے مسجد کو بند کرکے گھر جاتا ہوں،اس رات جب میں مسجد کو بند کرکے جارہا تھاتو مسجد کا بڑادروازہ بند نہیں ہورہا تھا۔بڑی کوشش کی ساتھیوں اور خدام کو بلایا لیکن دروازہ بند نہیں ہوا،خادموں نے کہا کہ ہوسکتا ہے دروازے کےاوپروالی دیوارمیں درار پڑ چکی ہواوروہ دروازے کےاوپرآ گئی ہوابھی رات

ہے صبح روشنی میں دیکھ لیں گے۔ پادری کہتا ہے کہ جب صبح ہوئی اور ہم لوگ آئے دروازہ بند کیا تو معمول کی طرح دروازہ بند ہوگیا۔اور میں نے محسوس کیا کہ رات مسجد میں کوئی آیا ہے، نماز بھی پڑھی ہے اس واقعہ کا میں گواہ ہوں میں اسکی تصدیق کرتا ہوں تو ایک غیر مسلم نے بھی معراج کی گواہی دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات میں جو خصوصی تحفہ نماز کا ہمیں دیا ہے وہ نماز بہت اہمیت رکھتی ہے اس کا اہتمام کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ کے اس خصوصی تحفے کی قدر کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، اس کے ساتھ ساتھ نماز باجماعت کا اہتمام کرنا چاہئے اور اس کے لئے مسجد کا رخ کرنا چاہئے، کیونکہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے گھر کو آباد کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں کو آباد کریں گے اللہ تعالیٰ ہم سب کو پوری زندگی نماز باجماعت ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، معراج کا یہ واقعہ تفصیلاً بیان کرتے ہوئے بندہ کو بڑا مزہ آیا اور کیوں نہ آتا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے معراج کے واقعہ کو تفصیلاً بڑے مزے سے بیان فرمایا ہے، مگر آخر میں یہی کہنا پڑے گا کہ اس کا حق تو ادا ہو ہی نہیں سکتا ہے، آخر میں ان اشعار پر اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں۔

آقا تری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
مری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا
سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ١٢ ﴾

غزوۂ تبوک و معجزات رسول ﷺ

(قسط اول)

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف ان کی بنا دی

﴿ ۱۲ ﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غزوۂ تبوک ومعجزات رسول ﷺ

(قسط اول)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیۡعَنَا وَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ۝ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝
یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَکُمۡ اِذَا قِیۡلَ لَکُمُ انۡفِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَی الۡاَرۡضِ اَرَضِیۡتُمۡ بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا مِنَ الۡاٰخِرَۃِ فَمَا مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا فِی الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیۡلٌ. اِلَّا تَنۡفِرُوۡا یُعَذِّبۡکُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا وَّیَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡہُ شَیۡئًا وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ.

(التوبہ:۳۸،۳۹)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

سامعین محترم! الحمدللہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج تراویح کی نماز میں ہمارے دس پارے ختم ہوئے، اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے۔ دسویں پارے میں سورۂ

توبہ کی جو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے غزوۂ تبوک کا واقعہ تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

غزوۂ تبوک کا پس منظر:

یہ غزوہ رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا آخری غزوہ تھا، اسلام کی سب سے پہلی فتح بھی ۱۷؍ رمضان المبارک کو ہوئی اور آخری فتح اور غلبہ فتح مکہ کی صورت میں حاصل ہوا وہ بھی رمضان المبارک میں ہوا، کفار مکہ کے ساتھ یہ آٹھ سالہ جنگ چل رہی تھی، آٹھ سال تک کفار نے مسلمانوں کی زندگی کو دوبھر کر رکھا تھا، اب الحمدللہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، اور مسلمانوں کو کچھ سکون نصیب ہوا تھا کہ تاجروں کا قافلہ جو شام سے زیتون کا تیل لے کر مدینہ منورہ فروخت کرنے آرہا تھا اسنے یہ خبر سنائی کہ ہرقل بادشاہ ایک بہت بڑا لشکر تیار کر کے مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے والا ہے اور بعض قبائل نے اس سے ساز باز کر لی ہے اور وہ ہرقل کی فوج میں شامل ہو گئے ہیں، تیاری یہ ہے کہ مدینہ منورہ پر ایسا زبردست حملہ کیا جائے کہ جس میں سارے مسلمان نیست و نابود ہو جائیں اور اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لئے بجھ جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت پر قربان جائیے کہ جب جب کفار نے ایسی منظّم سازش کی ہے انہوں نے منہ کی کھائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے منصوبوں کو خاک میں ملا کر پہلے سے زیادہ اسلام کو پھیلایا اور اللہ تعالیٰ کو وعدہ پورا کرنا تھا وہ وعدہ پورا کیا آج تراویح میں ہم نے وہ آیت پڑھی جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بشارت دی ہے کہ:

هُوَ الَّذِىٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ. (التوبہ: ۳۳)

اللہ تعالیٰ نے جو دین حق دے کر آپ کو بھیجا ہے اس کو تمام ادیان پر اللہ تعالیٰ غالب کر دے گا، کفار نے جتنی مخالفت کی جتنی رکاوٹیں پیدا کیں اتنی ہی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ترقی دی، بقول کسی شاعر کے اس نے تو اپنی محبوبہ کے بارے میں کہا ہے مگر حقیقت میں یہ اسلام کے بارے میں ہے:

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف ان کی بنا دی

وہ کہتا ہے کہ ہوا نے تو بہت زور لگایا بڑی زوردار ہوا چلی کہ میرے محبوب کے بالوں کو بگاڑ دے لیکن جیسے جیسے ہوا چلی میرے محبوب کے بال سنورتے چلے گئے تو کفار نے بہت منصوبے بنائے بہت زیادہ رکاوٹیں پیدا کیں مسلمانوں کو بہت ستایا لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ رہی اور بڑھتی ہی چلی گئی، آج بھی یہ کام کیا جا رہا ہے مگر بات وہی ہے کہ

اسلام کی فطرت میں اللہ نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ پھیلے گا جتنا کہ دباؤ گے

ہرقل اور اتحادی قبائل کے مذموم عزائم:

تو ہرقل بادشاہ اور اس کے اتحادی قبائل نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ اسلام کو ایسی زبردست ٹکر دی جائے کہ اسلام اور مسلمانوں کا مکمل صفایا ہو جائے اس منصوبے کے مطابق بڑی فوج تیار کی۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا پتہ چلا تو آپ نے بھی بڑے پیمانے پر تیاری شروع کر دی آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور مشورہ کے بعد آپ نے علی الاعلان فرمایا

کہ اس ہرقل کے آنے سے پہلے ہم خود وہاں جا کر جہاد شروع کردیں اور زبردست حملہ کریں آپ نے عام مسلمانوں کو دعوت دی صحابہ کرام کو تیار کیا اور اردگرد جو قبائل آباد تھے آپ نے ان کو بھی دعوت دی کہ اس جہاد میں شرکت کریں۔ مجاہدین کے نام بھی لکھے گئے حتی کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ نام لکھتے لکھتے دفتر ختم ہوگیا، بہرحال سب کے نام لکھ لئے گئے اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو اس غزوہ میں جانی اور مالی طور پر چندہ دے گا اور زیادہ سے زیادہ مال اس غزوہ کے لئے جمع کرائے گا؟ صحابہ کرام نے اپنے اپنے حالات کے مطابق تعاون کیا، کسی نے گھوڑے دیئے کسی نے سواری دی کسی نے کپڑے دیئے غرض یہ کہ جو دے سکتے تھے وہ لے کر آ گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا پہلا نمبر:

حضرت عمرؓ نے سوچا کہ آج بہت اچھا موقع ہے آج میں اتنا صدقہ کروں گا کہ ابوبکر صدیقؓ سے بھی بڑھ جاؤں گا، اسی غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت عثمان غنیؓ نے دس ہزار سواریاں پیش کیں اور درہم کا ڈھیر لا کر لگا دیا تھا، نبی کریم ﷺ ان دراہم کو ہاتھ لگاتے اور فرماتے کہ اے عثمان! تو نے اللہ کی راہ میں اتنی مدد کی کہ آج کے بعد تو نے کوئی عمل بھی نہیں کیا تو بھی تو سیدھا جنت میں جائے گا۔ (ترمذی شریف: ۲/۲۱۱)

آپ نے حضرت عمر فاروقؓ سے پوچھا کہ اے عمر! تم راہ خدا میں کتنا لے کر آئے ہو؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول! میرے گھر میں جتنا مال تھا جتنی اشیاء تھیں ان سب کا آدھا لے کر آیا ہوں، آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا کہ تم گھر میں کیا چھوڑ کے آئے ہو؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ گھر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے

رسول کا نام چھوڑ کر آیا ہوں، جو کچھ گھر میں تھا سب کچھ لے آیا ہوں گھر میں جھاڑو دے کر آیا ہوں حضرت عمرؓ نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ میں کبھی بھی ابوبکرؓ سے آگے نہیں بڑھ سکتا، اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے مقام ومرتبہ کو پہچانتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! ایک شخص ہے جس کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ عمرؓ ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دو نیکیاں اور عمر فاروقؓ کی ساری زندگی:

اس پر حضرت عائشہؓ نے حضور سے پوچھا کہ میرے والد (حضرت ابوبکرؓ) کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟

فرمایا کہ تیرے والد کی ایک نیکی عمر فاروقؓ کی ساری نیکیوں کے برابر ہے۔
(مشکوۃ شریف ص ۵۶۰)

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی زندگی میں ایک مقام پر حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا تھا کہ اے ابوبکر! مجھے اپنی زندگی کی دو نیکیاں دے دو ایک رات کی نیکی اور ایک دن کی نیکی اور میری زندگی کی ساری نیکیاں تم لے لو، رات کی نیکی سے مراد وہ رات ہے جس رات آپ ہجرت کے وقت حضور ﷺ کے ساتھ غار ثور میں موجود تھے اور دن کی نیکی سے مراد ہے جب آپ ﷺ کا دنیا سے وصال ہوا آپ نے پردہ فرمایا سارے صحابہ غم سے نڈھال

تھے کسی کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا اس وقت حضرت ابوبکرؓ نے رقیق القلب نرم دل ہونے کے باوجود سب کو سنبھالا آپ نے سب کے دلوں کو ڈھارس بندھائی، حضرت عمرؓ نے تلوار اٹھائی اور کہا کہ کون کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی ہے جو بھی ایسا کہے گا میں اسکی گردن اڑادوں گا۔لیکن ابوبکر صدیقؓ کھڑے ہوگئے اور آپ نے ایک تقریر کی فرمایا کہ

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا
(ال عمران:۱۴۴)

[محمد تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول آئے، رسول اللہ کی وفات ہوجائے یا جہاد میں آپ کو شہید کردیا جائے تو کیا تم اسلام کو چھوڑ بیٹھوگے؟]

اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بہت عجیب خطبہ دیا جو تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔فرمایا:

من كان يعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن كان يعبد اللّٰه فهو حى لا يموت.

[اگر کوئی آپ کی عبادت کررہا تھا تو سن لو کہ آپ کی وفات ہوگئی ہے اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کررہے ہو تو وہ زندہ ہے اس کو موت کبھی نہیں آئے گی]

وہ ہمیشہ رہے گا، یہ سن کر حضرات صحابہ کرام کے حواس درست ہوگئے اور حضرت عمرؓ نے بھی تلوار نیام میں رکھ لی۔

ہاں! تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اپنی اس ایک رات (غار

ثور) کی نیکی اور اس ایک دن کی نیکی یعنی جس دن آپ ﷺ دنیائے فانی سے رخصت ہوئے اور آپ نے صحابہ کو سنبھالا تھا، اس دن کی نیکی دے دو تو عمر اپنی ساری زندگی کی نیکیاں تمہیں دینے کے لئے تیار ہے۔

تو بات چل رہی ہے غزوہ تبوک کی تو اس وقت چند گروہ بن گئے ایک تو وہ جماعت تھی جو کھیتی باڑی کا کام کرتی تھی مدینہ والوں کا ذریعۂ معاش کھیتی تھا اور یہ غزوہ ایسے وقت میں پیش آیا کہ وہ کھیتی کاٹنے کا وقت تھا اور شدت کی گرمی تھی، بے چارے غریب بھی تھے اور مسلسل انہوں نے آٹھ سال جہاد بھی کیا تھا اب کی باران کا مقابلہ بھی بہت زیرک اور جری ہرقل کی جری فوج کے ساتھ تھا اس لئے بعض صحابہ کرام نے "اٰمنا وصدقنا" کہا فوراً جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور بعض صحابہ تر دد کرنے لگے، لیکن وہ بھی تیار ہو گئے، بعض کسی عذر کی وجہ سے کمزوری اور بیماری کی وجہ سے نہیں گئے، بعض کاہلی اور سستی کی وجہ سے نہیں گئے اور بعض منافقین جھوٹے بہانے بنا کر گھر میں بیٹھ گئے اور بعض منافقین جاسوسی اور شرارت کرنے کے لئے ساتھ ہو لئے، بہر حال یہ سورۂ انفال کے پورے ایک رکوع کا مختصر ترجمہ میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔

تو یہ چند گروہ ہو گئے بعض صحابہ شدت کی گرمی کی وجہ سے نہیں گئے اور بعض صحابہ کھیتی کاٹنے کا موقعہ تھا اس لئے نہیں گئے تو اللہ تعالیٰ ان سے خطاب کر کے فرماتا ہے ﴿**يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا**﴾ [اے ایمان والو!] ﴿**مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ**﴾ [جب تم سے اللہ کے رسول کہتے ہیں کہ جہاد میں نکلو تو زمین سے کیوں لگ جاتے ہو] سبحان اللہ! پھر اسکی وجہ بتائی جو سستی اور غفلت کا

سبب ہے جتنے بھی کار خیر ہیں نماز ہے، روزہ ہے، حج ہے، زکوۃ ہے ان سب اور ان کے علاوہ جتنے بھی امور خیر ہیں ان کے ادا کرنے میں سستی اور غفلت کیوں آتی ہے؟ صرف اور صرف اس لئے کہ دل میں دنیا کی محبت آجاتی ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

حب الدنيا راس كل خطيئة.

(شعب الایمان: ۷/ ۳۳۸)

[دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔] اللہ تعالیٰ نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے: ﴿اَرَضِيتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ﴾ [کیا تم دنیا کی زندگی پر راضی ہوگئے آخرت کی زندگی کے مقابلے میں۔] حالانکہ بات یہ نہیں ﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيلٌ.﴾ [دنیا کی زندگی تو بہت مختصر اور قلیل ہے] آگے اللہ تعالیٰ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد میں نہیں نکل رہے ہو تو سن لو ﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيمًا﴾ [اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دیں گے] اللہ تعالیٰ کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں، اگر تم ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لئے نہیں نکلتے تو ﴿وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.﴾ (التوبہ: ۳۸، ۳۹) [اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا، اسے کیا نقصان ہوگا وہ ہر چیز پر قادر ہے] پھر اللہ تعالیٰ نے بڑی عجیب بات بیان فرمائی کہ دیکھو اگر تم آج اللہ کے رسول کی مدد نہیں کر سکے تو اللہ تعالیٰ تمہارا محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ تو اپنے رسول کی اس سے پہلے بھی مدد کر چکا ہے اور کیسی مدد کر چکا ہے ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ جبکہ آپ ﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا رہے تھے، کہیں آپ کو جلا وطن کرنے کے منصوبے بنائے جا رہے تھے اور کہیں آپ کو قید کرنے کے

منصوبے زیرِ غور تھے اور کہیں آپ کو قتل کرنے کے منصوبے بن رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس وقت کون سا بڑا لشکر بھیجا صرف آپ کے ساتھ رفیق غار حضرت ابوبکر صدیق ؓ تھے۔

اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ (التوبہ: ۴۰)

اس غار کے اندر تو صرف حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ دو ہی تھے، تو اس سے معلوم ہوا کہ پورے صحابہ کرام کے مجموعہ کا مقام صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی رکھتے ہیں۔

حضور ﷺ ابوبکرؓ کے کندھوں پر:

کتنا اونچا مقام ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے جا رہے ہیں، رات کے اندھیرے میں مکہ مکرمہ سے نکلے تھے، راستہ ہموار نہیں تھا، دشمن کی نظر تیز تھی، پکڑے جانے کا اندیشہ تھا مشرکین مکہ تعاقب میں تھے، لرزاں اور ترساں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں قدم آگے بڑھ رہے تھے، آپ کو ٹھوکر لگی اور پاؤں مبارک سے خون بہہ پڑا، حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا تو تڑپ اٹھے اور فرمایا یا رسول اللہ! میری کمر کب کام آئے گی؟ آپ میرے کندھوں پر سوار ہو جائیے، چنانچہ آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے کندھوں پر بیٹھ گئے اور ابوبکر صدیقؓ نے آپ کو کندھوں پر اٹھا کر تین میل کی مسافت طے کی۔

(خلفاء راشدین ص ۱۱۵)

غار ثور:

جب غار ثور قریب آیا تو غار ثور کی سعادت مندی دیکھئے حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں:

پا پیادہ ہوئے راہی طرف دشت و جبل
ساتھ تھی افضال الٰہی کی جلو میں پلٹن
آہ امت کے لئے اس نے مصیبت جھیلی
جس کا مرکب ہوا رفرف سا خدائی توسن
تین ہی میل چلے ہوں گے شفیع عالم
دامن کوہ میں نظر آیا جو دار کہن
تو عرض کی حضرت صدیقؓ نے اب بہتر ہے یہی
اسی غار کو ہم اپنا بنالیں مسکن

یارسول اللہ! بہت تھکاوٹ ہے اگر اجازت دیں تو آج اسی غار میں پناہ لیں۔

آپ ٹھہریں تو ذرا صاف کرلوں جاکر
جھاڑو کے لئے کافی ہے میرا دامن
گھس گئے غار میں بے خوف جناب صدیق
ان کو آسان تھے وہ کام جو اوروں کو تھے کٹھن

اپنے کرتے کو پھاڑ پھاڑ کر کپڑے کے ٹکڑے بنا بنا کر غار میں موجود سب سوراخوں کو بند کیا کہ کوئی زہریلا جانور بچھو سانپ نکل کر کہیں اللہ کے رسول کو تکلیف نہ پہنچادے۔

جو دو سوراخ بچے اس پہ لگاکر ایڑی
عرض کی حضرت صدیق نے اے فخر زمن
آیئے آیئے خدمت کے لئے حاضر ہوں میں

جلوہ گر ہوکے سیہ خانے کو کیجئے روشن

آپ اندرتشریف لائیے خدمت کے لئے حاضر ہوں، آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے تعاقب میں دشمن چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں کفار مکہ کی طرف سے سو اونٹ کا انعام مقرر ہے لیکن اللہ کے رسول کتنے سکون سے ہیں، صدیق اکبرؓ کی رانوں پر سر رکھ کر آرام سے سو گئے، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ کس قدر خوش نصیب ہیں حضرت ابوبکرؓ کہ ختم الرسل ان کی رانوں پر سر مبارک رکھ کر سوتے ہیں، یہ ایسا ہے جیسا کہ

کَاَنَّ القراٰن علی الرحل

[جیسے قرآن کریم کو رحل پر رکھ دیا ہو]

دشمن تلاش کرتے کرتے اس غار کے منہ تک آگئے صدیق اکبرؓ نے ان کے پیروں کو دیکھا لیکن اللہ تعالیٰ جب حفاظت کرنے پر آتے ہیں تو پھر کس طرح سے حفاظت کرتے ہیں دیکھو مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا اور کبوتر نے انڈے دے دیئے دشمن اگر غار کے اندر جھانکتے تو انہیں نظر آجاتا (ترجمان السنۃ:۱۶۱/۴) صدیق اکبرؓ کو اپنی جان کی کوئی فکر اور پرواہ نہیں تھی انہیں فکر تھی تو بس اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کی امانت میرے پاس ہے، اللہ کے رسول کی فکر تھی، اس لئے آپ نے فرمایا:

اِذْ يَقُوْلُ لِصٰحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

یارسول اللہ! دیکھئے وہ آگئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ ابوبکر! فکر مت کریں، غم نہ کریں بہت سے لوگ کہتے ہیں ابوبکرؓ کو اپنی جان کی فکر تھی لیکن قرآن کریم کہتا ہے ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ اور "تحزن" دوسرے کی فکر کو کہتے ہیں اور قرآن

پاک میں ﴿تَخَافُ﴾ کا لفظ جب آتا ہے تو یہ اپنی فکر کے لئے آتا ہے۔

بات پھر وہیں سے شروع کرتے ہیں غزوۂ تبوک کا تذکرہ جاری ہے تو صحابہ کرام تیس ہزار لشکر کی صورت میں ہرقل پر حملہ کرنے کی غرض سے پہنچے تو ہرقل کے بھی قدم ڈگمگا گئے اور اس نے صلح کرلی اور بغیر جنگ کئے صحابہ کرام کامیاب و کامران لوٹے، مطالعہ کرنے اور تفاسیر کی کتب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر تبوک کے دوران رسول اللہ ﷺ کے بہت سے معجزات کا ظہور ہوا، سب سے زیادہ معجزات کا ظہور اگر ہوا ہے تو اسی غزوۂ تبوک میں ہوا ہے۔

ایک معجزہ:

ایک معجزہ تو یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ واپس لوٹ رہے تھے تو راستہ میں کھانے پینے کا سارا سامان ختم ہو چکا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب کھانے کی کوئی چیز نہیں مل رہی تھی تو صحابہ کرام اپنی سواری کے اونٹ ذبح کر کے کھانے پر مجبور ہو گئے، اس صورت حال کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ صحابہ کرام اس طرح اپنی سواری کے اونٹ کاٹتے رہے تو سواری کی تکلیف ہو جائے گی اور مدینہ پہنچنا مشکل ہو جائے گا، چنانچہ حضرت عمر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بہتر یہی ہے کہ صحابہ کے پاس جو کچھ کھانے کو ہے وہ سب جمع کیا جائے اور آپ اس میں برکت کی دعا فرما دیں تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرما دے، چنانچہ آپ نے ان کی اس تجویز کو قبول فرماتے ہوئے فرمایا کہ اعلان کرا دو جس کے پاس جو کچھ بھی ہے سب اکٹھا کر لیں، محدثین لکھتے ہیں کہ ایک سو آٹھ سیر کھانے پینے کا کل سامان جمع ہوا، رسول اللہ

ﷺ کھڑے ہو گئے وضو کیا دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ سے دعا مانگی کہ اس میں خیر و برکت نازل فرمادے، اس دعا کی بدولت اتنی برکت ہوئی کہ صحابہ کرام نے اپنے خالی برتن بھر لئے اور آرام سے کھا پی کر مدینہ تک پہنچ گئے۔

(تفسیر مظہری)

ایک صحابی جن کا نام مفسرین نے عرباض بن ساریہؓ لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک سے ہم واپس لوٹ رہے تھے تو آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا کہ کچھ کھانے پینے کا سامان لاؤ، انہوں نے اپنی کھجور کی تھیلی لا کر پیش کی، انہی ایام میں حضرت ابو ہریرہؓ سے آپ نے پھر کچھ کھانے پینے کی چیز طلب فرمائی تو حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! میری تھیلی میں تو کچھ ہے نہیں البتہ دیکھ لیتا ہوں شاید کچھ مل جائے، تھیلی جھاڑی تو صرف سات کھجوریں نکلیں چنانچہ وہ ساتوں کھجوریں پیش کر دیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کو برتن میں رکھا اور اس پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا اور فرمایا "**بِسْمِ اللّٰہ**" کہہ کر کھاؤ۔ تو عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ ہم دس آدمی اس میں سے کھا رہے تھے اور میں جو کھجوریں کھا رہا تھا ان کی گٹھلیاں اپنے دوسرے ہاتھ میں جمع کر رہا تھا، جب آخری گٹھلی شمار کی تو ۵۴ر گٹھلیاں تھیں تو اس سے معلوم ہوا کہ ان دس کھانے والوں میں سے ہر ایک نے کم از کم پچاس کھجوریں کھائیں اور یہ سلسلہ تین دن تک اسی طرح چلتا رہا، ایک دن کے کھانے کے بعد کھجور کی اتنی ہی گٹھلیاں تھیلی میں ڈال دی جاتی تھیں، جب دوسرے دن کھانے کے لئے بیٹھتے پھر آپ اپنا دست مبارک کھجوروں پر رکھ دیتے تھے اور صحابہ کرام پیٹ بھر کھا لیتے، تیسرے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ سے اس سے زیادہ برکت کی دعا مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے اسی موقع پر ایک بچہ آ گیا آپ نے وہ ساتوں

کھجوریں کھا کر اس کو دے دیں۔

(تفسیر مظہری)

نبی کی انگلیاں پانی کے چشمے بن گئیں:

ایک موقعہ ایسا بھی آیا کہ پانی ختم ہو گیا نہ وضو کے لئے پانی تھا اور نہ پینے کے لئے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! دعا فرمایئے آج تو پانی نہیں ہے آپ نے ایک پیالہ اور ایک لوٹا منگوایا، لوٹے میں تھوڑا سا پانی تھا، آپ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں اس لوٹے میں سے چشمہ ابل پڑا صحابہ کرام اپنے برتن بھر رہے تھے وضو کر رہے تھے حتی کہ انہوں نے اپنے جانوروں کو بھی پانی پلایا، اس تھوڑے سے پانی میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ تیس ہزار لشکر نے پانی پیا، اپنے برتن بھرے، بارہ ہزار اونٹ اور بارہ ہزار گھوڑوں کو پانی پلایا، اللہ کے رسول کی انگلیوں سے اللہ تعالیٰ نے وہ چشمہ جاری کر دیا کہ اتنے بڑے لشکر نے آرام سے پانی پی لیا۔ (تفسیر مظہری)

ایک موقع پر صبح صبح ایک بڑی روشنی کا ظہور ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی جبریل میرے پاس آئے تھے اور انہوں نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ کے اندر ایک صحابی معاویہ بن معاویہؓ مزنی جو بے چارے کمزور تھے ان کا انتقال ہو گیا اتنے نیک صحابی تھے کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتوں نے شرکت کی پھر آپ نے حضرت جبریل سے پوچھا جبریل! ان کا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب تھا جبریل نے عرض کیا کہ ان کو سورۂ اخلاص یعنی

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. اَللّٰهُ الصَّمَدُ. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ. وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ. (الاخلاص)

جس میں اللہ کی توحید کا ذکر ہے،ان کواس) سے محبت تھی کثرت سے پڑھتے تھے اللہ تعالیٰ کو یہ اتنا محبوب ہوا کہ ستر ہزار فرشتے ان کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔
(تفسیر مظہری)

اب میری پوری گفتگو کا خلاصہ سن لیں کہ میں نے یہ قصہ کیوں ذکر کیا اسکو سنانے کے دو مقصد ہیں،ایک مقصد تو یہ ہے کہ ان حالات اور واقعات کو سن کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی محبت ہمارے دلوں کے اندر پیدا ہو،دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہم میں یہ جذبہ پیدا ہو کہ ہم ہر عمل میں آپ ﷺ کی اتباع کریں،آپ کی نقل کریں،آپ کے نقش قدم پر چلیں،اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿۱۳﴾

غزوۂ تبوک و معجزات رسول ﷺ

(قسط دوم)

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکین
وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

۱۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غزوۂ تبوک ومعجزات رسول ﷺ

(قسط دوم)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِيۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَيِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ يَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَشَفِيۡعَنَا وَحَبِيۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَ اَهۡلِ بَيۡتِهٖ وَاَهۡلِ طَاعَتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِيۡمًا كَثِيۡراً كَثِيۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ۝ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ وَظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيۡهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ. (التوبه: ۱۱۸)

صدق الله مولانا العظيم و صدق رسوله النبی الکريم و نحن علی ذلك لمن الشاهدين و الشاکرين و الحمد لله رب العالمين۔

بزرگان محترم! الحمدللہ اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ آج ہماری تراویح میں بارہ پارے مکمل ہوئے، آج کی تراویح میں ہم نے سورۂ یونس اور سورۂ ہود کا کچھ حصہ تلاوت کیا ہے، آج آپ کے سامنے قرآن پاک کی جو آیات کریمہ تلاوت کی ہیں ان کے ضمن میں

ایک دو واقعے جو بہت اہم ہیں وہ سنانا چاہتا ہوں۔

غزوہ تبوک:

جیسا کہ اس سے پہلے کی مجلس میں ذکر کیا گیا، غزوۂ تبوک ایک انوکھا غزوہ تھا رسول اللہ ﷺ نے باقاعدہ اسکی پوری تیاری فرمائی تھی اور اطراف واکناف کے جتنے بھی دیہات تھے ان سب کو اس غزوہ میں شرکت کی دعوت دی تھی اور سخت گرمی کا موسم تھا، ابھی ابھی مکہ فتح ہوا تھا اس لئے تھکاوٹ بھی تھی، جب اس غزوہ کے متعلق آپ نے نکلنے کا حکم صادر فرمایا تو چند گروہ بن گئے، ایک گروہ تو فوراً تیار ہو گیا ایک گروہ بے انتہا تردد کرنے کے بعد راضی ہو گیا اور ایک گروہ جو معذوروں پر مشتمل تھا یہ لوگ چلنے پھرنے سے قاصر تھے وہ بے چارے نہ جا سکے، اسی طرح بعض منافقین جھوٹ بول کر جھوٹے بہانے بنا کر گھروں میں گھس گئے اور شرکت نہ کی، بعض مسلمان سستی کی بنا پر غزوہ میں شریک نہیں ہوئے، وہ کل تین آدمی تھے، اور چند منافقین شرارت کی غرض سے ساتھ ہو گئے۔

تین صحابہ کی دلچسپ کہانی قرآن کریم کی زبانی:

تو جو تین صحابہ سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے ان حضرات کے نام یہ ہیں۔ ا......مرارہ بن ربیعؓ ۲......ہلال بن امیہؓ ۳......اور کعب بن مالکؓ۔

غزوۂ تبوک میں ایک مقام پر آپ نے پڑاؤ کیا تو ایک صحابی نے عرض کیا کہ فلاں فلاں صحابی نظر نہیں آرہے ہیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس میں کوئی خیر ہوگی تو وہ ہم تک پہنچ جائیں گے اور اگر اس میں کوئی خیر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری

اس جماعت کو اس سے پاک رکھا، تھوڑی دیر کے بعد ایک اور صحابی نے کہا کہ یا رسول اللہ! حضرت ابوذر غفاریؓ بھی نظر نہیں آرہے ہیں، آپ نے پھر یہی جملہ فرمایا کہ اگر اس میں کوئی خیر ہوگی تو وہ ضرور ہم تک پہنچ جائیں گے اور اگر خیر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے پاک کردیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ:

غزوۂ تبوک پیش آیا تو ابوذر غفاریؓ بھی اپنے آقا کی معیت میں تبوک کے سفر پر روانہ ہوئے، راستہ میں ان کا اونٹ سست پڑ گیا وہ لشکر اسلام سے بچھڑ گئے دل میں شوق جہاد موجزن تھا اونٹ کو وہیں چھوڑا اور سارا سامانِ سفر پیٹھ پر لادلیا اور پیادہ پا منزل مقصود کی طرف روانہ ہوگئے آگے جا کر لشکر اسلام نے ایک جگہ قیام کیا ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! دور سے ایک شخص آرہا ہے معلوم نہیں کون ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا وہ ابوذر رہوں گے لوگوں نے دیکھا تو وہ واقعی ابوذر تھے۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم یہ ابوذر ہی ہیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابوذر اکیلے ہی چلتے ہیں اکیلے ہی مریں گے اور قیامت کے دن اکیلے ہی اٹھیں گے۔

(شمع رسالت کے تیس پروانے ص ۱۰۲۔۱۰۳)

حضرت ابوذر غفاریؓ میں بہت سی خوبیاں اور نیک خصلتیں تھیں، ان میں ایک خاص خصلت یہ بھی تھی کہ وہ ذخیرہ اندوزی کو جائز نہیں سمجھتے تھے یہاں تک کہ کل کے لئے کھانا رکھنا بھی ان کے نزدیک ذخیرہ اندوزی میں شامل تھا اور روپیہ پیسہ جمع کرنا تو نا قابل

تحمل تھا، چنانچہ مالدار لوگ حضرت ابوذر غفاریؓ سے گھبراتے تھے، حضرت ابوذر غفاریؓ ان کے پیچھے پڑ جاتے تھے کہ پیسے نکالو اور فقراء میں تقسیم کرو، مدینہ میں لوگ ان سے تنگ آگئے تھے ہر مالدار خلیفۂ وقت کے پاس شکایت لے کر جایا کرتا تھا، حضرت ابوذر غفاریؓ کی ایک خاص عادت مبارکہ یہ تھی کہ کچھ چندہ جمع کر کے لاتے اور فقراء ومساکین میں تقسیم کر دیتے تھے، تو امیروں سے فقراء ومساکین کے لئے چندہ جمع کرنا یہ ان کی عادت تھی، یہ ان کا بہت محبوب مشغلہ تھا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ ملک شام میں:

تو خلیفۂ وقت حضرت عثمان بن عفانؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا کہ ابوذر تمہاری ضرورت اس وقت شام میں بہت زیادہ ہے، تم شام چلے جاؤ، انہوں نے کہا کہ بہت بہتر ہے اور شام تشریف لے گئے اب شام پہنچے تو شام کے جتنے مالدار تھے ان کی شامت آگئی، حضرت ابوذرؓ ڈنڈا لے کر کھڑے ہو جاتے تھے کہ چندہ نکالو تو اب خلیفۂ وقت کے پاس شام سے بھی شکایتیں آنے لگیں کہ ابوذر نے سب کو تنگ کر دیا ہے، لوگ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اور اللہ کے راستے میں صدقہ وخیرات بھی کرتے ہیں، اوپر سے حضرت ابوذر ہیں کہ انہوں نے سب لوگوں کو تنگ کر دیا ہے، لوگوں نے شکایت کی کہ اللہ کے رسول کا حکم تو یہ ہے کہ جس نے زکوٰۃ ادا کی اس نے حق ادا کر دیا لیکن حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ کل کے لئے بھی مت رکھو، حضرت ابوذرؓ نے ایک مرتبہ اپنے خادم سے کہا کہ میرے اونٹوں میں سے بہترین اونٹ ذبح کر کے سارے فقراء ومساکین میں تقسیم کر دو اور جتنا حصہ ایک فقیر کے گھر میں جائے اتنا ہی حصہ میرے گھر میں بھی جائے، چنانچہ خادم

گیا اور ایک بہترین اونٹ لے کر حاضر خدمت ہوا تو حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ میرے اونٹوں میں سب سے بہتر اونٹ یہی ہے؟ خادم نے کہا کہ نہیں، یہ دوسرے نمبر پر ہے، اس سے بہتر ایک اور اونٹنی ہے اس میں دو خوبیاں ہیں ایک تو وہ دودھ دیتی ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سواری کے کام بھی آتی ہے، اس لئے میں اس کو چھوڑ کر کچھ گھٹیا درجے کا اونٹ لے کر آیا ہوں، تو آپ نے فرمایا اوکم بخت! میرے لئے کام آنے والا مال وہی ہے جو آخرت میں جمع ہو جائے اور آخرت میں مجھے کام آئے، باقی سب تو میرے لئے کام آنیوالے نہیں ہے وہی اچھی اونٹنی لاؤ چاہے دودھ دیتی ہو یا سواری کے کام آتی ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (اٰل عمران: ۹۲)

[اس وقت تک تم کامل نیکیاں حاصل نہیں کر سکتے ہو جب تک کہ اپنی محبوب چیز کو میری راہ میں قربان نہ کردو] اور

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ. (النحل: ۹۶)

[جو کچھ تمہارے پاس ہے سب ختم ہونے والا فنا ہونے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں جمع کردیا وہ باقی رہے گا]

تو حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذر کو (ملک) شام خط لکھا کہ ابوذر! تمہاری بہت یاد آتی ہے لہذا تم مدینہ منورہ آجاؤ، حضرت ابوذرؓ مدینہ منورہ تشریف لائے اور اپنا وہی کام شروع کیا جو ان کی عادت تھی کہ مالداروں سے رقم حاصل کر کے غرباء فقراء اور مساکین میں تقسیم کرنا، حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے کہا کہ روزانہ ملاقات کرنے سے

محبت کم ہوجاتی ہے،اس لئے آپ ایسا کریں کہ مدینہ منورہ کے قریب ایک دیہات ہے''ربذہ'' وہاں جاکر آباد ہوجائیں،حضرت ابوذرؓ نے اس پر لبیک کہااور وہاں جاکر ایک جھونپڑی لگا کر رہنے لگے،جب موت کا وقت قریب آیا تو اکیلے اپنی جھونپڑی میں تھے پاس کوئی بھی نہیں تھا،تمام صحابہ کرام حج میں گئے ہوئے تھے حضرت ابوذرغفاریؓ کی حالت زیادہ نازک ہوئی تو ان کی اہلیہ محترمہ کی روتے ہوئے ہچکیاں بندھ گئیں اس وقت ابوذر کے بستر سے آواز آئی تمہیں کس نے رلایا؟ بیوی نے کہا تمہاری موت کا وقت قریب آ گیا اور میں ایک عورت ہوں اتنی طاقت وقوت نہیں کہ اس پتھریلی زمین میں تمہارے لئے قبر کھود سکوں،اور ہائے افسوس گھر میں کفن بھی نہیں ہے جس میں تمہیں کفنا سکوں۔

حضرت ابوذرؓ نے بیوی کی یہ باتیں سن کر بڑے اطمینان وسکون کے ساتھ فرمایا مت روؤ پھر فرمایا کہ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ میں بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھا اس وقت آپ نے فرمایا تھا یقیناً تم لوگوں میں ایک شخص چٹیل سنسان وادی و جنگل میں دم توڑ دے گا جس کے جنازے میں مسلمانوں کا ایک گروہ آ کر شریک ہوگا اس مجلس مبارک میں جتنے لوگ موجود تھے ان میں سب کے سب آبادی میں وفات پا چکے اور اب صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں جو اس وقت یہ وادی ربذہ میں بے کسی میں دم توڑ رہا ہوں تو جا راستہ پر جا کر بیٹھ جا مسلمانوں کی ایک جماعت ضرور آ رہی ہوگی کیوں کہ خدا کی قسم نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا۔اللہ اکبر!

محترم سامعین کرام! موت کے وقت بھی انہیں اللہ تعالیٰ کے سچے رسول کی باتوں پر کتنا یقین تھا کیوں کہ حضرت عثمانؓ حج میں تشریف لے گئے تھے سارے صحابہ حج

میں گئے ہوئے تھے بیوی صاحبہ نے کہا اب لوگ کہاں سے آئیں گے حجاج کرام کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی بند ہو چکا ہے راستہ بالکل صاف وسنسان ہے ابوذر نے فرمایا تم جاؤ تو سہی جا کر دیکھو بھی تو حضرت ابوذرؓ کی اہلیہ روتی دھوتی امید و ناکامی کے ساتھ اٹھیں اور سڑک کے کنارے جا کر بیٹھ گئیں آپ کی اہلیہ محترمہ کا اس وقت کیا حال ہوگا وہ آپ حضرات کو سمجھانے کی ضرورت نہیں یکا یک آپ کی اہلیہ محترمہ حیران ہوتی ہے کہ کچھ لوگ عربی عماموں والے اونٹوں پر سوار گرد وغبار میں ڈوبے ہوئے آناً فاناً ان کے سر پر پہنچ گئے قافلہ نے اپنے اپنے اونٹوں کو روک لیا جو صاحب سب سے آگے تھے انہوں نے حضرت ابوذرؓ کی اہلیہ محترمہ سے پوچھا مائی صاحبہ آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں آپ پر کیا حادثہ گذرا؟ کیا مشکل پیش آئی ہے، اس وقت آپ کی اہلیہ نے فرمایا ایک مسافر مسلمان بے چارہ جاں کنی کی حالت میں ہے، خدارا اس کے کفن دفن کا سامان کرو، قافلے والوں نے سوال کیا کس شخص کی یہ حالت ہے ابوذر کی اہلیہ نے کہا ایک صحابی ہے، ابوذر اس کا نام ہے۔ ابوذر کا نام سن کر قافلے والوں کے ہوش اڑ گئے۔

اس وقت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

صدق رسول اللہ ﷺ یا اباذر یعیش فریدا و یموت فریدا و یبعث یوم القیامة فریدا.

اونٹوں کو بٹھایا گیا اور غم زدہ قافلہ ان کے خیمہ کی طرف روانہ ہوا اور ادھر قافلہ کے آنے سے قبل ابوذرؓ نے اپنی بیٹی سے کہا کہ بیٹی! ایک بکری ذبح کرلو اور فوراً اس کے گوشت کو آگ پر چڑھا دو گھر میں مہمان آرہے ہیں جب وہ مجھے دفن کرلیں تو تم ان سے

کہنا کہ میرے والد نے کہا ہے آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے قسم دی ہے کہ جب تک کھانا نہ کھالیں اپنی سواریوں پر سوار نہ ہوں اس کے بعد بیٹی سے یہ بھی کہا ایک مہمانوں کی جماعت آنے والی ہے جو کھاتی پیتی نہیں لیکن خوشبو پسند کرتی ہے گھر میں فلاں جگہ مشک رکھا ہوا ہے اسی کو گھول کر پانی میں ملالو اور تمام خیمہ پر اسے چھڑک دو۔

سکرات کی حالت میں سنت رسول ﷺ پر عمل:۔

حضرت ابوذرؓ سے رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ مہمان کا اکرام کرنا اسی سنت پر عمل کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا اس وقت ابوذرؓ نے ان قافلے والوں سے فرمایا میں تمہیں خوشخبری سناتا ہوں آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت میرے کفن دفن میں شریک ہوگی، اللہ اکبر! اس جماعت کے مسلمان ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے جسکی پیشن گوئی خود جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہو۔

اس کے بعد ابوذرؓ نے ایک بڑی پیاری حدیث سنائی میں نے اپنے خلیل ﷺ سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے دو بچے مر گئے ہوں اور وہ ان کی موت پر صبر سے کام لے اور پھر ثواب کی امید لگائے ایسا شخص ہمیشہ کے لئے آگ کے شعلوں سے محفوظ رہے گا۔

حضرت مولانا مُناظر احسن گیلانیؒ نے یہاں پر ایک بڑا مفید نکتہ لکھا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ابوذر دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں مگر اپنے افعال واعمال پر بھروسہ کر کے نہیں جاتا اپنے صدقات وخیرات پر اعتماد نہیں ہے نہ ہی اپنے کسی عمل پر غرور وناز ہے ہاں! اگر صرف ایک آس اور امید ہے تو یہ ہے کہ میرے چند بچے کمسنی میں فوت ہوگئے شاید وہی میری بخشش ومغفرت کا ذریعہ بن جائیں اس کے بعد قافلے والوں سے فرمایا

اے کاش! میرے پاس اتنے کپڑے ہوتے کہ میں اسے کفن بنالیتا تو پھر مجھے کسی کے کفن کی ضرورت نہیں رہتی، مگر خدا تعالیٰ کی مرضی یہی ہے، میں آپ لوگوں کے کفن میں جاؤ اب آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں اور خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے جو شخص بھی کفن دے وہ نہ تو کسی صوبے کا ذمہ دار ہو نہ حکومتی کارندہ حالانکہ یہ خیر القرون کا دور ہے اتفاق تو دیکھئے اس قافلہ میں جتنے لوگ تھے وہ قریب قریب کسی نہ کسی عہدہ پر فائز تھے صرف ایک انصاری جوان ایسے تھے جو حکومت کے کسی عہدے پر نہیں تھے انہوں نے کہا میرے تھیلے میں دونئ چادریں رکھی ہیں جن کو میری ماں نے بُنا ہے ایک چادر میرے بدن پر پڑی ہے اور باقی تین کپڑے آپ کے کفن کے لئے کافی وافی ہیں اس کے بعد حضرت ابوذرؓ کا انتقال ہوگیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے رفقاء کے ساتھ کفن دفن کے بعد ان کی بیوی ویتیم بچی کو تسلی کے چند کلمات کہے اور جب چلنے کا ارادہ کیا اور اجازت چاہی تو بیٹی نے کہا کہاں تشریف لیجا رہے ہیں؟ میرے ابا نے موت کے وقت وصیت کی تھی اور خدا کی قسم دی تھی کہ جب تک آپ لوگ کچھ کھا پی نہ لیں اپنی سواری پہ سوار نہ ہوں اور اپنی زندگی میں ایک بکری بھی ذبح کروا کے مجھے پکانے کا حکم دیا تھا جس کا گوشت اب پک کر تیار ہو چکا ہے آپ اس میں سے کچھ کھا کے جائیے۔

(ابوذر غفاریؓ۔ مصنف مولانا مناظر احسن گیلانیؒ)

درمیان میں حضرت ابوذرؓ کا واقعہ یاد آگیا اصل میں میں غزوۂ تبوک بیان کررہا تھا، بہر حال آپ جب غزوے سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب بھی آپ کسی سفر سے واپس لوٹتے تو سب سے پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت

نماز ادا فرماتے تھے اور اس کے بعد پھر گھر تشریف لے جاتے تھے،آپ کے واپس لوٹتے ہی سب لوگ مسجد میں آنے لگے اور آکر معذرت کرنے لگے۔قرآن کریم اس کو بیان کرتا ہے کہ ﴿يَعْتَذِرُونَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ﴾ (التوبہ:۹۴) مجھے فلاں تکلیف تھی فلاں عذر پیش آیا تھا،آپ ﷺ نے سب کی معذرت قبول فرمائی اور نہ صرف معذرت قبول کی بلکہ ان کے لئے مغفرت کی دعا بھی کی،ان میں بعض منافقین بھی تھے آپ ﷺ نے انہیں بھی معاف کردیا۔

حضرت کعب بن مالکؓ کی دربار رسول میں حاضری:

اتنے میں حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی ڈرتے ڈرتے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اپنے دل میں سوچا کہ کوئی جھوٹا بہانہ بنالوں لیکن اسی دم میرے دل میں خیال گذرا کہ اگر میں اللہ کے رسول کے سامنے جھوٹ بول بھی دوں تو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ آپ کو مطلع کردیں گے اور میری رسوائی میں اضافہ ہوجائے گا اور مجھ سے بدتر آدمی کوئی نہیں ہوگا،لہٰذا مجھے تو سچ ہی کہنا ہے چنانچہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور السلام علیکم کہا حضور ﷺ نے کچھ بے توجہی اور ناراضگی کے ساتھ وعلیکم السلام فرمایا پھر اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا کہ کعب تم کیوں نہیں آئے تھے؟

حضرت کعب بن مالکؓ خود بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر میری حالت تمام غزوات سے اچھی تھی، میں ہر غزوہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھا صرف غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوا تھا لیکن غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے والوں پر اللہ کے رسول کا ﷺ غصہ نہیں تھا۔فرماتے ہیں کہ میں اس وقت بہت آسودہ حالت میں تھا اور میں نے

غزوۂ تبوک میں شرکت کرنے کے لئے دو سواریاں تیار کی تھیں لیکن ''آج کل'' ''آج کل'' کے چکر میں اٹکا رہا اور وقت گذر گیا۔

خیر حضرت کعب بن مالکؓ نے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے سچی سچی بات کہدی کہ اللہ کے رسول! مجھے شرکت کرنی تھی لیکن آج کل آج کل کے چکر میں پڑ گیا اور اس دوران وقت گذر گیا اس لئے میں شریک نہیں ہوسکا، آپ نے فرمایا کہ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہارا فیصلہ فرمائیں گے، اللہ کے رسول ﷺ کی ناراضگی وہ بھی اللہ کے رسول کے سچے عاشق کے لئے بہت سخت مقام اور امتحان ہے، جب کسی کو کسی سے محبت ہو جائے تو محبوب کی ادنیٰ سی ناراضگی بھی بہت بھاری پڑتی ہے۔

بری عادت چھوڑنے کا سلیقہ:

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی خدمت میں ایک مرید نے خط لکھا کہ حضرت میرے اندر ایک بہت بری عادت ہے، بہت کوشش کرتا ہوں لیکن چھوٹتی نہیں، پوچھا وہ کیا ہے؟ کہا کہ جھانکنے تاکنے اور گھورنے کی عادت ہے، کسی خوبصورت اور خوبرو کو دیکھتا ہوں تو اسے گھورتا رہتا ہوں اور بہت کوشش کی کہ یہ عادت چھوٹ جائے پر چھوٹتی نہیں کوئی تعویذ، کوئی تسبیح بتائیے تا کہ یہ بری عادت چھوٹ جائے۔

تو حضرت تھانویؒ نے خط کے جواب میں صرف دو سطریں لکھیں، کہا جب تک یہ عادت چھوٹ نہ جائے مجھے دوبارہ خط نہ لکھیں، بس اس خط کا ملنا تھا کہ علاج ہو گیا اور اسی دن سے یہ بری عادت چھوٹ گئی، حضرت تھانویؒ بڑے نبض شناس اور روحانی معالج تھے ایک معمولی نسخہ سے روحانی علاج کر دیا لیکن مرید بھی سچا تھا ورنہ آج کل کے مرید پیر

کی پرواہ نہیں کرتے ہیں اتنا لکھنے پر خط و کتابت بھی بند کر دیتے پھر پیر کو بھی چھوڑ دیتے ،تو اللہ کے رسول ﷺ نے کعب بن مالکؓ سے فرمایا کہ اب تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا، مجھ سے بات مت کرنا۔

تو یہ وقت حضرت کعب پر کیسا گذرا ہوگا خدا ہی بہتر جانتا ہے باہر نکلے تو بنو سلمہ کے ایک شخص نے کہا کہ کتنے لوگوں نے کیا کیا بہانے بنائے آپ بھی کوئی بہانہ بنا لیتے اور اللہ کے رسول ﷺ کو راضی اور خوش کر لیتے اللہ کے رسول آپ کے لئے مغفرت کی دعا فرما دیتے یہ آپ کے لئے کافی تھا۔

حضرت کعب بن مالکؓ نے کہا کہ مجھ سے کوئی بہانہ نہیں بن رہا تھا میں جھوٹ نہیں بول سکتا تھا، میں اللہ کے رسول کو دھوکہ نہیں دے سکتا تھا،اس لئے میں نے ساری باتیں اللہ کے رسول سے سچ سچ کہدی،اوراب تو میرا فیصلہ اللہ کے رسول نے اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا ہے، حضرت کعب بن مالکؓ نے پوچھا کہ میرے ساتھ شریک نہ ہونے والوں میں اور بھی کوئی ہے، تو بتایا گیا کہ دو آدمی اور بھی ہیں جو پیچھے رہ جانے والوں میں ہیں۔

سوشل بائیکاٹ کا اعلان:

ایک مرارہ بن ربیعؓ اور دوسرے ہلال بن امیہؓ، انہوں نے سوچا کہ ہر غزوہ میں شرکت ہوئی ہے اگر ایک غزوہ میں اعذار کی بنا پر شریک نہ ہوں تو ہوسکتا ہے کہ قابل گرفت نہ ہو، مرارہ بن ربیعؓ کی کھیتی بالکل تیار تھی، فصل پک چکی تھی ان کو فصل کاٹنی تھی، اس لئے شریک نہیں ہوئے اللہ کے رسول نے ان تینوں شریک نہ ہونے والے حضرات کے بارے میں فیصلہ فرما دیا کہ ان تینوں سے کوئی بندہ سلام کلام کچھ بھی نہ کرے۔اس کے نتیجہ

میں ہر آدمی نے بلکہ بیوی بچوں تک نے ان سے بات چیت کرنا چھوڑ دیا، حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ دوسرے دو حضرات تو بہت بوڑھے تھے وہ اپنے گھروں میں پڑے رویا کرتے تھے لیکن میں تو نوجوان تھا مدینہ منورہ کے بازاروں میں جاتا اور ادھر ادھر گھومتا تھا لیکن زمین اتنی تنگ محسوس ہوتی تھی کہ اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا خود قرآن مجید نے اس تنگی کی شہادت دی ہے:

ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

[زمین کشادہ ہونے کے باوجود ان کے لئے تنگ ہوگئی تھی]

مجھ سے کوئی بات چیت نہیں کرتا تھا اللہ و رسول کا خوف غالب تھا طرح طرح کے افکار پریشان کر رہے تھے توبہ و استغفار کے علاوہ اور کیا کرسکتا تھا وہ کر رہا تھا اور توبہ قبول کرنے کی بارگاہ صمدیت میں دعا کرتا تھا ڈر یہ تھا کہ اسی حالت میں موت آگئی تو اللہ کے رسول ﷺ میری نماز جنازہ نہیں پڑھائیں گے اور اگر خدانخواستہ اللہ کے رسول کا وصال ہوگیا تو سارے صحابہ پوری زندگی مجھ سے سلام و کلام نہیں کریں گے اس لئے اللہ کے حضور روتا تھا گڑگڑاتا تھا توبہ کرتا تھا۔

شاہ غسان کا مکتوب:

اتنے میں بازار میں شور مچا کہ غسان کے بادشاہ کی طرف سے آیا ہوا ایک شخص حضرت کعبؓ کے گھر کا پتہ پوچھ رہا ہے اور گھر ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے حضرت کعب کے پاس پہنچ گیا ہے اس نے حضرت کعب کو شاہ غسان کا خط دیا اس میں لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ محمد نے تمہارے ساتھ سلام و کلام بند کر دیا ہے اور تمہیں ذلیل کر دیا ہے، ہمیں اس

سے بہت دکھ اور افسوس ہوا ہے اور ہم تمہارے دکھ میں تمہارے ساتھ شریک ہیں ایسی ذلت کی زندگی سے تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہیں بڑا عہدہ دیں گے، یہ بادشاہ عیسائی تھا اس نے حضرت کعبؓ کو لالچ دیا، حضرت کعبؓ نے یہ خط پڑھا تو زاروقطار رونے لگے روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اے اللہ! آج میری یہ حالت ہوگئی ہے کہ کافر بادشاہ بھی میرے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس خط کو لے کر تنور میں ڈال دیا آگ میں ڈال دیا۔

وہ فرماتے ہیں میں مسجد جاتا اور حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتا اور جب میں آپ کا چہرۂ انور دیکھتا تو آپ منہ پھیر لیتے فرماتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد اللہ کے رسول کی طرف سے قاصد آیا اور کہا کہ آج سے تم اپنی بیوی کو بھی علیٰحدہ کردو، میں نے پوچھا کہ طلاق دے دوں؟ جواب ملا کہ طلاق نہیں ہم بستری اور سلام وکلام بند کردو یعنی مکمل قطع تعلق کرلو۔ یہی حکم ہلال ابن امیہؓ اور مرارہ بن ربیعؓ کو بھی دیا گیا تو حضرت ہلال ابن امیہؓ کی بیوی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ! میرے شوہر بوڑھے کمزور اور انتہائی ضعیف ہیں ان کی خدمت کے لئے میرے سوا کوئی اور نہیں ہے آپ اگر اجازت دیں تو میں ان کی خدمت کرتی رہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدمت کرنے کی تمہیں اجازت ہے لیکن ان سے قربت کی اجازت نہیں ہے وہ کہنے لگی کہ ہم بستری کرنے کے تو وہ اب اہل نہیں ہیں اور جب سے آپ کی طرف سے ان کے لئے ناراضگی ہے اس وقت سے ان کے آنسو رکے نہیں ہے روتے ہی رہتے ہیں، حضرت کعب بن مالکؓ سے کچھ لوگوں نے کہا کہ جاؤ اور اپنی بیوی سے کہو کہ جاکر حضور سے تمہاری خدمت کرنے کی

اجازت لے لیں، آپ نے کہا نہیں! مجھے یہ ہمت نہیں ہورہی کیونکہ ہلال ابن امیہؓ تو بوڑھے ہیں اور میں تو نوجوان ہوں اگر اللہ کے رسول نے کچھ فرمادیا تو مزید صدمہ ہوگا۔

اطاعت رسول کا جذبہ:

تو حضرت کعب بن مالکؓ اپنی زندگی سے تنگ آگئے، ایک دن اپنے چچازاد بھائی حضرت قتادہؓ کے مکان کی طرف گئے اور دیوار کے قریب آواز دی: قتادہؓ! قتادہؓ! قتادہؓ! لیکن کوئی جواب نہیں ملا اس لئے کہ ان کا حال تو یہ تھا کہ اگر اللہ اور اس کے رسول کہہ دیں کہ تعلق رکھو تو تعلق ہے اور اگر اللہ اور اس کے رسول کہہ دیں کہ تعلق ختم کردو تو پھر اپنے بھی پرائے ہیں، حضرت قتادہؓ سے کہا کہ میں تجھے اپنی رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں، میں بالکل سچا مسلمان ہوں بات چیت کیوں نہیں کرتے ہو؟ قتادہؓ نے کہا کہ واقعی تم سچے اور پکے مسلمان ہو لیکن اللہ کے رسول نے فرمایا ہے کہ تم سے بات چیت کرنا منع ہے، جب تک اللہ کے رسول اجازت نہیں دیں گے میں آپ سے بات چیت نہیں کرسکتا، وہ مایوس ہوکر پھر اپنے گھر لوٹ آئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے یہاں تک کہ دس دن اور گزر گئے دس دن بعد اللہ کے رسول مسجد میں تشریف فرما تھے کہ قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. (التوبہ: ۱۱۸)

اللہ تعالیٰ کی توجہ مبذول ہوئی اور توبہ قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان اور توبہ

قبول کرنے والے ہیں اوران کی توبہ محض اس لئے قبول ہوئی کہ وہ سچ بولے جھوٹ نہیں بولے وہ سچے تھے،اس لئے ان کی تعریف میں قرآن کریم فرماتا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. (التوبه: ۱۱۹)

[اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرواور سچوں کے ساتھ رہو]

تفسیر جلالین میں ہے:

وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. ای کونوا مع الکاملین

ایمان والو! اللہ سے ڈرواور کاملین کی صحبت میں رہو جب توبہ قبول ہوئی تو ایک شخص نے اپنے گھر کی چھت سے حضرت کعب بن مالکؓ کو آواز دی کہ تمہارے لئے خوشخبری ہو کہ تمہاری توبہ قبول ہوئی اور تمہاری توبہ کی آیت قرآن کریم میں نازل ہوگئی،اسی طرح ایک شخص دوڑتا ہوا گیا اور حضرت کعبؓ سے کہا کہ تمہارے لئے خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی،حضرت کعبؓ نے خوشی کے عالم میں اپنے دونوں کپڑے نکالے اوراس خوشخبری سنانے والے کو ہدیہ اور تحفہ کی صورت میں دے دیئے اور کہا کہ اس وقت میری ملکیت میں ان کپڑوں کے سوااور کچھ نہیں ہے،کسی دوسرے سے عاریۃً کپڑے لے کر پہن لئے اور اپنے کپڑے اس خوشخبری سنانے والے کو تحفۃً دے دیئے پھر مسجد میں آئے اور اللہ کے رسول کی مجلس میں پہنچے تو سب سے پہلے طلحہ بن عبید اللہؓ آگے بڑھے معانقہ کیا اور کہا کہ مبارک ہو تمہاری توبہ کی آیت قرآن پاک میں نازل ہوگئی ہے،ہر طرف سے صحابہ کرام آنے لگے اور کہنے لگے مبارک یا کعب! مبارک ہو تمہیں اے کعب بن مالکؓ! حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اسلام لانے کے بعد سب

سے زیادہ خوشی اس دن ہوئی جب قرآن مجید میں میری توبہ قبول ہونے کی آیت نازل ہوئی، تو یہ حضرت کعب بن مالکؓ کا واقعہ تھا جو آپ نے شاید اس سے پہلے بھی سنا ہوگا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ۵۰/دن کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی اور قرآن کریم کی وہ آیتیں جو میں نے شروع میں پڑھی تھیں وہ نازل ہوئیں، ان کی توبہ پچاس دن کے بعد قبول ہوئی۔ کیونکہ غزوہ تبوک کا سفر بھی ۵۰/دن کا تھا۔ بہر حال یہ حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے ساتھیوں کی بہت بڑی سعادت مندی ہے کہ ان کی توبہ کی آیت قرآن کریم میں نازل ہوئی قیامت تک ان آیتوں کو اہل ایمان تلاوت کریں گے منبر و محراب پہ آیتیں تلاوت کی جائیں گی۔

ان تینوں صحابہ کرام کے نام یاد رکھنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ لفظ ’مکہ‘ یاد رکھو۔ ’’م‘‘ سے مرارہ ابن ربیعؓ۔ ’’ک‘‘ سے کعب بن مالکؓ۔ ’’ہ‘‘ سے ہلال ابن امیہؓ۔ یاد رکھو گے یا بھول جاؤ گے؟ (حاضرین نے جواب دیا ان شاءاللہ یاد رکھیں گے)

جب ان تینوں حضرات کی توبہ قبول ہوئی تو ان تینوں نے اللہ کے رسول سے عرض کیا کہ ہم اپنے مال کو صدقہ کر دینا چاہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ مال اپنے پاس رکھو اور کچھ صدقہ کر دو، چنانچہ انہوں نے کچھ مال اپنے پاس رکھا اور کچھ صدقہ کر دیا۔

تو ایک ان لوگوں کا ایمان تھا کہ معمولی معمولی غلطیوں پر بھی روتے تھے گڑگڑاتے تھے اور رات دن استغفار میں لگے رہتے تھے اور ایک ہمارا ایمان ہے کہ کبھی بھولے سے بھی توبہ کی توفیق نہیں ہوتی، حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت ہلال بن

امیہؓ اور حضرت مرارہؓ کے ایمان کو بھی دیکھئے کہ انہوں نے سب کچھ قربان کر کے اپنے رب کی رضا کو مقدم رکھا کہ مالک ہم سے خوش ہو جائے، دنیا والے چاہے بات کریں یا نہ کریں دنیا والے چاہے عزت کریں یا نہ کریں ہمیں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی اور رضامندی چاہئے ــــــــ:

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکین
وہ نہ سمجھیں کہ مری بزم کے قابل نہ رہا

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی توبہ کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

۱۴

مقصد حیات اور فکر آخرت

خدا جانے کہاں جانا ہے ناواقف ہوں منزل سے
ازل سے پھرتے پھرتے گور تک پہنچا ہوں مشکل سے

﴿۱۴﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقصد حیات اور فکر آخرت

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡكَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیۡعَنَاوَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ۝ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝
وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ. مَا اُرِیۡدُ مِنۡھُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّمَا اُرِیۡدُ اَنۡ یُّطۡعِمُوۡنِ. (الذاریات: ۵۶،۵۷)

وقال اللّٰہ سبحانہ وتعالی فی مقام آخر: اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا وَّاَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ. (المؤمنون: ۱۱۵)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلك لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

خدا جانے کہاں جانا ہے ناواقف ہوں منزل سے
ازل سے پھرتے پھرتے گورتک پہنچا ہوں مشکل سے

بزرگان محترم! دنیا میں کوئی انسان کوئی بھی حرکت کرتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی

مقصد ہوتا ہے، آپ اور ہم یہاں مسجد میں بیٹھے ہیں اس کا بھی کوئی مقصد ہے اور مقصد یہ ہے کہ ہم نماز پڑھنے آئے ہیں تراویح پڑھنے آئے ہیں، دین کی باتیں سننے کے لئے آئے ہیں۔ ایک طالب علم اسکول جاتا ہے مدرسہ جاتا ہے اس کے جانے کا بھی ایک مقصد ہوتا ہے اور مقصد تعلیم حاصل کرنا ہوتا ہے۔

نشان منزل مقصود:

اسی طرح اگر کوئی کسی شیخ کامل، کسی بزرگ کے پاس جاتا ہے اس کا بھی ایک مقصد ہوتا ہے کہ ان کی خدمت میں جا کر اپنی اصلاح کروں گا۔ تربیت حاصل کروں گا، نیکی اور تقویٰ میری طبیعت بن جائے گی، اسی طرح ہر چیز کا ایک متعین مقصد ہوتا ہے کوئی چیز بے مقصد نہیں ہوتی، اگر آپ ریل گاڑی میں سفر کر رہے ہیں اور پاس میں ایک صاحب بیٹھے ہیں آپ اس سے پوچھتے ہیں کہ بھائی کہاں جانا ہے؟ کیا مقصد ہے؟ وہ کہے کہ میں تو ایسے ہی جا رہا ہوں کوئی مقصد نہیں ہے تو آپ اسے کیا کہیں گے مجنون ہی کہیں گے نا، آدمی کا کوئی بھی سفر ہو کوئی بھی حرکت ہو کسی مقصد کے لئے ہوتی ہے اور یہ عقلی اور حسی قاعدہ ہے کہ کوئی حرکت خود مقصود نہیں ہوتی بلکہ اصل مقصد تو منزل مقصود تک جانا ہوتا ہے (پہنچنا ہوتا ہے) جہاں آپ کو جانا ہے اصل مقصود تو وہ ہے ریل گاڑی، جہاز بس وغیرہ یہ تو سفر کے ذرائع ہیں اس کے ذریعے آپ منزل مقصود پر پہنچے ہیں۔

سفر زمانی اور سفر مکانی:

اسی طرح ہر انسان کی نقل وحرکت کا ایک مقصد ہوتا ہے اور ہماری زندگی کا بھی ایک سفر چل رہا ہے ہم سب اس وقت مسافر ہیں، ایک سفر سفر مکانی ہوتا ہے کوئی شخص کسی

ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف جاتا ہے یا کوئی ایک ملک سے دوسرے ملک جاتا ہے تو یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اس کو سفر مکانی کہتے ہیں ایک سفر وہ ہوتا ہے جس کو سفر زمانی کہتے ہیں، زمانے کے اعتبار سے سفر ہوتا ہے، ہم سب اس وقت مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم سب سفر میں ہیں ہم سب مسافر ہیں یہ سفر ہمارا موت کی طرف جاتا ہے ارادہ کریں یا نہ کریں خود بخود سفر ہو رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں زندگی عطا فرمائی ہے اس کا بھی ایک مقصد ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری زندگی کا آغاز ماں کے پیٹ سے شروع ہوا ہے حقیقت یہ ہے کہ ماں کا پیٹ تو ایک اسٹیشن ہے ہمارا سفر تو اس سے بھی پہلے شروع ہوا ہے، حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جب حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو ان کی پشت پر اپنا ہاتھ مارا اور اس سے بہت سی روحیں عالم ارواح میں ذروں کی شکل میں نکالیں، یہ روحیں جنتی روحیں تھیں مؤمنین کی روحیں تھیں، پھر دوسرا ہاتھ مارا تو جہنمی روحیں نکالیں یعنی کافروں کی روحیں نکلیں ان تمام روحوں کو اللہ تعالیٰ نے عالم ذر میں جمع فرمایا اور تمام کو عقل وشعور بھی عطا فرمایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ہر ایک سے ایک سوال کیا کہ

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (الاعراف: ۱۷۲)

کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب خاموش تھے کہ اس کا جواب کیا دیں سب سے پہلے جناب رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ بیشک آپ ہمارے رب ہیں، پھر تمام انبیاء اور اس کے بعد تمام روحوں نے اس کا جواب دیا:

قَالُوۡا بَلٰی

[بیشک آپ ہمارے پروردگار ہیں] اللہ تعالیٰ نے ان تمام روحوں سے عہد لیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان تمام روحوں کو حضرت آدمؑ کی پشت میں داخل کردیا، پھر آدمؑ دنیا میں آئے، ان کی پشت سے پشت در پشت ہم پیدا ہوگئے، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو ہمارے ساتھ قول اور عہد ہے دنیا میں جاکر اسے بھول مت جانا:

اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی شَهِدۡنَا اَنۡ تَقُوۡلُوۡا یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اِنَّا کُنَّا عَنۡ هٰذَا غٰفِلِیۡنَ. (الاعراف: ۱۷۲)

پھر قیامت کے روز ہمارے سامنے آکر یہ مت کہنا کہ ہم تو اسے بھول گئے تھے، ہمیں تو یاد ہی نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسکی یاد دہانی کے لئے انبیاء کا سلسلہ شروع کردیا، حضرت آدمؑ سے لے کر آپ تک یہ سلسلہ اسی یاد دہانی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جاری فرمایا انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتابیں بھی نازل فرمائیں۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی:

دنیا کی زندگی ختم ہوجائے گی سب موت سے ہم کنار ہوں گے تو پھر یہاں سے ایک اور عالم میں سب پہنچ جائیں گے اس کو ''عالم برزخ'' کہتے ہیں، پھر اس عالم میں جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی سلوک ہوگا، اعمال اچھے ہوں گے تو برتاؤ بھی اچھا ہوگا اعمال برے ہوں گے تو سلوک بھی برا ہوگا، اللہ تعالیٰ عذاب قبر سے سب کو بچائے۔

قبر میں تین سوال:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ قبر ایک گڑھا ہے بلکہ فرمایا: "**القبر حفرة من حفر النار او روضة من رياض الجنة**" [قبر یا تو جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔] جو ایمانی زندگی گزار کر جائے گا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب اسے قبر میں لٹایا جائے گا اور لوگ اسے چھوڑ کر چلے جائیں گے تو

جاء ملكان يقعدان

[دو فرشتے آئیں گے اور اسے بٹھائیں گے] اور سوال و جواب کریں گے، کل تین سوالات ہوں گے۔ ۱...... "**من ربک**" تمہارا رب کون ہے؟ ۲...... "**مادینک**" تمہارا دین کیا ہے؟ ۳......"**ماتقول فی هذا الرجل**" جس جگہ قبر ہوگی وہاں سے رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے پردے ہٹا کر سوال کیا جائے گا کہ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں یہ سوالات ہم نے پڑھے ہیں اور اس کے جوابات یہاں خوب یاد کر کے قبر میں فر فر دے دیں گے لیکن جس نے ایمانی زندگی گزاری ہوگی اس کے لئے آسان ہوگا اس کے لئے سوالات آسان ہوں گے لیکن جس کی ایمانی زندگی نہیں ہوگی تو وہ سوالات کے جوابات نہیں دے سکے گا، کافر کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ کہے گا

لاادری، لاادری، لاادری

[مجھے کچھ معلوم نہیں، مجھے کچھ معلوم نہیں، مجھے کچھ معلوم نہیں]

میں کچھ نہیں جانتا، تو جو ایمانی زندگی گزار کر قبر میں جائے گا، اسے ایک مثالی اور خیالی منظر دکھایا جائے گا عصر کا وقت ہوگا فرشتے اس سے سوال کرنے آئیں گے لیکن وہ کہے گا مجھے چھوڑ دو نماز عصر کا وقت ہے، مجھے نماز پڑھنی ہے اور وہ نماز عصر کا وقت ہوگا، سوال پیدا ہوتا ہے کہ عصر کا وقت کیوں منتخب ہوا؟

علماء کرام نے اس سلسلہ میں ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ عصر کا وقت مندوب و کامل ہوتا ہے اور تاخیر کرنے میں وقت کامل مکروہ ہو جاتا ہے، سورج کی شعاعیں زرد ہونے لگتی ہیں اور وقت تنگ ہوا جاتا ہے، اس لئے مؤمن نمازی کو گھبراہٹ ہوگی مبادا مکروہ وقت شروع ہو جائے، اس لئے اول وقت میں ہی نماز ادا کر لی جائے تاکہ پورا فائدہ ملے۔

قبر میں نماز کی فکر:

تو اسے قبر میں یہ فکر ہوگی کہ کہیں نماز کا ٹائم نہ نکل جائے دیر نہ ہو جائے تو وہ بولے گا کہ مجھے نماز پڑھنی ہے پہلے مجھے نماز پڑھنے دیں، فرشتے اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ ہم تو سوال کرنے گئے تھے وہ بندہ کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھتا ہوں، اللہ تعالیٰ اسکی مدد فرمائیں گے اور اس کے لئے سوال کے جواب آسان ہو جائیں گے، جب وہ سوالات کے جواب مکمل اور صحیح دے دے گا تو فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب دیں گے "ان صدق عبدی" [میرے بندے نے سچ کہا ہے] پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے "فافرشوا فی الجنة" [جنت کا بچھونا اس کے لئے بچھا دو] "والبسوه بالجنة" [اور جنت کا لباس اسے پہنا دو] "وافتح باب من الجنة" [اور جنت کا ایک دروازہ کھول دو۔]

پہلی رات کی دلہن:

اور جنت کی کھڑکی بھی اس کے لئے کھول دو، پھر قبر اس کے لئے اتنی کشادہ ہوجائے گی کہ تاحد نگاہ جہاں تک اسکی نگاہ جاتی ہے وہاں تک قبر اس کو کشادہ دکھائی دے گی اور فرشتے اس سے کہیں گے کہ سوجا جیسے پہلی رات کی دلہن سوتی ہے جب قیامت قائم ہوگی تو تجھے تیرا رب اٹھائے گا تو انسان قبر سے گزر کر آگے عالم محشر کی طرف جائے گا جب قیامت قائم ہوگی جب صور پھونکا جائے گا تو سارے بندے اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوجائیں گے اللہ تعالیٰ دوبارہ انہیں زندہ کردیں گے کفار مکہ اس عقیدے کے منکر تھے وہ موت کے بعد زندگی کے قائل نہیں تھے اور بعث بعد الموت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے البتہ موت سے کسی کو انکار نہیں کوئی کتنا بڑا دہریہ ہو اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہوچاہے جس مذہب سے بھی تعلق رکھتا ہو لیکن موت میں کسی کا اختلاف نہیں موت کو سبھی مانتے ہیں۔اس لئے موت کو قرآن کریم نے ''یقین'' سے تعبیر کیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَاعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ. (الحجر: ۹۹)

[اور اپنے رب کی عبادت کیجئے یہاں تک کہ آپ کی موت آجائے۔] بعض لوگوں نے اس آیت کا مطلب غلط سمجھا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یقین سے مراد دل کا یقین ہے دل میں یقین آجائے تو پھر سب کی چھٹی نماز کی چھٹی روزہ کی چھٹی حج کی چھٹی، زکوٰۃ کی چھٹی وغیرہ وغیرہ۔ کہتے ہیں ہم کو تو یقین حاصل ہوگیا ہے تو انہوں نے شریعت اور طریقت کو الگ کردیا حالانکہ شریعت اور طریقت الگ نہیں ہیں تو فرمایا کہ اللہ کی عبادت کیجئے یہاں تک کہ یقین آجائے، یعنی موت آجائے۔ محشر کے دن اللہ تعالیٰ ہماری

حفاظت فرمائے جب حساب کتاب ہوگا ہماری وہ زبان تو نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے ہوسکتا ہے کہ اس مبارک مجلس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہماری سن لے اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخلہ نصیب فرمادے، پنجابی کے ایک شعر کا ایک بڑا اچھا مصرعہ ہے:

عدل کرے تو لٹیاں فضل کرے تو چھٹیاں

اللہ تعالیٰ کا فضل:

اللہ تعالیٰ اگر صرف عدل کرے تو کوئی بچ نہیں سکتا ہر چیز کا حساب کتاب اللہ تعالیٰ لے گا، جس کا حساب کتاب کوئی نہیں دے سکتا زندگی میں جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں وہ بے شمار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اگر صرف پانی کا حساب مانگے تو صرف پانی کا حساب بھی کوئی نہیں دے سکے گا، حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ

اے خدا احسان تو کے اندر شمار
می نتانم بازباں باصد ہزار
جان و گوش و پاؤ دست
جملہ از درہائے احسانت پرست

اے اللہ! آپ کے احسانات اتنے بیشمار ہیں کہ سو ہزار زبان سے بھی ان کو شمار نہیں کرسکتا۔ میری جان، کان، آنکھیں، میرے ہوش وحواس اور ہاتھ پاؤں یہ سب آپ کے احسانات کے موتیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر ایمان والا اللہ تعالیٰ کے فضل سے

جنت میں جائے گا تو حضرت عائشہؓ نے سوال کر دیا ''وانت یا رسول اللّٰہ'' [آپ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جائیں گے؟] حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! یہاں تک کہ میرا رب مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ نہ لے، تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر کوئی نہیں چھوٹ سکتا، کسی کے لئے بھی چھٹکارا نہیں ہے، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ آدمی عمل کرنا چھوڑ دے، قرآن پاک بار بار فرماتا ہے:

اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البقرہ: ۲۵)

جہاں بھی ایمان والوں کا ذکر ہے وہاں اعمال صالحہ کا ذکر بھی موجود ہے، یہ نہیں کہ چلو جب ساری بات اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے تو پھر ضرورت نہیں، سنو! اعمال صالحہ بیکار نہیں ہیں، عمل ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا فضل بھی متوجہ ہوگا، اور اگر عمل نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا فضل بھی متوجہ نہیں ہوگا، تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

بنی اسرائیل کے ایک عابد کا دلچسپ واقعہ:

علماء کرام سے اور اپنے استاذ سے ایک واقعہ کئی مرتبہ سنا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے دعا کی کہ یا اللہ! مجھے ایسی راحت دے دے کہ مجھے دنیا کی کوئی فکر نہ ہو بس اللہ اللہ کرتا رہوں تو اللہ تعالیٰ نے اسے دریا کے کنارے پہاڑ کے اندر ایک جگہ عطا فرمائی اور وہاں ذکر و فکر اور عبادت میں مشغول ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے کھانے پینے کا انتظام بھی کر دیا کہ وہاں ایک میٹھا چشمہ جاری کر دیا اور ایک انار کا درخت لگا دیا وہ انار کھا لیتا تھا اور میٹھے چشمے سے پانی پی لیتا تھا بس اور کوئی کام نہیں، دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر

میں مشغول رہتا تھا اور یہی سلسلہ پانچ سو سال تک جاری رہا اس نے پانچ سو سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس عابد سے کہیں گے جا میرے فضل سے جنت میں داخل ہو جا تو وہ بندہ کہے گا کہ میری عبادت کا کیا ہوا پانچ سو سال میں نے عبادت کی ہے کیا میں عبادت کے طفیل میں جنت میں نہیں جاؤں گا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر عبادت کا گھمنڈ ہے تو کھڑے رہو تمہارا حساب کتاب ہوگا اور اس کے بعد تم جنت میں جانا تو بیچارہ کھڑا رہے گا شدت کی گرمی ہوگی پیاس سے برا حال ہو جائے گا اور گلا خشک ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ایک فرشتے سے فرمائیں گے کہ ایک گلاس پانی لے کر اس کے پاس سے گذر جاؤ، فرشتہ پانی لے کر اس کے پاس سے گزرے گا تو وہ عابد اس فرشتہ سے پانی کا مطالبہ کرے گا اور بولے گا کہ پانی مجھے دے دو بہت پیاس لگی ہے، وہ فرشتہ جواب دے گا کہ یہ دنیا نہیں ہے، یہ عالم آخرت ہے دنیا دار العمل تھی یہ دار الجزاء ہے یہاں تو مفت میں پانی نہیں ملے گا، وہ عابد اس پر کہے گا کہ بتاؤ تمہیں اس کے عوض کیا چاہئے فرشتہ کہے گا تم اگر اپنے پانچ سو سال کی مقبول عبادت دے دو تو تمہیں ایک گلاس پانی ملے گا، اس پر وہ عابد اپنی پانچ سو سالہ عبادت دے دے گا اور اس کے عوض اس کو ایک گلاس پانی دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم نے تجھے پانچ سو سال کتنے کٹورے پانی پلایا اس کا حساب تو ابھی باقی ہے تو بالکل سچ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اگر اپنا فضل و کرم فرمائے تو جنت کے دروازے کھلے ہیں اور اگر حساب و کتاب کی نوبت آئی تو گردن پھنس جائے گی چھٹکارا نہیں ملے گا، بھلا ہم عاجز محتاج بندے کس کس چیز کا حساب دیں

گے؟ اللہ تعالیٰ اپنا خصوصی رحم وکرم اور فضل ہم پر فرماوے۔

نماز مشکل بھی ہے اور آسان بھی:

تو جب تک دل میں یہ یقین نہ ہو کہ ہم کو دنیا کی اس زندگی سے آگے عالم آخرت میں جانا ہے اس وقت تک دل نیک اعمال اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے خالی ہوگا اور جب دل میں یقین پختہ ہوگا کہ ہم کو عالم آخرت میں جانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور دنیا میں کیئے ہوئے اعمال کا حساب کتاب دینا ہے تو نیکی کی طرف دوڑنا بھی آسان ہوگا برائی اور گناہوں سے بچنا بھی آسان ہوگا لیکن بات پختہ یقین کی ہے نماز کتنی اہم چیز ہے اور کتنی مشکل چیز ہے خود قرآن کریم نے کہا کہ بہت بھاری چیز ہے نماز پڑھنا آسان کام نہیں ہے لیکن جسے یہ یقین ہو کہ مرنے کے بعد میری مولی سے ملاقات ہوگی تو اس کے لئے بہت آسان چیز ہے۔

قرآن مجید میں نماز کے بارے میں فرمایا کہ

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ. (البقرہ:۴۵)

نماز اور صبر کے ذریعہ تم مدد حاصل کرو اور یہ بہت بھاری چیز ہے مگر جو خشوع کرنے والے ہیں ان کے لئے بھاری نہیں ہے تو خشوع کرنے والے کون ہیں؟

خود قرآن پاک نے تفصیل بیان کی ہے

اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. (البقرہ:۴۶)

جن کے دل میں یقین ہے کہ ہم دنیا سے لوٹ کر اپنے مالک کے پاس جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری حاضری اور پیشی ہوگی، حساب دینا ہوگا تو ایسے بندوں

کے لئے نماز کوئی بھاری چیز نہیں ہے تو یہ ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد ہم کو دوبارہ زندہ ہونا ہے قرآن پاک نے اسکی کئی مثالیں دی (بیان فرمائی) ہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَاُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (الروم: ۲۷)

جس ذات نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں ہے، ایک نئی چیز بنانا مشکل ہے لیکن جب بن گئی تو اسکی نقل اتارنا تو بہت آسان ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ قیامت کا نقشہ کھینچا ہے اور وہاں بھی یہی الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ قیامت کے دن جنتی جنت میں جائیں گے اور جہنمی جہنم میں جائیں گے تو ایک دوسرے سے یہ سوال کرتے ہوئے جائیں گے ﴿مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ﴾ [کون سے عمل تھے کون سے کام تھے جو آج تمہیں جہنم کے گڑھے میں لے جارہے ہیں] تو اس وقت وہ کہیں گے ﴿قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ﴾ [ہم دنیا میں نماز نہیں پڑھتے تھے] ﴿وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ. وَکُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَائِضِیْنَ. وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ.﴾ [ہم نے کبھی مسکینوں کو کھانا نہیں کھلایا اور اللہ سے ڈرنے والوں کے ساتھ ہم نہیں رہے اور یوم قیامت کو ہم جھٹلا دیتے تھے] ﴿حَتّٰی اَتٰنَا الْیَقِیْنُ.﴾ (المدثر: ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷) [یہاں تک کہ یقین آ گیا] یعنی موت آ گئی۔ یہاں پر قرآن کریم نے موت کو یقین کہا ہے، یقین سے تعبیر کیا ہے۔

عالم آخرت کا ایک منظر:

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہم آدمؑ کی پشت سے ماں کے پیٹ میں آئے ماں کے

رحم سے نکل کر دنیا میں آئے، دنیا سے پھر عالم قبر میں جائیں گے اور عالم قبر سے پھر عالم محشر میں اکھٹا ہوں گے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہوجائیں گے اور ہر ایک آدمی برہنہ ہوگا جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (الانعام:۹۴) اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے کہ وہاں ہماری کیا حالت ہوگی ہر آدمی متفکر اور پریشان ہوگا نفسی نفسی کا عالم ہوگا انبیاء کرام علیہم السلام کی زبان پر بھی نفسی نفسی کے الفاظ ہوں گے، اللہ تعالیٰ جس پر رحم فرمائیں گے تو اسے رحمت کا سایہ ملے گا۔

حضرت عائشہؓ نے آپ سے سوال کیا کہ اللہ کہ رسول! جب روز محشر میں سب لوگ برہنہ ہوں گے اور مرد اور عورتیں ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو کیا شرم و حیا نہیں ہوگی؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہؓ! وہ وقت ایسا ہوگا کہ ہر آدمی اپنی فکر میں ہوگا کوئی کسی کو کیا دیکھے گا؟ وہاں تو سب کو اپنی پڑی ہوگی۔ (بخاری شریف:۲/۹۶۶) کیسا عالم ہوگا اور کتنا بڑا ہجوم ہوگا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ کب تک اس میدان میں رہیں گے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، وہاں کے ایک دن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے:

﴿وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ.﴾ (الحج:۴۷)

[تمہارے رب کے یہاں کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا] انسان طویل زمانے تک عالم محشر میں ہوں گے پھر حساب کتاب ہوگا اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ جانوروں کا حساب کتاب لیں گے حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے کسی بغیر سینگ والی بکری کو مارا ہوگا تو اللہ تعالیٰ بغیر سینگ والی بکری کے ذریعے سینگ

والی بکری کو سزا دے کر فرمائیں گے کہ اب تمہاری چونکہ کوئی ضرورت نہیں اس لئے تم مٹی بن جاؤ، اسی طرح ہر جانور کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے گا اور پھر سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے مٹی بن جائیں گے، اس وقت کافر یہ تمنا کریں گے:

وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرَابًا. (النبا: ۴۰)

کاش ہم بھی جانور ہوتے اور آج مٹی بن جاتے۔ میدان حشر سے نکل کر پھر ایمان والے جنت میں جائیں گے اور جہنم والے جہنم میں جائیں گے پھر جنت میں پہنچکر یہ سفر ختم نہیں ہو جائے گا بلکہ وہاں بھی یہ سفر چلتا رہے گا، جنت میں روزانہ نئی نئی قسم کی نعمتیں ملیں گی، انسان تجدد پسند طبیعت کے مطابق اللہ تعالیٰ جنت میں روز نئی نئی نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

انسان ازلی نہیں ابدی ہے:

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ انسان ازلی تو نہیں ہے لیکن ابدی ضرور ہے یعنی جب سے یہ وجود میں آیا ہے اب اس کا وجود ختم ہونے والا نہیں ہے اب تو یہ زندہ ہی رہے گا، اتنا ہے کہ اسٹیشن تبدیل ہوتے رہیں گے، ماں کے پیٹ سے دنیا میں دنیا سے عالم قبر میں قبر سے عالم محشر میں اور عالم محشر سے جنت میں یا دوزخ میں۔

تو جب سفر اتنا طویل ہے تو سوچنے کا مقام ہے کہ انسان کی زندگی کا کوئی مقصد بھی ہے یا نہیں؟ جب انسان اس دنیا میں کوئی چھوٹا بڑا سفر کرتا ہے تو اس کا مقصد پہلے سے متعین ہوتا ہے اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے سفر کرتا ہے اور یہ سفر تو بے حد طویل ہے اس کا بھی کوئی مقصد ہے بلا وجہ مسافت طے نہیں کی جا رہی ہے قرآن کریم میں ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ. (المؤمنون: ۱۱۵)

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے، نہیں، تم کو بھی کسی مقصد کے لئے ہم نے بنایا ہے وہ مقصد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں ذکر کر دیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ.

ہم نے انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل کرنا یہ ہماری زندگی کا مقصد ہے کیونکہ یہ مقصد ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے خود تجویز کیا ہے تو جتنا ہمارا یہ سفر طویل ہے ہمارا مقصد بھی اسقدر طویل ہونا چاہئے، ویسے اگر انسان زندگی میں یہ خیال کرے کہ میری زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا ہے تو یہ تو کوئی مقصد ہی نہیں ہوا کیوں کہ کھانے پینے کا کام تو جانور بھی کرتے ہیں بھینس بھی کھاتی ہے اور بکری بھی ہر قسم کے جانور اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں یہ تو کوئی مقصد نہیں ہے کیونکہ کھانا پینا تو تب تک چلے گا جب تک ہماری زندگی ہے اور سفر تو عالم برزخ کا ہے عالم محشر کا ہے اور عالم جنت کا ہے سفر تو اتنا طویل ہے اگر مقصد کھانا پینا ہے تو یہ مقصد بہت ہی مختصر اور محدود ہے موت آئی اور مقصد ختم ہو گیا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ایک انگریز کا سوال اور حضرت نانوتویؒ کا جواب:

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ جو بانی دار العلوم دیوبند اور بہت بڑے عالم تھے جن کو حجۃ الاسلام کا لقب دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی ذہنی قوت عطا فرمائی تھی اور سوالات کے جوابات ایسے دیتے تھے کہ بڑے بڑے مناظران کے سامنے ٹکتے نہیں تھے

ایک انگریز نے مولانا قاسم نانوتویؒ کے بارے میں سنا تھا کہ بڑے حاضر جواب ہیں ان سے بڑے سے بڑا ذہین مات کھا جاتا ہے وہ آیا اور اس نے کہا میں بھی ایک سوال کرتا ہوں آپ مجھے اس کا جواب دے وہ سوال یہ ہے کہ پاخانہ کڑوا ہوتا ہے یا میٹھا؟ اس نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ حضرت کڑوا یا میٹھا ہونے کے بارے میں ضرور فرمائیں گے اور پھر میں یہ کہوں گا کہ آپ نے چکھا بھی ہوگا تو بے عزت ہو جائیں گے اور دور تک رسوائی ہوگی۔تو حضرت نے بغیر سوچے ہوئے برجستہ جواب دیا کہ پاخانہ میٹھا ہوتا ہے اور اسکی دلیل یہ دی کہ اس پر مکھی بیٹھتی ہے اور مکھی اس چیز پر بیٹھتی ہے جو میٹھی ہوتی ہے۔ وہ بے چارہ اتنا سا منہ لے کر رہ گیا خاموش ہو گیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

آریہ سماج کے بانی سے مولانا نانوتویؒ کا مناظرہ:

اسی طرح مولانا قاسم نانوتویؒ کا مناظرہ آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی کے ساتھ ہوا، وہ سہارنپور آیا اور اس نے اپنے الفاظ میں مولانا کو چیلنج کیا کہ میں اور کسی مولوی سے مناظرہ نہیں کروں گا سوائے مولوی قاسم کے، مولانا کی طبیعت ان دنوں خراب تھی، حالت بہت نازک تھی، انہوں نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ جا کر تم ان سے مناظرہ کرلو، شاگردوں نے کہا کہ وہ اتنے بڑے آدمی ہیں آریہ سماج کے بانی ہیں ان کے ساتھ مناظرہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے شاگردوں نے مولانا قاسم نانوتویؒ کو مناظرہ کے لئے تیار کیا چونکہ دیانند سرسوتی بہت چالاک آدمی تھا اس لئے مولانا قاسم نانوتویؒ کے خادموں اور شاگردوں نے یہ طے کیا کہ پہلے حضرت کے خادم خاص منشی نہال احمد کو پنڈت کے پاس بھیج کر شرائط مناظرہ تیار کر لئے جائیں، پھر انہی شرائط پر مناظرہ ہو چنانچہ منشی

نہال احمد پنڈت جی کے پاس گئے لیکن وہ جہاں بیٹھے تھے اس جگہ سے ذرا پہلے باہر ہی ان کو روک دیا گیا، وہ باہر بیٹھ گئے انہوں نے دیکھا کہ کھانے کا بہت سا سامان اندر لیجایا گیا ہے منشی صاحب یہ سمجھے کہ اندر دیانند سرسوتی کے ساتھ پندرہ بیس لوگ بیٹھے ہوں گے چنانچہ منشی صاحب انتظار میں باہر بیٹھے رہے کہ پنڈت جی کھانے سے فارغ ہوکر مجھے اندر بلائیں گے اور پھر میں ان کے ساتھ مناظرہ کی شرائط طے کرلوں گا، کافی دیر تک انتظار کرنے کے بعد ایک آدمی منشی صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ سوامی جی کھانے سے فارغ ہوگئے ہیں اور اب تم اندر جاسکتے ہو، منشی صاحب جب اندر گئے تو دیکھا کہ وہاں پنڈت دیانند سرسوتی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، منشی صاحب نے سوچا کہ اندر کوئی اور کمرہ وغیرہ ہوگا جہاں اس کے دوسرے لوگ بیٹھے ہوں گے لیکن اندر کوئی کمرہ ہی نہیں تھا تو منشی صاحب بہت حیران ہوئے اور کہا اللہ اکبر! دس آدمیوں کا کھانا یہ اکیلے کھا گیا بہرحال شرائط طے کیں اور واپس مولانا قاسم نانوتویؒ کے پاس پہنچے منشی صاحب نے اپنے دوستوں کے ساتھ بات چیت میں کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ علمی دلائل میں تو ہمارے حضرت جیتیں گے، علمی اعتبار سے تو پنڈت کبھی بھی ہمارے حضرت سے نہیں جیت سکتے لیکن اگر مقابلہ کھانے پر آیا تو حضرت تو آدھی چپاتی بھی نہیں کھا سکتے اور وہ تو دس پندرہ آدمیوں کا کھانا اکیلے کھالیتا ہے، منشی صاحب جب یہ باتیں کررہے تھے اس وقت حضرت برابر کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے یہ بات سن لی، حضرت نے اپنے خدام کو بلایا اور پوچھا کہ کیا ہنسی مذاق ہو رہا ہے، منشی جی کیا فرما رہے ہیں؟ خادم نے کہا کہ منشی صاحب یہ کہتے ہیں کہ اگر علمی مناظرہ ہوا تو ہمارے حضرت جیت جائیں گے اور اگر

کھانے کا سلسلہ چلاتو خدانخواستہ شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا،حضرت نے اس کے دو جواب دیئے فرمایا کہ اس میں فکر کرنے کی کونسی بات ہے اگر مناظرے میں کھانے کا سوال آیاتو آپ لوگ آگے بڑھ جائیں یہ کام تو کر گذریں، دوسری بات یہ ہے کہ زیادہ کھانا تو جانورں کا کام ہے اگر وہ کھانے کا سوال اٹھائے گا تو اسے بتادیا جائے گا کہ کھانا تو بہیمیت کی علامت ہے مناظرہ اگر کھانے کے سوال سے کرنا ہے تو بھینس اور بھیڑیہ سے کر لیجئے اور اگر علم جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو عطا فرمایا ہے تو اگر علمی مناظرہ ہے تو ہم سے کرو اور اگر کھانے کا مناظرہ کرنا ہے تو کسی بھینسے یا بھیڑیہ سے کرلو۔

مقصدزندگی اطاعت حق:

تو میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر انسان نے صرف کھانے پینے کو مقصد بنایا ہوا ہے تو یہ کوئی مقصد ہی نہیں ہے۔ اکبرالٰہ آبادی مرحوم نے بہت خوب کہا ہے____:

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
اب رہی بحث رنج و راحت کی وہ فقط وقت کا گزرنا ہے

ہمارے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے اس کے آگے دو تین شعر اور بڑھا دیئے فرماتے تھے کہ اگر اکبرالٰہ آبادی زندہ ہوتے تو وہ بھی بہت خوش ہوتے اور مجھے داد دیتے قاری صاحب مرحوم فرماتے ہیں کہ____:

رہ گیا عز و جاہ کا جھگڑا یہ تخیل کا پیٹ بھرنا ہے
قابل ذکر ہی نہیں خوردو نوش یہ بہیمی کی خو سے لڑنا ہے

تو ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ مقصد صرف اور صرف اطاعت حق ہے۔

مقصد زندگی ہے اطاعت حق نہ کہ فکر جہاں میں پڑنا ہے
(منتخب تقاریر ص ۶۴۳)

اقتدار بھی روز محشر کام نہیں آئے گا:

بہر حال اگر انسان نے زندگی کا مقصد صرف پیٹ بھرنا بنا لیا ہے تو یہ تو بہت معمولی اور مضحکہ خیز مقصد ہے، کوئی انسان اگر اچھے اچھے کپڑے پہن لینے کو زندگی کا مقصد بنالے تو ایک دن جب وہ مرے گا تو یہ کپڑے اتار لئے جائیں گے اور اس کو معمولی کپڑوں میں لپیٹ کر سپرد خاک کر دیا جائے گا تو یہ بھی کوئی مقصد نہیں ہوا، اگر مقصد اقتدار اور کرسی کو بنالیا ہے تو یہ بھی کوئی مقصد نہیں ہے کیونکہ اقتدار عوام دیتے ہیں اور دنیا نے کئی بار دیکھا ہے کہ اگر آج ایک شخص کو وزیر اعظم بنادیا جاتا ہے تو کل اسی کے گلے میں جوتوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں تو جب تک لوگ آپ کے ساتھ ہیں آپ کا اقتدار بحال ہے اور اگر لوگوں نے ساتھ چھوڑ دیا تو اقتدار بھی ختم ہو جائے گا یا اقتدار میں ہوتے ہوئے موت نے دبوچ لیا تو اقتدار کی بھی موت ہوگئی معلوم ہوا کہ اقتدار کرسی اور دنیاوی شان وشوکت اور جاہ وجلال یہ بھی کوئی مقصد نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں روز محشر میں کام آنے والی نہیں ہیں اور فانی ہیں۔

تو جب یہ ساری چیزیں مقصد نہیں ہیں تو پھر مقصد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، فرماں برداری اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی یہ انسان کی زندگی کا مقصد ہے اور اس کو قرآن پاک میں خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ.﴾ [ہم نے انسان کو اور جنات کو پیدا ہی اپنی عبادت کے لئے کیا ہے]

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کہتے ہیں:

تو برائے بندگی ہے یاد رکھ ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ
بہر سر افگندگی ہے یاد رکھ چند روزہ زندگی ہے یاد رکھ
ایک دن مرنا ہے آخر یاد رکھ تو برائے بندگی ہے یاد رکھ

(کشکول مجذوب ص۳۰۰)

زندگی بے بندگی کی تفصیل:

دنیا کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ لوگ اپنا کاروبار چھوڑ دیں، دوکان مکان چھوڑ دیں، نوکری کو لات ماردیں یہ مطلب ہرگز نہیں، قرآن مجید اور سنت رسول کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ہم جس لائن میں بھی ہوں، چاہے بادشاہ ہوں چاہے مفلس اور غریب ہوں چاہے بیمار ہوں چاہے امیر اور مالدار ہوں۔ اگر ہماری زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے اور اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل ہورہی ہے تو امیری اور فقیری دوکان اور مکان چنداں مضر نہیں بلکہ نفع بخش ہیں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہماری جائز تگ و دو عبادت و اطاعت شمار ہوگی، قرآن پاک کبھی یہ نہیں کہتا کہ تم دنیا مت کماؤ دنیا جتنی بھی کما سکتے ہو کماؤ کیونکہ قرآن پاک نے جہاں اللہ تعالیٰ کی اخروی نعمت اور انعام کا ذکر کیا ہے وہیں دنیوی نعمت کا ذکر بھی کیا ہے، اگر دنیا کی نعمت بری ہوتی تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اس کا ذکر نہ فرماتے۔ قرآن کریم میں ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

(الجمعہ:۱۰)

جب جمعہ کی نماز ختم ہوجائے توزمین میں پھیل کراللہ کا رزق تلاش کرو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک جوان آدمی جارہا تھا اس کو دیکھ کرلوگوں نے کہا کہ دیکھو کتنا طاقتور کتنا خوبصورت اورکس قدر جوان ہے لوگوں نے کہا کہ کتنا اچھا ہوتا کہ اسکی جوانی راہ خدا میں لگ جاتی تو اس پرآپ ؑنے فرمایا کہ اگر یہ جوان اپنے لئے اپنے والدین کے لئے اور اپنے بیوی بچوں کے لئے رزق حلال کی تلاش میں نکلا ہے تو یہ بھی راہ خدا میں جہاد ہی کررہا ہے اس لئے قرآن کریم نے دونوں کوایک ساتھ ذکر کیا ہے:

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (المزمل: ۲۰)

ایک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کا رزق تلاش کرتے ہیں زمین کے اندر اور ایک وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے فرائض کو پورا کرنا ہے اور بعد میں رزق تلاش کرنا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ

طلب كسب الحلال فريضة

رزق حلال حاصل کرنا فرائض کے بعد ایک اہم فریضہ ہے، فریضہ تو ہے لیکن ”فريضة بعد الفريضة“ [اللہ تعالیٰ کے فریضہ کے بعد] یہ نہیں کہ نماز ایک بھی نہ پڑھے روزہ ایک بھی نہ رکھے اور یہ کہتا پھرے کہ رزق حلال کی تلاش موقعہ نہیں دیتی، سنو! اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک درجہ اور ترتیب متعین کردی ہے اس کا لحاظ ضروری ہے۔اس حدیث شریف کے مفہوم کولوگوں نے اپنی حرص وہوا اور اپنے نفس کی وجہ سے بگاڑ دیا ہے بعضوں نے ”فريضة بعد الفريضة“ میں بعد کے لفظ کوحذف کردیا اور بعض حضرات

نے یہ سمجھ رکھا ہے ''کسب الحلال'' میں حلال کی ضرورت نہیں ''کسب المال'' مال کمانا فرض ہے۔ چاہے حلال طریقہ سے ہو، حرام سے ہو، دھوکہ سے ہو رشوت سے ہو یا کسی کا خون چوس کر یا کسی کا حق مار کر، بس ایک ہی دھن مال چاہیئے۔

ہر چہ آید پار گھسیٹم

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے، آمین۔

کسب دنیا منع نہیں حب دنیا منع ہے:

تو دنیا و دولت چاہے جتنی بھی کمائی جائے بری نہیں ہے لیکن اسے مقصد زندگی نہ بنانا چاہیئے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے ایک ہی جملے میں سارا خلاصہ بیان فرمادیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ''کسب دنیا منع نہیں ہے حب دنیا منع ہے'' دنیا چاہے جتنی بھی کما لو لیکن اسکی محبت دل میں نہ ہو، اس مال کے ذریعے آپ جنت کما سکتے ہیں مال کے ذریعے یتیم کے آنسو پونچھ سکتے ہیں بیواؤں کے سر پر دوپٹے ڈال سکتے ہیں، مسجد بنا سکتے ہیں، مدارس بنا سکتے ہیں۔ بہت ساری دینی کام کر سکتے ہیں، تو دنیا کمانا منع نہیں ہے لیکن اس کے لئے دل میں جگہ نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ دل جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ اپنی محبت کے لئے دیا ہے۔

مؤمن کا قلب خدا تعالیٰ کا گھر ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں کسی جگہ نہیں سما سکتا میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اگر ہے تو مؤمن کا قلب ہے۔ (شرح اسماء حسنی) اللہ تعالیٰ نے دل اس لئے دیا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا بیج بویا جائے۔

مولانا رومؒ نے مثنوی شریف میں اس کو ایک مثال کے ذریعے بڑے اچھے

طریقے سے سمجھایا ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ____:

آب اندر زیر کشتی پستی است آب در کشتی ہلاک کشتی است

(اصلاحی خطبات:۳/۱۰۴)

اگر پانی کشتی کے نیچے ہے تو کشتی چل سکتی ہے لیکن اگر پانی کشتی کے اندر آ جائے تو کشتی غرق ہو جائے گی تو دنیا جتنی بھی ہو لیکن دل سے باہر ہو اگر دل کے اندر آ گئی تو دل سے محبت الٰہی مٹا دے گی اور ہلاک کر کے رکھ دے گی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بہت سے صحابہ مالدار اور دولتمند تھے ان میں ایک حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی ہیں یہ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے تو خالی ہاتھ تھے حضور ﷺ نے سب کو مواخات کی لڑی میں پرو دیا تھا، ان کے ساتھی سعد بن ربیعؓ نے ان سے کہا کہ میرے پاس دو مکان ہیں ایک مکان آپ لے لیں اور ایک میں اپنے لئے رکھتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں جو آپ کو پسند ہے میں اس کو طلاق دے دوں گا عدت کے دن گزر جانے کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں، میری جو کھیتی ہے (زمین ہے) آدھی میری اور آدھی تمہاری حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ مجھے تمہاری بیوی مکان کچھ بھی نہیں چاہئے مجھے مدینہ منورہ کی مارکیٹ کا راستہ دکھلا دو مدینہ منورہ کے بازار میں ستو اور پنیر وغیرہ بنا کر بیچتے تھے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجہ میں انہیں بے پناہ دولت نصیب فرمائی اور اتنی برکت دی کہ ان کی جب وفات ہوئی تو ان کی چار بیویاں تھیں اور بہت بچے تھے، شریعت کا حکم ہے کہ ایک بیوی ہو دو ہوں تین

ہوں یا چار ہوں اور اولاد بھی ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے خواہ ایک بیوی ہو یا ایک سے زیادہ ہو تو آٹھواں حصہ ملے گا بیویوں کی تعداد کے مطابق آٹھویں حصہ میں سے حصے ملیں گے بالکل برابر برابر اور ہر ایک کو ایک حصہ ملے گا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے وصال کے بعد ان کے ترکے میں سے ایک ایک بیوی کو تریسٹھ تریسٹھ لاکھ درہم ملے ہیں، جب جوش میں آتے تھے تو کہتے تھے کہ جا کر دس دس ہزار درہم ازواج مطہرات کو دے دو بدر میں جتنے لوگ شریک ہوئے تھے ان کو بیس بیس ہزار دے دو، ان کے دستر خوان پر ہزاروں لوگ کھانا کھاتے تھے، جب وہ اپنے دستر خوان پر ہزاروں لوگوں کو دیکھتے تو ان کا دل بھر آتا تھا اور فرماتے تھے کہ افسوس میرے نبی کے گھر میں مہینوں مہینوں چولہا نہیں جلتا تھا اور عبدالرحمٰن کے گھر میں اللہ کی نعمتوں کی اتنی فراوانی ہے یہ کہتے کہتے ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے اور بغیر کھائے ہوئے کھڑے ہو جاتے تھے، کبھی کہتے تھے کہ اے اللہ! کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تو نے سب کچھ دنیا ہی میں دے دیا ہے آخرت میں کچھ نہیں ملے گا، اس کا نام ہے خوف خدا اور خدا سے محبت وہ جام محبت پی کر سرشار تھے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو کسی نے آکر خبر دی کہ حضرت آپ کے مال سے لدا ہوا جہاز غرق ہو گیا ہے، آپ نے چند لمحے آنکھیں بند کیں اور پھر فرمایا الحمدللہ! اسی دوران ایک دوسرے شخص نے خبر دی کہ حضرت جہاز کے غرق ہونے کی خبر جھوٹی تھی جہاز صحیح سلامت کنارے لگ گیا ہے، آپ نے پھر کہا الحمدللہ کسی نے کہا حضرت یہ بات سمجھ میں نہیں آتی جب کسی نے آکر خبر دی کہ جہاز ڈوب گیا غرق ہو گیا، تب بھی الحمدللہ اور جب خبر ملی کہ وہ تو سلامتی کے ساتھ کنارے لگ گیا تب بھی الحمدللہ، انہوں نے فرمایا کہ

جب مجھے خبر دی گئی کہ جہاز ڈوب گیا ہے تو میں نے آنکھیں بند کر کے اپنے دل میں دیکھا کہ دل کو کوئی دھچکہ تو نہیں لگا ہے کہ اتنا مال برباد ہو گیا ہے تو میں نے محسوس کیا کہ میرے دل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے میرا دل مطمئن ہے، پھر جب خبر دی گئی کہ سلامت ہے تو میں نے پھر اپنے دل کو دیکھا کہ دل کو خوشی تو نہیں ہوئی دیکھا تو دل کو کوئی خوشی نہیں ہے اس لئے الحمدللہ کہا ایسا دل نہیں بنایا تھا اور اس واقعہ کو عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے دل میں جب دنیا نہیں تھی، ان کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار تھا تو فرمایا کہ مال کمانا کوئی بری چیز نہیں لیکن اس کا کمانا اور استعمال کرنا رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر ہو تو یہ آپ کے لئے عبادت بن جائے گا۔

غرباء کی فضیلت:

اب اس مالداری کی فضیلت کو دیکھ کر ایک غریب کا دل ٹوٹے گا کہ مالدار تو مسجد بھی بنا سکتا ہے مدرسہ بھی بنا سکتا ہے یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کر سکتا ہے اور اللہ کریم اسے کن کن درجات سے نوازے گا؟ میں تو مفلس آدمی ہوں میرا کیا بنے گا؟ اللہ کے رسول نے فرمایا کہ تمہارا دل کیوں ٹوٹتا ہے تم غربت میں بھی جنت کما سکتے ہو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے مفلس فقراء اور غریب امیروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے، تو کسی غریب نے کہا کہ مالدار کے پاس دولت ہے اسے دولت مبارک ہو مجھے اپنی غریبی مبارک ہے اس لئے دنیا تو نرمی اور سختی سے گزر جائے گی لیکن جنت میں ہمیں اللہ تعالیٰ پانچ سو سال پہلے داخلہ عطا فرمائیں گے۔

اسی طرح ایک بیمار ہے وہ بیچارہ دل میں کڑھتا ہے کہ تندرست آدمی صحت میں

رہ کر کتنے کار خیر کرتے ہیں، جہاد کر سکتے ہیں، کسی کی خدمت کر سکتے ہیں، نماز با جماعت پڑھ سکتے ہیں میں تو بستر پر پڑا ہوں کچھ نہیں کر سکتا ہوں، اللہ کے رسول نے فرمایا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں، اگر بیماری کی حالت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں صبر کریں رونا دھونا نہ کریں، ایسے الفاظ نہ بولیں جو کفریہ ہوں تو بیماری کے اندر تمہیں وہ اجر ملے گا وہ درجات ملیں گے کہ وہ صحت منداور تندرست سے آگے بڑھ جائیگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی کو ایک دن بخار آجائے اور اس پر صبر کرے تو ایک سال کے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

بیماری ذریعۂ ترقی وکمال:

حضرت عمران بن حصینؓ بتیس سال تک بیمار رہے بیچارے صحیح لیٹ بھی نہیں سکتے تھے لیکن رہتے تھے بہت ہشاش بشاش اور بہت خوش کوئی ملنے آتا تو بہت خوشی سے ملتے چہرے سے اتنی خوشی ظاہر ہوتی تھی کہ کوئی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ بیمار ہیں، ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ اتنے سالوں سے بیماری میں مبتلا ہیں اور چہرہ اتنا ہشاش بشاش ہے کیا بات ہے؟ فرمایا کہ میں کیا بتاؤں اس بیماری سے مجھے وہ مقام ملا ہے کہ بستر پر فرشتے میری ملاقات کو آتے ہیں اور بیماری سے لطف آتا ہے تو بیماری میں صبر کرنے سے جو مقام مل سکتا ہے وہ تندرستی کی حالت میں کی گئی نیکیوں سے نہیں مل سکتا۔

ایک آدمی تندرست ہے اور وہ صدر مملکت یا وزیر اعظم بن گیا اور وہ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہے، عدل وانصاف کرتا ہے تو اس کے بارے میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں سات آدمی

ہوں گے ان میں سب سے پہلے امام عادل ہوگا، اللہ تعالیٰ کا نظام قائم کرنے والا حکمران اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں ہوگا، تو عدل وانصاف کی حکمرانی بھی اس کے لئے عبادت ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے عدل وانصاف کی وجہ سے خیر وبرکت کے خزانے زمین کے اوپر نازل فرمادیتے ہیں، مسند احمد میں امام احمد بن حنبلؒ نے لکھا ہے کہ خلافت بنو عباس کے خزانہ میں ایک گیہوں کا دانہ کھجور کی گٹھلی کے برابر تھا اور اس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ عدل کے زمانہ میں پکا ہوا ہے۔

(خطبات احتشام الحق)

تاجر ہے تجارت کرتا ہے جھوٹ نہیں بولتا دھوکہ نہیں دیتا خیانت بھی نہیں کرتا تو اللہ کے رسول نے فرمایا کہ ایسا سچا اور امین تاجر قیامت کے دن صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا، تو غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو زندگی دی ہے اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چل کر گزاری جائے تو یہ ساری زندگی عبادت بن جائے گی، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا جذبہ عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿۱۵﴾

پیارے نبی کے پیارے اخلاق

آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بن کر
مگر آیا نہ کوئی رحمت عالم بن کر

{۱۵}

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیارے نبی کے پیارے اخلاق

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیۡعَنَاوَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ o بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o
لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُو اللّٰہَ وَالۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا. (الاحزاب: ۲۱)

وقال النبی ﷺ : انما بعثت معلما.

وفی روایۃ: انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق.

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بن کر
مگر آیا نہ کوئی رحمت عالم بن کر
(کلیات جگر)

اسوۂ حسنہ:

محترم بزرگو اور دوستو! کس شان کے ساتھ نبی کریم ﷺ دنیا میں تشریف لائے آج کی مبارک مجلس میں اس بارے میں کچھ باتیں بیان کروں گا۔آپ کس مقصد اور غرض کے لئے تشریف لائے اس سے متعلق دو حدیثیں پڑھی گئی ہیں،ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ

انما بعثت معلما

[میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں]

دنیا میں جتنے بھی پیغمبر اور رسول تشریف لائے ان میں سب سے بڑے معلم جناب نبی کریم ﷺ ہیں،آپ نے ضلالت اور گمراہی میں مبتلا دنیا کو ایسی تعلیم دی کہ دنیا اسکی مثال پیش نہیں کر سکتی،زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں آپ نے عام انسانوں کی رہنمائی نہ کی ہو،کوئی چیز ایسی نہیں جس کا آپ نے سبق نہ دیا ہو،اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

[نبی کریم ا کی زندگی تمہارے لئے ایک نمونہ اور مثال ہے]

اللہ تعالیٰ نے یہ ایسا بہترین اسوہ بنایا ہے کہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کو کوئی اور اسوہ نقل اور نمونہ پسند ہی نہیں، پھر نمونہ چاہے جس اعتبار سے بھی ہو نماز کے اعتبار سے ہو کاروبار سے متعلق ہو شادی اور غمی سے اس نمونہ کا تعلق ہو وہ اللہ کو اسی وقت پسند ہوگا جب نبی کریم ﷺ کے نمونے کے مطابق ہوگا،آپ نے تو زندگی گزارنے کے تمام طور طریق سکھائے ہیں حتی کہ پیشاب اور پاخانے کے آداب بھی آپ نے بتائے ہیں۔غرض یہ کہ

ہر چیز کے رہنما اصول آپ نے امت کو سکھلائے اور عملی نمونہ پیش فرمایا تا کہ اسکی روشنی میں دنیا اپنی زندگی کا سفر طے کرتی رہے۔

سنت کی اہمیت:

حضرت سلمان فارسیؓ کے سامنے ایک یہودی نے بطور طنز کہا کہ تمہارا نبی تو ایسا ہے جو پیشاب اور پاخانہ کے طریقہ بھی سکھلاتا ہے، ہم سے اگر کوئی یہ پوچھ لے تو ہم شرم محسوس کریں گے کیونکہ آپ کی سنت ہم سے چھوٹ گئی ہے دیکھو حضور ﷺ کی سنت ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور کھانے کے بعد ہاتھ کو چاٹ بھی لو، اب تو چمچ کا دور آ گیا ہے، حضور ﷺ خود کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لیتے تھے برتن کو صاف کر لینا چاہئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا برتن میں اتنا کھانا لیں جتنا کھایا جا سکے، فرمایا جو برتن میں کھانا چھوڑ کے اٹھتا ہے وہ برتن بھی اس کے لئے بددعا کرتا ہے اور جو کھانے کے بعد برتن صاف کر لیتا ہے وہ برتن بھی اس کے لئے دعا کرتا ہے۔ حضرت نبیشہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی برتن میں کھایا پھر اس برتن کو چاٹ کر صاف کر لیا تو وہ برتن کھانے والے کو دعا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے جیسے تو نے مجھ کو شیطان سے آزاد کیا۔
(مشکوۃ شریف)

اس حدیث شریف سے ہم یہ سبق سیکھے کہ ہر مسلمان کو کھانا کھا کر برتن کو انگلیوں سے صاف کرنا چاہئے چاٹ لینا چاہئے تا کہ کھانے کا کوئی حصہ شیطان کا حصہ نہ بنے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس برتن میں کھانا رہ جاتا ہے اس کو شیطان کھاتا ہے۔ خصوصاً جس دعوت یا پارٹی میں سیلف سروس (Self Service) ہوتی ہے تو پلیٹ میں کافی کھانا لے کر بیٹھتے ہیں اور وہ بچا ہوا کھانا ڈسٹ بن (Dust Bin) میں

پھینک دیا جاتا ہے، میں نے خود دیکھا ہے بعض مرتبہ شادی کی دعوت یا کسی پارٹی میں شریک ہوتے ہیں اور مجھ جیسا کوئی ملا اگر پلیٹ یا انگلیوں کو کھانے کے بعد چاٹتا ہے تو اس کو حرص وطمع خیال کرتے ہیں اور کچھ لوگ تو تمسخر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا پلیٹ ہی کھانے کا ارادہ ہے پلیٹ کو صاف کرنا اور چاٹنا تو دور رہا بلکہ سنت رسول سے بدتمیزی اور بےادبی کی جاتی ہے اور مذاق کیا جاتا ہے۔ میرے مخلص دوستو! برتن صاف نہ کرنا اور اس کو نہ چاٹنا متکبرانہ عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قدر اور ایک مسلمان کا تواضع یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ایک ایک دانہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمت وعطایا سمجھے اور اس کو ضائع نہ ہونے دے۔ حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین انگلیوں سے کھاتے تھے جب کھانے سے فارغ ہوجاتے تو انگلیاں چاٹ لیتے تھے۔(مسلم شریف) کیا دوستو! اس فرمان رسول سننے کے بعد بھی ایسا کروگے؟ صحابہ کرام حضور ﷺ کے فرمان پر قربان ہوجاتے تھے پھر کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے ایسے بہت سے واقعات ہیں۔

حضرت حذیفہؓ ایک مرتبہ سفر میں تھے آپ کے ہاتھ سے کھانا کھاتے ہوئے لقمہ گر گیا آپ نے اس کو اٹھا کر صاف کیا اور منہ میں رکھنے لگے عجمی لوگ یہ دیکھ رہے تھے خادم نے چپکے سے کہا حضرت ایسا نہ کیجئے یہ عجمی لوگ گرے ہوئے لقمہ کو اٹھا کر کھانے کو بہت برا مانتے ہیں اور ایسے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا_____:

اأترک سنة حبیبی لھولاء الحمقاء

[کیا میں ان بیوقوفوں کی وجہ سے اپنے حبیب کی سنت چھوڑ دوں؟]

مگر ہمارا حال دیکھئے ہم لوگ تو انگلیاں چاٹتے ہوئے شرماتے ہیں کیونکہ ہم نے تو سب چیزوں میں حضورﷺ کی سنتوں کو چھوڑ دیا ہے، ہمارے ایک دوست جو اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے ہیں ان کی شادی تھی میں نے ان سے کہا کہ اللہ کے بندے مسجد میں نکاح کا پروگرام بنالو انہوں نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے اور مسجد میں نکاح کی تقریب رکھ لی جب نکاح کی رسم ہونے لگی تو ان کے چند نوجوان دوست فوٹو کھینچنے لگے میں نے ان سے کہا کہ مسجد میں فوٹو کھینچنا تصویریں بنانا منع ہے اور تصویر کشی تو ہر جگہ منع ہے بہر حال جب نکاح شروع ہوا تو ایک صاحب بولے کہ مولوی صاحب ایک فوٹو لینے میں کیا حرج ہے؟ میں نے کہا کہ فوٹو ایک ہو یا کئی ہوں گناہ دونوں صورتوں میں ہے، اس نوجوان نے میری بات مان لی اور کہا کہ مجھے فوٹو کھینچنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی عزیز ہے تو اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کی خاطر اپنی خواہشات کو ختم کرنا باعث مغفرت ہے جب شادی کی ابتداء اسلامی طور طریق کے مطابق ہوگی سادگی کے ساتھ نکاح ہوگا تو آگے اللہ تعالیٰ اولاد بھی صالح دیں گے، گھر میں برکت ہوگی خاندان میں برکت ہوگی، یہ دنیا فانی ہے یہاں کی سب چیزوں کو یہاں رہ جانا ہے اصل چیز تو علم اور معرفت ہے اللہ تعالیٰ اگر علم کی دولت عطا فرمادے معرفت نصیب فرمادے یہ چیز اصل ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

رضینا قسمۃ الجبار فینا
لنا علم وللجھال مال
فان المال یفنی عن قریب
وان العلم باقٍ لا یزال

فرماتے ہیں کہ [ہم اللہ تعالیٰ کی تقسیم سے خوش ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم دیا اور جاہلوں کو دولت دی ہے اس لئے کہ مال ایک دن فنا ہو جائے گا اور علم فنا ہونے والی چیز نہیں یہ باقی رہنے والی چیز ہے۔]

جواب علی اسلوب الحکیم:

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت سلمان فارسیؓ سے ایک یہودی نے سوال کیا کہ آپ کے نبی تو ایسے ہیں کہ آپ لوگوں کو پیشاب اور پاخانہ وغیرہ کرنے کا طریقہ سکھاتے ہیں۔ یہاں اگر ہم ہوتے تو شرم کے مارے خدا جانے کیا جواب دیتے لیکن حضرت سلمان فارسیؓ نے جواب میں کہا کہ ہاں ہمیں اس پر فخر ہے اور ہم فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نبی نے ہمیں پیشاب اور پاخانہ کا طریقہ بھی سکھلایا، بلکہ آپ تو ہمیں یہ بھی سکھلاتے ہیں کہ سردی میں ڈھیلا کیسے استعمال کرو گے اور گرمی میں ڈھیلا کیسے استعمال کرو گے۔ اس کو جواب علی اسلوب الحکیم کہتے ہیں۔ تو نبی کریم ﷺ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ آپ کو معلم بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہے حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ اگر حکومت کرنا چاہتے ہو تو حضور کا طرز حکومت دیکھو (مدینہ منورہ کی) اگر تم رعایا ہو تو حضور کی تیرہ سالہ مکی زندگی دیکھو کہ بطور رعایا کس طرح رہنا چاہئے اگر تم عبادت کرنا چاہتے ہو تو حضور کے طرز عبادت کو دیکھو اگر کاروبار کرنا چاہتے ہو تو حضور کی کاروباری زندگی کو دیکھو غرضیکہ دنیا کے ہر شعبۂ زندگی کے لئے آپ کی ہدایات موجود ہیں آپ کے عملی نمونوں کی دستاویز ہے، زندگی کا کوئی موڑ آپ کی رہنمائی سے خالی نہیں ہے۔

(خطبات مدراس، کشکول حسن ص۹۲)

تو سچا اور پکا مسلمان وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام جاننے کے بعد ان پر عمل شروع کردے خواہ وہ نفس اور طبیعت کے خلاف ہو اور پوری دنیا کے خلاف بھی ہو لیکن ہم اعمال صالحہ پر اٹل ہو جائیں اس کے اندر یہ نہیں دیکھنا ہے کہ اس میں حکمت کیا ہے؟ اس میں مصلحت کیا ہے؟ بلکہ ہمیں صحابہ کرام والا مزاج اپنانا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب صحابہ کرام کو حکم دیتے تھے تو صحابہ کرام سرخم تسلیم کردیتے تھے، جگر مرادآبادی نے خوب کہا ہے ــــــ:

کیا کام جگرؔ مجھ کو بھلا اور کسی سے
کافی ہے بس اک نسبت سلطان مدینہ

اللہ کے رسول کا جب حکم آگیا تو اس میں سوچنے کی کیا بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب سے بڑا معلم بنا کر دنیا میں بھیجا، اس موقع پر ایک شعر یاد آیا ــــــ:

طاعت حق وہی ہے وہی ہے مقصد دین
جو راستہ کے نقش قدم سے تیرے بنایا گیا

اور کسی نے کیا خوب کہا ہے ــــــ:

محمد کے طریقے سے قدم جو بھی ہٹائے گا
کبھی رستہ نہ پائے گا کبھی منزل نہ پائے گا

اطاعت رسول کی ایک دلچسپ مثال:

ہر چیز کو دیکھے کہ نبی ﷺ نے اسے کس طرح سے کیا ہے مثلاً نماز ہے سنو ایک شخص عید کے دن نماز عید سے قبل نماز پڑھ رہا تھا حضرت علیؓ نے منع کیا تو اس شخص نے کہا

کہ نماز پڑھ رہا ہوں کوئی گناہ تو نہیں کرر ہا ہوں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نماز سے انکار نہیں مگر اللہ کے رسول نے منع فرمایا ہے اسی لئے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نمازِ عید سے پہلے کوئی نفل نہ پڑھے اور عیدگاہ میں نماز کے بعد بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ (ہدایہ:۱/۱۱۸) کیونکہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں، روایت کے الفاظ ہیں:

عن ابن عباسؓ ان النبی خرج یوم الفطر فصلی رکعتین لم یصل قبلها ولا بعدها. (بخاری: ۱/۱۳۵)

ہاں اگر عید کی نماز کے بعد عیدگاہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ نفل پڑھے تو اسکی اجازت ہے۔

عن ابی سعید ن الخدریؓ کان رسول اللّٰہ لا یصلی قبل العید شیئا فاذا رجع الی منزله صلی رکعتین.

[حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ عید کی نماز سے پہلے نماز نہیں پڑھتے تھے جب گھر کی طرف لوٹتے تو دو رکعت پڑھتے تھے۔]

بہرحال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ہم حضور ﷺ نے جو طریقے بتلائے ہیں ان کے مطابق چلیں گے تو وہ عبادت ہے اور اگر اس طریقے کے خلاف چلیں گے تو یہ عبادت نہیں بلکہ گمراہی ہوگی۔

دوسرا بڑا مقصد آپ کا یہ تھا کہ

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

اخلاقیات کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم آپ نے دی ہے خود آپ کی مبارک زندگی اعلیٰ اخلاقی قدروں کا بہترین نمونہ ہے، آپ کو کتنی تکلیفیں پہنچائی گئیں، ستانے کے کتنے طریقے ایجاد کئے گئے، کن کن مصائب میں آپ کو ڈالا گیا، لیکن کبھی آپ نے اس کا بدلہ نہیں لیا، جب کبھی آپ ﷺ کے پاس کوئی سائل آیا آپ ﷺ نے اسے رد نہیں کیا بلکہ اسکی مراد ضرور بالضرور پوری فرمائی اور اگر اس وقت اس سائل کی ضرورت آپ پوری نہ کر سکے تو اس سے وعدہ فرما لیتے تھے کہ فلاں وقت آپ کو ضرورت کی چیز دے دوں گا، آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے لئے کئی بار قرض لئے اپنے آپ کو مقروض کیا حضرت بلالؓ کو آپ نے یہ کام بھی سپرد کر رکھا تھا کہ کبھی قرض کی ضرورت پڑے تو کسی سے قرض لے لو، پھر جب آپ ﷺ کے پاس کہیں سے ہدیہ آتا تو حضرت بلالؓ کو بلا کر دے دیتے کہ جاؤ بلال قرض ادا کر دو۔

ایک مرتبہ کسی یہودی سے آپ ﷺ نے قرض لیا اور اس سے وعدہ کیا کہ فلاں تاریخ کو واپس کر دیں گے جب قرض کی واپسی کا وقت آیا تو ادا کرنے کو پیسے نہیں تھے تو اس یہودی نے حضرت بلالؓ کو پکڑ لیا اور کہا کہ قرض ادا کر دو ورنہ میں تمہیں جیل میں بند کر دوں گا، تمہیں غلام بنا لوں گا، حضرت بلالؓ دوڑے اور اللہ کے رسول کے پاس آئے اور سارا واقعہ سنایا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں میں بھی دعا کرتا ہوں ان شاء اللہ کوئی نہ کوئی راستہ نکل آئے گا، نبی کریم ﷺ نے دعا کی ادھر ہدیہ آ گیا، آپ نے فرمایا لو بلال یہ لے جاؤ اور اس یہودی کو دے دو، اس یہودی کا سارا قرض ادا ہو گیا اور ہدیہ بھی اتنا آیا تھا جتنا مطلوب تھا۔

(حکایات صحابہ، بیہقی، طبرانی، حاکم)

یہودی مشرف بہ اسلام ہو گیا:

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک یہودی زید بن سعنہ سے قرض لیا آپ نے اسے ایک تاریخ دی کہ ہم اس تاریخ کو آپ کی رقم واپس کردیں گے اب وہ یہودی مقررہ تاریخ سے ایک ہفتہ قبل آیا اور قرض واپس کرنے کا مطالبہ کرنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی مقررہ تاریخ میں کچھ دن باقی ہیں ہم مقررہ تاریخ کو قرض ادا کردیں گے، لیکن وہ نہیں مانا اور مسلسل ضد کررہا تھا کہ مجھے ابھی واپس کرو آپ ﷺ اس سے نرمی سے بات کرتے تھے اور وہ آپ کے ساتھ سختی سے پیش آتا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول! اگر اجازت ہو تو اس کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا کہ نہیں، اس کا قرض باقی ہے، یہ کیسا جواب دیتے ہو نرمی سے بات کرو جاؤ اور اس کے قرض کا انتظام کرو۔ حضرت عمرؓ گئے اور قرض کی ادائیگی کا انتظام کرکے واپس آئے اور یہودی کو قرض کی رقم دے دی گئی، اس پر یہودی کہنے لگا کہ محمد اس سختی کا مقصد رقم کی واپسی نہیں تھی بلکہ آپ کا امتحان لینا مقصود تھا کہ کیا آپ سچے نبی ہیں؟ میں نے اپنی مذہبی کتابوں میں پڑھا ہے کہ آخری نبی حلیم و بردبار ہوں گے، طبیعت میں رحم و مروت ہوگی آپ کی ذات گرامی اس نوشتہ کے عین مطابق ہوگئی واقعی آپ سچے نبی ہیں، لائیے اپنا دست مبارک بڑھائیے اور مجھے حلقۂ اسلام میں داخل فرمالیجئے۔ اور اس نے اپنا آدھا مال راہ خدا میں دے دیا اور غزوۂ تبوک کے واپسی پر ان کا انتقال ہوگیا۔

جوش میں آکر اس نے پڑھا کلمہ طیبہ مسلمان ہوگیا
لا الہ الا اللہ گفت گوہر احمد رسول اللہ سفت

لفظ ''اللہ'' کی تاثیر:

نبی کریم ﷺ ایک غزوے میں تشریف لے گئے دوپہر کی شدت کی گرمی تھی سب صحابہ آرام فرمارہے تھے نبی کریم ﷺ بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمارہے تھے کہ ایک کافر آگیا اس نے دیکھا کہ بہت اچھا موقعہ ہے تلوار نکالی اور قریب تھا کہ آپ کے اوپر وار کردے کہ اتنے میں حضور ﷺ بیدار ہوگئے اس نے کہا کہ بتا اے محمد! آج تجھے میری تلوار سے کون بچائے گا، نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قلبی اطمینان عطا فرمایا تھا، آپ کی زبان مبارک سے نکلا: اللہ، اللہ، اللہ بچانے والا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زبان سے لفظ ''اللہ'' نکلنا ہی تھا کہ وہ کافر کانپنے لگا اور اس کے ہاتھ سے تلوار گرگئی، آج ہمارا ایمان کمزور ہے ہم چاہے جتنا بھی چیخیں اللہ اللہ کرتے گلا بیٹھ جائے مگر کوئی اثر نہیں ہوتا، کیونکہ اندر ایمان کمزور ہے، ایک وقت تھا جب صحابہ کرام کی ایک تکبیر سے پہاڑ گرجاتے تھے، کفار کے کلیجے دھڑکنے لگتے تھے اس لئے کہ ان کے اندر صحیح ایمان تھا مگر آج ہمارے اندر وہ ایمانی کیفیت نہیں اس لئے ہمارے نعروں میں وہ بات نہیں ہے۔ اقبال نے اسی کا رونا رویا ہے۔ فرمایا کہ______:

رہ گئی رسم اذاں روح بلال نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

اقبال فرماتے ہیں کہ یہی روح بلالی والی اذان سننے کے لئے میں مصر اور فلسطین گیا، مصر اور فلسطین جہاں اسلامی حکومتیں تھیں، ہر طرف اسلامی ماحول تھا، سوچا وہاں کے لوگوں کا ایمان بہت مضبوط ہوگا تو شاید وہاں بلالی اذان سننے کو ملے، لیکن وہاں جا کر بھی

مایوسی ہوئی اور اقبال کو بھی یہ کہنا پڑا کہ

سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

ہاں تو رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے صرف لفظ ''اللہ'' نکلا تھا کہ اس کافر پر ہیبت طاری ہوگئی اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی، آپ نے وہ تلوار اٹھالی اور فرمایا بتا اب تجھے میری تلوار سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا کہ اب آپ کے سوا کون بچا سکتا ہے، آپ نے فرمایا کہ جس خدا نے تیری تلوار سے مجھے بچایا وہی خدا میری تلوار سے تجھے بچا سکتا ہے، جا میں نے تجھے معاف کر دیا، اس نے کہا کہاں جاؤں؟ آپ نے فرمایا جہاں تیرا دل چاہے وہاں چلا جا، اس نے کہا کہ اخلاق کریمانا سے آپ نے میرے پیروں میں بیڑی ڈالدی، آپ ایسے اخلاق سے پیش آئے ہیں کہ اب واپس جانے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردئی
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش
(اکبرالہ آبادی)

ہمیں سمندر کے بیچ میں کھڑا کر کے کہتے ہو کہ دیکھو پانی کے قطرے نہ لگیں، قطرے تو کیا انسان پورا بھیگ جائے گا۔ آپ نے اپنے اخلاق سے اسے پانی پانی کر دیا اور اس نے کلمہ طیبہ پڑھا اور ایمان لے آیا یہ آپ ﷺ کے اخلاق تھے۔

پوری دنیا میں محبوب چہرہ:

مسلم شریف میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ نے ایک لشکر نجد کی طرف روانہ فرمایا اس لشکر کے لوگ قبیلہ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو پکڑ کر لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا یہ شہر یمامہ کے لوگوں کا سردار تھا، اس کو صحابہ کرام پکڑ کے لے آئے اور قید کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دو، کیونکہ حضور ﷺ کی کورٹ بھی وہی تھی، جیل بھی وہی تھی، فیصلے بھی وہیں ہوتے تھے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور مدد بھی وہاں ہوتی تھی مجاہدین وہیں سے نکلتے تھے تعلیم و تعلم اور ذکر کے حلقے سب کچھ یہیں ہوتا تھا، آپ نے فرمایا کہ اسے باندھ دو صحابہ کا آنا جانا ذکر اور عبادت کرنا اور دیگر اخلاق دیکھے گا تو مسلمان ہو جائے گا، صحابہ کرام نے اسے باندھ دیا، ایک دن بندھے رہے دوسرے دن نبی کریم ﷺ کے پاس گئے آپ انے ان سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے یہ کہا اگر آپ میرے اوپر احسان کریں گے تو ایک احسان شناس پر احسان و انعام ہوگا اور اگر قتل کر دیں گے تو ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا اسکی قوم بدلہ لے گی، آپ ﷺ نے اس کے جواب میں کچھ نہیں فرمایا اور چلے گئے، دوسرے دن پھر آپ ﷺ آئے اور ان سے خیریت پوچھی انہوں نے پھر وہی جملہ دہرایا، تیسرے دن پھر آپ ﷺ آئے پھر وہی سوال و جواب ہوا نبی کریم ﷺ نے ان کے ہاتھ اور پیر کھول دیئے اور ان سے کہا کہ تم جا سکتے ہو، وہ وہاں سے چلے گئے، قریب میں ایک چشمے کے پانی سے غسل کیا اور واپس آ کر کلمہ شہادت پڑھا اور ایمان لے آئے اور ایمان لانے کے بعد انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم روئے زمین پر ایمان لانے سے پہلے میری نظر میں آپ کا چہرہ مبغوض اور ناپسندیدہ تھا لیکن ایمان لانے کے بعد پوری دنیا میں سب سے زیادہ پسندیدہ چہرہ آپ کا ہے اور آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند شہر کوئی نہ تھا اب

سب سے زیادہ پسندیدہ شہر آپ کا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ یمن سے جو غلہ (اناج) مکہ مکرمہ جاتا ہے آج سے میں ایک دانہ بھی مکہ مکرمہ نہیں بھیجوں گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں غلہ (اناج) بھیجتے رہو میں کسی کے اوپر اناج بند کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں، میں تو ''رحمۃ للعالمین'' بن کر آیا ہوں۔

(۴۶/۲)

تو ایسے سخت دل لوگ نبی کریم ﷺ کے اخلاق کو دیکھ کر پانی پانی ہو جاتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے، ایسے ایک نہیں سینکڑوں واقعات حدیث شریف کی کتابوں میں موجود ہیں۔

بیٹی نے بستر لپیٹ دیا:

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مکہ والوں کے لئے بددعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا قحط نازل فرمایا جیسا حضرت یوسفؑ کے زمانے میں ہوا تھا، قحط ہوا تو ابوسفیان مدینہ آئے پہلے حضرت عمرؓ کے پاس گئے حضرت عمرؓ نے کہا کہ میری تلوار تو تو نے دیکھی ہے پھر اس کے بعد اپنی بیٹی کے پاس گئے کہ تو اللہ کے رسول سے سفارش کردے ان کی بیٹی ام حبیبہؓ ازواج مطہرات میں سے تھیں، جیسے ہی وہ بیٹی کے گھر میں داخل ہوئے حضرت ام حبیبہؓ نے آپ کا بستر لپیٹ کر الگ رکھ دیا، ابوسفیان حیران رہ گئے کہ عجیب لڑکی ہے میری آمد پر تو اچھے سے اچھا بستر بچھانا چاہئے اور اس نے تو بچھا ہوا بستر بھی سمیٹ دیا، چنانچہ ابوسفیان نے بیٹی سے پوچھا کہ تم نے یہ بستر کیوں لپیٹ دیا؟ بیٹی نے جواب دیا:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبہ:۲۸)

تم تو مشرک ہو ایمان نہیں لائے ہو تم کیسے نبی کے پاک بستر پر بیٹھ سکتے ہو۔
(خطبات محمود ۳/۴/۱۷)

پھر ابوسفیان نے کہا کہ اللہ کے رسول سے میری سفارش کر دو بیٹی نے کہا میں تمہاری کوئی سفارش نہیں کر سکتی۔ ابوسفیان مایوس ہو کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئے، ابوبکر صدیقؓ نے بھی یہی کہا کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا، پھر خود رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے بارش کی دعا فرما دی، بارش ہوئی اور قحط سالی ختم ہوئی نبی کریم ﷺ ایسے رحیم تھے کہ اس قدر سخت دشمنوں کو بھی معاف فرما دیتے تھے۔

صاحب مکارم اخلاق:

تو آپ ﷺ ایک معلم کی حیثیت سے آئے اور آپ ﷺ نے ہر چیز امت کو سبقاً سبقاً سکھلائی (تعلیم دی)۔ کہیں حدیث شریف میں فرمایا:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق. (موطا امام مالک)

میں دنیا میں بھیجا ہی گیا ہوں اچھے اخلاق کی تعلیم کی تکمیل کے لئے، حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے پتہ چلا کہ آپ اعلان نبوت فرما رہے ہیں تو میں نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ جا کر دیکھو کون ہے اور وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ فرماتے ہیں کہ جب میرا بھائی واپس آیا تو میں نے پوچھا کیسا پایا؟ تو بھائی نے جواب دیا کہ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ

اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا.
(مسلم ج۲)

[تم میں سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے

ہوں] آج اخلاق کی ہمارے یہاں کوئی حیثیت نہیں ہے کوئی وقعت نہیں ہے، نماز پڑھنے کو عبادت سمجھتے ہیں روزہ رکھنے کو عبادت سمجھتے ہیں، لیکن اخلاق سے پیش آنا اسے ہم عبادت ہی نہیں سمجھتے حالانکہ یہ بھی ایک عبادت ہے اخلاق بھی اسلام کا ایک اہم جزء ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ان الرجل لیدرک بحسن خلقه درجة قائم الیل و صائم النهار.
(ابوداود، مسند احمد، حاکم)

فرمایا کہ [انسان اچھے اخلاق کی وجہ سے درجہ بدرجہ ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ رات بھر کی عبادت اور دن بھر روزہ رکھنے کا ثواب اسے ملتا ہے] اور ایک حدیث میں فرمایا کہ

ان من خیارکم احسنکم اخلاقا.(بخاری)

تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں، اسی طرح ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اعمال کی میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ اخلاق کریمہ والے لوگ اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے روزہ رکھنے والے اور نماز پڑھنے والے کے درجے کو پہنچ جاتے ہیں، کہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو انعام عطا فرمائے ہیں ان میں سب سے بڑا انعام اچھے اخلاق ہیں، کہیں فرمایا کہ

احب عباد اللّٰه الی اللّٰه احسنهم اخلاقا.

[اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ بندہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔] حدیث شریف میں ہے۔

ان من احبكم الى الله احسنكم اخلاقا. (بخاری شریف)

[تم میں سے وہ شخص اللہ کو بہت پیارا ہے جو اچھے اخلاق کا حامل ہو۔] اور ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ قیامت کے دن میرا قرب بھی اسے نصیب ہوگا جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، فرمایا تم میں سب سے زیادہ مجھے محبوب اور آخرت میں میرے قریب وہ ہوگا جو اچھے اخلاق رکھتا ہو اور تم میں سے مجھے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور آخرت میں مجھ سے دور رہنے والا وہ ہوگا جس کے اخلاق برے ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے اسے اچھے اخلاق والا ہونا چاہئے۔ (بتلائیے کون شخص ایسا نہیں چاہتا) تو ان دونوں حدیثوں پر عمل کرنے سے قربِ خداوندی و قربِ نبی نصیب ہوتا ہے۔

دو عورتیں:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں عورت نماز بہت پڑھتی ہے روزہ بہت رکھتی ہے مگر اپنے ہمسایوں کو بہت تکلیف دیتی ہے رسول اللہ نے فرمایا وہ عورت دوزخی ہے پھر اس شخص نے کہا یا رسول اللہ! فلاں عورت صرف فرض عبادت کرتی ہے اور ہمسایوں کو تکلیف بھی نہیں دیتی ہے رسول اللہ نے فرمایا وہ عورت جنتی ہے۔

(مسند احمد، مشکوۃ باب الشفقۃ علی الخلق)

فراست نبوی:

نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کیسی فراست دی تھی، ایک شخص اپنا مقدمہ خدمتِ

اقدس میں لے کر آیا کہ یارسول اللہ! میرا پڑوسی مجھے بہت ستاتا ہے ہر وقت مجھ سے لڑتا جھگڑتا ہے حالانکہ میں اس کو بہت پیار اور محبت سے سمجھاتا ہوں اس کے باوجود در پئے آزار رہتا ہے آپ نے فرمایا کہ اس سے کچھ نہ کہو اور گھر کا سارا سامان لاکر باہر رکھ دو اور سامان کے پاس بیٹھے رہو لوگ ادھر سے گذریں گے تو اسکی وجہ پوچھیں گے تو ان سے کہہ دیا کرو کہ کیا کروں پڑوسی بد معاش ہے گھر میں سکون سے رہنے نہیں دیتا، چنانچہ اس نے حکم کی تعمیل میں گھر کا سارا اثاثہ (سامان) باہر لاکر رکھ دیا اور وہیں بیٹھ گیا، اب لوگ آتے تھے اور پوچھتے تھے کہ بھائی گھر ہوتے ہوئے بھی آپ کیوں باہر بیٹھے ہیں کیا ماجرا ہے، جواب یہی ملتا ہے کہ پڑوسی بہت ستاتا ہے تنگ کرتا ہے اور چین سے رہنے نہیں دیتا، یہ سن کر ہر آنے جانے والا اس ایذا رساں پڑوسی کو برا بھلا کہتا تو اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ پڑوسی اس کے پاس آیا اور اسے خدا کا واسطہ دیا کہ خدا کے لئے اپنے گھر میں واپس چلا جا اس کے بعد میں تجھے تنگ نہیں کروں گا اور معافی مانگ لی۔

(علمی تقریریں ص ۱۴۱)

جنت میں جانے کا راستہ:

ایک بدو نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور سوال کیا کہ اللہ کے رسول مجھے وہ کام بتا دیں جس پر عمل کر کے مجھے جنت نصیب ہو جائے آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کو غلامی سے چھڑا رقم دے کر اسے آزاد کر اور جو انسان مقروض ہو اور قرض کے بوجھ سے دبا ہوا ہو اسے قرض سے چھڑا اس کا قرض ادا کر اور ظالم رشتہ دار کو ظلم سے روک اور اگر یہ نہیں کرسکتا اور تیری اوقات اتنی نہیں ہے تو بھوکوں کو کھانا کھلا پیاسوں کو پانی پلا اور لوگوں کو نیکی کا راستہ

بتلا اور برائی سے منع کر اور اگر یہ بھی نہیں کرسکتا تو اپنی زبان کو قابو میں رکھ زبان سے ایسی بات نہ نکال جس سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے تو جنت میں چلا جائے گا۔

(معارف القرآن)

اکرامِ مسلم ذریعۂ مغفرت:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے اور تکیے کے اوپر ٹیک لگائے ہوئے تھے، اتنے میں حضرت سلمانؓ تشریف لائے حضرت عمرؓ نے مصافحہ کیا ملاقات کی اور اکراماً اپنا تکیہ ان کے آگے رکھدیا، تو سلمان فارسیؓ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے ابوعبداللہ (ابو عبداللہ حضرت سلمان فارسیؓ کی کنیت تھی) ہمیں بھی تو بتاؤ کہ کونسی بات پر آپ نے یہ کہا ہے؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ تکیہ لگائے بیٹھے تھے آپ نے اپنا تکیہ اکراماً میری طرف بڑھادیا اور فرمایا سلمان! جب کوئی مسلمان بھائی کسی دوسرے مسلمان بھائی سے ملاقات کے لئے جائے اور گھر والا اس کے اکرام میں اپنا تکیہ آرام سے بیٹھنے کے لئے دے دے تو اللہ تعالیٰ اسکی مغفرت کردیتے ہیں۔

(مستدرک حاکم)

دیکھو! اس چھوٹے سے اکرام پر اتنا بڑا انعام ملتا ہے تو اونچے اخلاق پر کیا کچھ ملے گا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاق حسنہ کی دولت سے مالا مال فرمائے اور برے اخلاق سے بچائے۔ آمین۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں بڑی پیاری بات رسول اللہ ﷺ نے بیان

فرمائی فرمایا کہ

مامن شئی یوضع فی المیزان اثقل من حسن الخلق فان صاحب الخلق لیبلغ به درجة صاحب الصوم و الصلوة.

[قیامت کے دن اعمالنامے کی ترازو میں حسن خلق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہ ہوگی حسن اخلاق والا اپنے حسن خلق سے ہمیشہ روزہ دار اور نمازی کا درجہ حاصل کرسکتا ہے۔]

میرے دوستو! ہم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نبی کریم ﷺ کی امت میں ہیں ہمیں بھی وہی اخلاق بنانا (اپنانے) چاہئے جو ہمارے نبی کے تھے کفار مکہ نبی کریم ﷺ کو مجنون اور پاگل کہتے تھے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ. (القلم: ۴)

[آپ اخلاق کے عظیم مقام پر فائز ہیں] یہ کفار ومشرکین حماقت جہالت اور تعصب کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ آپ سب سے بڑے اخلاق پر ہیں کائنات میں آپ سے بڑے اخلاق والا کوئی ہے ہی نہیں، حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت خلق جو کہ جمع کا صیغہ ہے اس کے اندر اخلاق حسنہ کے سارے ہی اوصاف قرآن کریم نے بیان کئے اور قرآن کریم کوئی شاعرانہ کلام کا مجموعہ نہیں جس میں مبالغہ ہو اسی کے ساتھ عظیم کی صفت بھی ہے جسکی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے سید المرسلین خاتم النبین کو اخلاق حسنہ کا وہ مقام عطا فرمایا جو بندوں کی ادراک کی انتہا ہے حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے اخلاق کو سب سے بڑا

اخلاق اس لئے کہا گیا:

لم تکن له همة سوی الله

یعنی آپ کے دل میں رضائے الٰہی کے سوا کوئی دوسرا مقصد ہی نہیں اور مخلوق کے ساتھ آپ کمال درجہ کے اخلاق کے ساتھ پیش آئے - کچھ باتیں سمجھ میں آ بھی رہیں ہے کہ نہیں؟- اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ظاہر میں مخلوق کے ساتھ ہوتے تھے اور باطن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔اس لئے لوگوں کے ساتھ کمال درجہ کا معاملہ کرتے ہوئے بھی بے گانہ ہی ہیں۔کیونکہ اندر کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ چل رہا ہے۔اللہ عزوجل کے سوا آپ کا کوئی مقصود نہیں۔تو ظاہر آپ کا مخلوق کے ساتھ اور باطن حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ اس لئے آپ کے اخلاق ''خلق عظیم'' یعنی سب سے بڑے اخلاق کہلائے۔حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کی کوئی مثال نہیں تمام نبیوں اور انسانوں میں آپ کے اخلاق سب سے بلند ہے، آپ کے اخلاق کو اخلاق کا معیار مقرر کیا گیا، اس کے باوجود نبی کریم ﷺ بارگاہ رب العزت میں دعا مانگا کرتے تھے:

اللهم اهدنی لأحسن الاخلاق لا یهدی لا حسنها الا انت واصرف عنی سئیا لا یصرف عنی سیئها الا انت (مسلم شریف)

[اے میرے رب تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی کر اور تیرے سوا بہترین اخلاق کی رہنمائی کوئی نہیں دکھلا سکتا اور برے اخلاق سے مجھے پھیر دے اور ان کو کوئی نہیں پھیر سکتا تیرے سوا۔]

علماء نے لکھا ہے کہ اس دعا کو نفل نماز میں پڑھ سکتے ہیں۔اخیر میں اخلاق پر

ایک جامع حدیث بیان کر کے بات ختم کر رہا ہوں، حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے علی! تم کو اولین و آخرین کے اخلاق کی تعلیم دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو شخص تم کو محروم کرے تم اس پر بخشش کرو اور جو تم پر ظلم کرے تم اسکو معاف کر دو اور جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس سے بھی ملا کرو، اس سے بھی تعلق کو جوڑے رہو۔
(بیہقی)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۱۶ ﴾

لیلۃ القدر کی فضیلت اور اہمیت

(قسط اول)

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اکابر صحابہ کے مجمع سے جس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی تشریف فرما تھے، سوال کیا۔ شب قدر رمضان کی کون سی تاریخ میں ہوتی ہے؟ سب صحابہؓ نے صرف اتنا کہا ''واللہ اعلم'' کوئی تعین اور فِکس تاریخ بیان نہیں کی۔ تو حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے – جو ان سب میں چھوٹے تھے – خطاب فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے آسمان سات پیدا کئے، زمینیں سات پیدا کیں، انسان کی تخلیق سات درجات میں فرمائی۔ پھر فرمایا انسان کی غذاء سات چیزیں بنائیں، اس لئے میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ شب قدر ستائیسویں شب ہوگی۔

﴿ ١٦ ﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لیلۃ القدر کی فضیلت اور اہمیت

(قسط اول)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْكَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیْعَنَاوَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥
اِنَّـا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ. وَمَا اَدْرٰکَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ. لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ. تَنَزَّلُ الْمَلٰئِکَةُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ. سَلٰمٌ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ. (القدر: ١، ٢، ٣، ۴، ۵)

عن ابی سلمة بن عبد الرحمن قال حدثنی ابو ھریرة رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال :من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه و من قام لیلة القدر ایمانا و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه.

(سنن النسائی:٢/٢٧١)

ترجمہ: [بیشک ہم نے اسے (قرآن کو) شب قدر میں اتارا ہے۔اور آپ کو خبر ہے کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر وہ رات ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے۔

اس رات میں فرشتے اور روح القدس اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر اترتے ہیں۔ وہ شب سراپا سلام ہے۔ وہ شب طلوع فجر تک رہتی ہے۔

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

خدا کی یاد دل میں حب حضرت لے کر آیا ہوں
شہ لولاک کی توقیر و عظمت لے کر آیا ہوں
قرآن پاک کی سچی تلاوت لے کر آیا ہوں
جو دولت مٹ نہیں سکتی وہ دولت لے کر آیا ہوں
میں اصحاب نبی کی دل میں وقعت لے کر آیا ہوں
قرآن پاک کی سچی محبت لے کر آیا ہوں
سناؤں گا سناؤں گا تمہیں ہاں ہاں سناؤں گا
میں عقیدہ اہل سنت و الجماعت لے کر آیا ہوں
شفیع المذنبیں فرمائیں گے آکر قیامت میں
گنہگارو نہ گھبراؤ شفاعت لے کر آیا ہوں

بزرگان محترم! اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے گذشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی اس رات کی فضیلت ہم گنہگاروں کو عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ بار بار یہ موقع ہمیں نصیب فرمائے۔ آمین۔

عبادت کی رات:

چونکہ یہ عبادت کی رات ہے اور تقریر کے بجائے عبادت میں وقت گزارنا بہتر

ہے۔یہ تقریر کرنے کا وقت نہیں، تقدیر بدلنے کا وقت ہے۔اس لئے بہت ہی مختصر وقت میں قرآن وحدیث سے چند قیمتی جواہرات لیلۃ القدر کی فضیلت کے بارے میں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں گا۔

لیلۃ القدر:

لیلۃ القدر کی فضیلت کے لئے سورۃ القدر ہی کافی ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا جبکہ دیگر آسمانی صحیفے بھی رمضان المبارک میں نازل فرمائے۔(فضائل رمضان) پھر شوق دلانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے؟لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے زیادہ برکت، خیر اور فضیلت والی ہے۔

لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَھۡرٍ.

اس رات کی قدر ومنزلت کیا ہے؟ فرمایا:

تَنَزَّلُ الۡمَلٰۤئِکَۃُ وَالرُّوۡحُ فِیۡھَا

[لیلۃ القدر میں فرشتے اترتے ہیں اور روح بھی] روح سے مراد جبریل امین ہیں۔اور بعض روایات کے مطابق حضرت عیسیٰؑ ہیں جو اس امت کے کارنامے دیکھنے کے لئے تشریف لاتے ہیں جو اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں مگر یہ روایت ضعیف ہے، اور یہ رات صبح صادق تک سلامتی کی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر وسلامتی اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

لیلۃ القدر کا مصداق:

لیلۃ القدر کے معنیٰ قدر والی رات۔قدر کے متعدد معانی ہیں قدر بمعنیٰ عزت

کے ہے اور اردو میں بھی عزت کے لئے قدر کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اگر عزت کے معنیٰ میں لیا جائے تو معنیٰ ہوگا عزت والی رات اور شان والی رات، بلند شان والی رات کہئے۔ اور شان بلند کیوں نہ ہو جس میں تمام بادشاہوں کے بادشاہ کی طرف سے تمام کتابوں کی سردار کتاب تمام نبیوں کے سردار کی طرف تمام فرشتوں کے سردار فرشتے کے ذریعے تمام مہینوں میں سردار مہینے میں تمام راتوں کی سردار رات لیلۃ القدر میں امتوں کی سردار امت کے لئے نازل فرمائی۔

عشق مجازی سے حقیقی محبت کی ایک تمثیل:

دنیا والوں کو اگر کسی سے عشق ہو جائے تو محبوب جس وقت جس دن اور جس تاریخ میں اس سے ملنے کے لئے آتا ہے تو عاشق اس وقت اس دن اور اس تاریخ کو بھولتا نہیں ہے اور جب وصال ہو جاتا ہے تو زندگی بھر کہتا ہے کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت اور فلاں دن میرا محبوب وہاں تشریف فرما تھا اور گنگناتا رہتا ہے:

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اور ایک صاحب نے فارسی میں کیا خوب کہا ہے____:

گر قدم رنجہ کنی جانب کاشانۂ ما
رشک فردوس شوداز قدمت خانۂ ما

پھر جو اللہ کا محبوب ہو اور عاشق ہو محبّ بھی اور محبوب بھی ان کے لئے تو یہی نسبت کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اور محبوب حقیقی کا کلام اسی رات نازل ہوا تھا وہ امین و

صادق اپنے محبوب کے کلام اور پیغام سے وارفتہ دل رہتا ہے ساری ساری رات روتا ہے:

تمام رات نہیں سوئے یاد کرکے تجھے
گرفتہ دل تھے بڑے روئے یاد کرکے تجھے

انبیاءؑ کے معجزات:

تمام انبیاء کرامؑ اپنے ساتھ معجزات لے کر آئے تھے انبیاء کے معجزات برحق ہیں اولیاء کی کرامات برحق ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کو عصا کا معجزہ عطا فرمایا یہ زمین پر ڈالنے سے اژدھا بن جاتا تھا، ہاتھ میں لینے سے عصا بن جاتا تھا، دریا پر مارتے تو بارہ راستے بن گئے، پتھر پر مارا بارہ چشمے پھوٹ پڑے، گریبان میں ہاتھ ڈالتے تو ہاتھ روشن ہوجاتا تھا، حضرت عیسیٰؑ کو قم باذن اللہ کہہ کر مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا ہوا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جذام اور برص کے مریض کو تندرست کردیتے تھے، حضرت داؤدؑ کے لئے لوہا نرم کیا اور چرند پرند ان کے ساتھ تسبیح میں لگ جاتے تھے۔

دائمی معجزہ:

حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نبی کریم ﷺ تک جتنے پیغمبر آئے وہ برحق ہیں ان کے معجزات برحق ہیں ان کے معجزات ان کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہوگئے لیکن ہماری سعادت مندی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم ﷺ کو جو معجزہ قرآن کا عطا فرمایا تھا وہ حضور ﷺ کی رحلت کے بعد بھی اسی طرح قائم ودائم ہے جس طرح کے اپنے نزول کے وقت میں قائم تھا، علامہ سیوطیؒ نے آپ کے معجزات کی تعداد تین ہزار بتلائی ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ معجزات بے شمار ہیں، علماء کرام اپنی اپنی تحقیق اور ذہن وفکر کے مطابق

معجزات کی تعداد بتاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کی پوری زندگی معجزہ ہے، یہ تو سب کو تسلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے وجود کو سب سے پہلے بنایا، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

کنت نبیا و اٰدم بین الماء والطین

تمام اولیاء کو جو کرامات ملی ہیں وہ نبی کریم ﷺ کے صدقہ میں ملی ہیں اوران کا دامن پکڑنے سے ملی ہیں آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید کی شکل میں عطا ہوا، دیکھو! کوئی بھی آسمانی کتاب اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں ہے مگر قرآن مجید سینہ بہ سینہ محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ اور موجود رہے گا۔

قرآن مجید ضابطۂ حیات:

قرآن مجید صرف ہمارے لئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے ضابطۂ حیات ہے جس میں انسانی زندگی کے ہر شعبے کے رہنما اصول موجود ہیں ہر سوال کا جواب ہے، پھر قرآن مجید اخلاق نبوی اور سنت نبوی کی موجودگی میں اگر ہم یہود و نصاریٰ کے طریقوں کو پسند کریں تو یہ ہماری محرومی اور کم بختی ہے۔ دوغلی پالیسی اور غداری ہے منافقت اور بے وفائی ہے، بہر حال قرآن مجید جامع ہے اس میں تمام علوم و معارف اور قیامت تک آنے والے مسائل کا حل موجود ہے۔

قرآن کریم میں جہاز کا ذکر:

ایک صاحب نے پوچھا قرآن کریم میں جہازوں اور راکٹوں وغیرہ کا کہیں ذکر ہے؟ ہمارے استاذ صاحب نے فرمایا قرآن کریم نے چودہ سو سال پہلے فرمایا ـــــــ :

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ. وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ

اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَکُوْنُوْا بٰلِغِیْہِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ. وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْھَا وَزِیْنَۃً وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ.
(النحل:۶،۷،۸)

ترجمہ: [اوران کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جبکہ (ان کو) شام کے وقت (گھر) لاتے ہواور جبکہ (انہیں) صبح کے وقت (چرنے) چھوڑ دیتے ہواور وہ تمہارے بوجھ بھی اپنے شہروں تک لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر سخت مشقت کے پہنچ نہیں سکتے تھے تمہارا پروردگار بیشک بڑا شفقت والا ہے بڑا رحمت والا ہےاوراسی نے پیدا کئے گھوڑےاور خچراور گدھے تا کہ تم ان پر سوار ہواور زینت کے لئے بھی اوروہ پیدا کرتا رہتا ہےایسی چیزیں جن کی تم کوخبر نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مختصر فرمایا کہ ہم نے آپ کی سواری کے لئے گھوڑے گدھے اور اونٹ پیدا فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایسی چیزیں بنائے گا جنہیں تم جانتے بھی نہیں۔ان میں موٹر، بس، ریل گاڑی اور جہاز کا بھی ذکر آ گیا، کلاشنکوف اور بندوق کا بھی ذکر آ گیا، ٹینک اور ایٹم بم کا بھی ذکر آ گیا۔

قرآن کریم سے چند سوالات اور جوابات:

قرآن کریم میں ہر سوال کا جواب بھی موجود ہے،قرآن کریم سے پوچھو تمہارا نام کیا ہے؟ قرآن کریم خود جواب دیتا ہے:

بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ. (البروج: ۲۱)

پوچھو تمہارا ایڈریس کیا ہے؟ قرآن کریم جواب دیتا ہے:

فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ. (البروج: ۲۲)

دریافت کرو تمہیں کون لے کر آیا ہے؟ قرآن کریم جواب دیتا ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (الشعراء: ۱۹۲)

پوچھو تو کس کے پاس آیا؟ جواب دیتا ہے:

نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ (المحمد: ۲)

کس مہینہ میں نازل ہوا؟ جواب ملتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ: ۱۸۵)

کس رات میں نازل ہوا؟ جواب ملتا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ. (القدر: ۱)

تیری طاقت کیا ہے؟ جواب ملتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر:۲۱)

مقصد کیا ہے؟ جواب ملتا ہے:

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ. (البقرہ: ۲)

غرض قرآن کریم میں ہر سوال کا جواب موجود ہے۔

قدر کا دوسرا معنیٰ:

تو لیلۃ القدر عزت والی اور رفعت والی رات ہے کیونکہ اس میں کلام اللہ نازل ہوا، اس میں خدا کا پیغام آیا، اس میں خدا کا نظام آیا ـــــ:

جب اپنی پوری جوانی پہ آگئی دنیا
جہاں کے واسطے ایک آخری پیام آیا

قدر کا دوسرا معنیٰ تنگی والی رات قرآن کریم میں آیا ہے:

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ (الرعد: ۲۶)

[اللہ تعالیٰ جس کا چاہے رزق کشادہ کر دیں اور جس کا چاہے تنگ کر دیں]

اس رات میں جبریل کے ساتھ عرش والے فرشتے بھی جو تمام سال زمین پر تشریف نہیں لاتے اس رات میں خصوصیت سے تشریف لاتے ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ان کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں سلام کرتے ہیں مصافحہ کرتے ہیں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں تعداد ان کی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے اس لئے اس کو تنگی والی رات بھی کہتے ہیں۔

قدر کا تیسرا معنیٰ:

قدر کا تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ یہ تقدیر سے مشتق ہے شب برأت میں جو تقدیر لکھی جاتی ہے اس کو شب قدر میں تمام سال کے لئے فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، یہ وہ رات ہے جس میں تقدیروں کے فیصلے کئے جاتے ہیں یہ قسمتوں کے بنانے اور بگاڑنے کی رات ہے، تو قدر کے تین معنیٰ ہوئے۔ ۱......عزت والی رات ۲......تنگی والی رات ۳......اور تیسرا مفہوم تقدیر ہے۔

یعنی تقدیر والی رات، لیلۃ القدر تمام راتوں میں افضل ہے، اس رات میں عبادت کا ثواب ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے، ہزار مہینہ کے ۸۳؍سال اور چار مہینے ہوتے ہیں، تو ہزار مہینوں سے بھی افضل ہے سے مراد ۸۳؍سال اور چار مہینے نہیں بلکہ اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ بڑی اور کثیر تعداد کا تصور دلانے کے لئے وہ ہزار کا لفظ بولتے

تھے، مطلب یہ ہے کہ اس ایک رات میں خیر اور بھلائی کا اتنا بڑا کام ہوتا ہے کہ کبھی انسانی تاریخ کے کسی طویل زمانے میں بھی ایسا کام نہیں ہوسکتا۔

پروردگار عالم نے اس مبارک رات کی خبر نبی کریم ﷺ کو دی اور اللہ کے نبی لوگوں کو بتانے کے لئے نکلے، لیکن دو آدمیوں کو دیکھا آپس میں کسی بات پر جھگڑ رہے ہیں، تو اس جھگڑے کی نحوست کی وجہ سے اللہ کے نبی ﷺ کو وہ رات (کی تعیین) بھلادی گئی۔ اب یہ کہ شب قدر کب ہوتی ہے؟ تو اس سلسلہ میں مختلف اقوال منقول ہیں۔

لیلۃ القدر کب ہوگی؟

بعض علماء کے نزدیک یہ رات تمام سال میں گھومتی رہتی ہے، بعض کے نزدیک رمضان المبارک میں ہے، بعض نے کہا: رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اس کو تلاش کرو۔ بعض نے کہا: کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اس رات کا تعین اس لئے اٹھالیا کہ پھر لوگ صرف اسی رات میں عبادت کر کے باقی دنوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل نہ رہیں اور اگر اس رات کا تعین کر دیا جاتا پھر اس کی ناقدری کی صورت میں حق ادا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا بھی خطرہ ہے۔

شب قدر کے متعلق چند اہم نکات:

شب قدر کے متعلق اکابرین نے کچھ نکات بھی بیان کئے ہیں، مختلف مجلسوں میں سنے ہوئے یہ نکات آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں، آپ حضرات توجہ سے سنیں گے تو سمجھ میں آئے گا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ خطبہ میں میں نے سورۂ قدر کی تلاوت کی، اس سورت میں

لیلۃ القدر کی فضیلت بیان کی گئی ہے، جس کی پہلی آیت ہے:

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ.

[بیشک ہم نے اسے (قرآن) کو شب قدر میں اتارا ہے۔]

اور قرآن کریم کی دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ: ۱۸۵)

[رمضان کا مہینہ وہ (مبارک) مہینہ ہے کہ جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔]

پہلی آیت میں فرمایا کہ ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے، اور دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک رمضان المبارک میں نازل ہوا، دونوں آیتوں کو ملانے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن رمضان المبارک کے مہینہ میں شب قدر میں نازل ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ رات جو شب قدر کے نام سے یاد کی جاتی ہے، رمضان المبارک کے مہینہ میں ہے۔ جب رمضان المبارک کا مہینہ طے ہو گیا تو معلوم ہوا کہ گیارہ مہینے یعنی محرم الحرام سے شعبان تک اور شوال سے ذی الحجہ تک، ان گیارہ مہینوں میں سے کسی مہینہ میں نہیں ہے، یہ مہینہ کا تعین ہو گیا۔

اب ہر مہینہ میں ۲۹/ یا ۳۰/ راتیں آتی ہیں، ہر مہینہ تین عشرہ کا ہوتا ہے، آپ نے بار بار رمضان کے تینوں عشروں کی فضیلتوں کے بارے میں سنا ہوگا، میں نے شروع رمضان میں بیان کیا تھا کہ

اوله رحمة و اوسطه مغفرة و اٰخره عتق من النار

[اس کا پہلا عشرہ رحمت کا ہے، دوسرا عشرہ مغفرت کا ہے اور تیسرا عشرہ جہنم سے

آزادی کا ہے۔]

اور رمضان المبارک کے تیسرے عشرے میں شب قدر ہوتی ہے، ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

تحروا ليلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر

[رمضان المبارک کے اخیری عشرہ کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔]

جب یہ طے ہو چکا کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر ہوتی ہے، تو یہ معلوم ہو گیا کہ رمضان المبارک کے پہلے اور دوسرے عشرہ میں شب قدر نہیں ہے۔ اس کی کیا حکمت ہے کہ رمضان المبارک کے پہلے اور دوسرے عشرہ میں شب قدر نہیں رکھی گئی بلکہ تیسرے عشرہ میں شب قدر رکھی گئی۔

شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں رکھنے کی حکمت:

علماء نے لکھا ہے کہ پہلے عشرہ اور دوسرے عشرہ میں شب قدر نہ رکھتے ہوئے تیسرے عشرہ میں شب قدر کو رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ رمضان شروع ہوتے ہی پہلے عشرہ میں اگر شب قدر رکھ دی جاتی تو ایک دم سے جب کہ جاگنے کی ابھی عادت نہیں ہوئی ہے تو اس کو تلاش کرنا، جاگنا مشکل ہو جاتا۔ اس لئے بندہ کی کمزوری کا احساس کیا گیا کہ ابھی آہستہ آہستہ ذرا آنے دو کچھ عادت بن جائے گی ایک مزاج بننے کے لئے آدھا چلہ کافی ہے اب اس کے بعد تیسرا عشرہ آخری عشرہ ہے، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے شب قدر کو رکھا ہے، کہ اب اس کو ڈھونڈنے میں تلاش کرنے میں بیس دن تک جو میرے بندوں نے مشق کی ہے اور دن میں روزے رکھے اور رات کو بیس رکعات تراویح کی نماز پڑھنے میں

کافی دیر تک جاگ کر میرے گھر میں جو حاضری دینے کی مشق کی تو اب اگر شب قدر کو آخری عشرہ میں رکھ دیں تو میرے بندوں کو زیادہ دشواری نہیں ہوگی، اب آسانی ہو جائے گی۔شب قدر کی بات کچھ سمجھ میں بھی آ رہی ہے کہ نہیں؟ (جواب ملا، ہاں) تو میں عرض کر رہا تھا کہ شب قدر کو آخری عشرہ میں رکھ دیا پھر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں رکھا۔اس کی حکمت کیا ہے؟۲۱/۲۳/۲۵/۲۷/۲۹/ پانچ راتوں میں رکھا،اس کی حکمت یہ ہے کہ:

ان الله وتر يحب الوتر

[اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ طاق ہے اور طاق عدد کو پسند کرتے ہیں]

لہذا اپنی پسند کے مطابق طاق راتوں میں شب قدر رکھ دیا، اور اگر اللہ تعالیٰ مطلقاً دس راتوں میں شب قدر رکھ دیتا تو بندہ کے چاہنے کے باوجود بھی بندہ کے لئے مشکل ہو جاتا، بجائے مسجد کے ہسپتال جاتا اس وجہ سے ہم کمزوروں کی رعایت کی گئی، تو پانچ راتیں ہوگئی۔۲۱/۲۳/۲۵/۲۷/۲۹/تو پانچ راتوں میں کسی ایک رات کو متعین حتمی یقینی طور سے متعین نہیں کیا گیا، اب ۲۱/۲۳/۲۵/تو گزر گئی، اب صرف آج کی رات ۲۷ویں اور ۲۹ویں باقی ہے، آج رات کی بھی قدر کریں اور ۲۹ویں رات کو بھی غنیمت سمجھ کر خوب اپنے رب کو منالیں، غالب گمان یہی ہے کہ زیادہ تر ۲۷ویں رات کو شب قدر ہوتی ہے۔

اور آج ہمارے یہاں کے اعتبار سے ۲۷ویں رات ہے اور ۲۷ پر ایک علمی دلیل رئیس المفسرین، ترجمان القرآن کی طرف منسوب ہے، جسے علماء نے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سورۂ قدر میں کل کلمات تیس ہیں اور مہینہ بھی تیس دن کا ہوتا ہے، تیس کلموں میں لیلۃ القدر تین مرتبہ آیا ہے۔﴿اِنَّـا اَنْـزَلْـنٰـهُ فِـىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ایک مرتبہ ﴿وَمَـا

اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ﴾دوسری مرتبہ ﴿لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ﴾یہ تیسری مرتبہ ہوا،اور﴿لَیْلَۃُ الْقَدْرِ﴾میں حروف نو ہیں،اورنو کوتین میں ضرب دوتو کیا بنے گا؟ حاصل ستائیس آتا ہے، اس میں ایک اشارہ کررہے ہیں کہ شب قدر ۲۷ویں رات کو آئے گی،علماء نے ایک نکتہ تو یہ بیان کیا ہے۔

اوردوسرا نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ اس سورت میں ۲۷واں کلمہ﴿ھِیَ﴾ہے جو اخیر میں آرہا ہے﴿ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾میں،تو﴿ھِیَ﴾کی ضمیر مؤنث کی ضمیر ہے، لیلۃ القدر یہ مؤنث کا صیغہ ہے اور﴿ھِیَ﴾کی ضمیر اسی کی طرف راجع ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر ۲۷ویں کو ہوگی۔

یہ بات آپ حضرات کی سمجھ میں آگئی تو اور ایک نکتہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں لکھا ہے وہ سن لیجئے۔(آپ تھک تو نہیں گئے،مجمع نے جواب دیا نہیں،آپ بیان کیجئے) توجہ فرمایئے! حضرت مفتی صاحبؒ نے تفسیر قرطبی کے حوالہ سے لکھا ہے ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اکابر صحابہ کے مجمع سے جس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی تشریف فرما تھے،سوال کیا۔شب قدر رمضان کی کون سی تاریخ میں ہوتی ہے؟ سب صحابہؓ نے صرف اتنا کہا ''واللہ اعلم'' کوئی تعین اور فِکس (fix) تاریخ بیان نہیں کی۔تو حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے۔جو ان سب میں چھوٹے تھے۔خطاب فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے آسمان سات پیدا کئے، زمینیں سات پیدا کیں،انسان کی تخلیق سات درجات میں فرمائی۔عبداللہ بن عباسؓ کا اشارہ سورۂ مؤمنون کی اس آیت

کی طرف تھا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ

(المؤمنون:۱۲،۱۳،۱۴)

[اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) محفوظ مقام (رحم) میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء کو) ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا۔]

(بیان)

پہلا درجہ سلالۃ من طین ، دوسرا درجہ نطفہ، تیسرا درجہ علقہ، چوتھا درجہ مضغہ، پانچواں درجہ عظام یعنی ہڈیاں، چھٹا درجہ ہڈیوں پر گوشت چڑھانا، ساتواں درجہ تکمیل تخلیق کا ہے یعنی روح پھونکنا۔

پھر فرمایا انسان کی غذاء سات چیزیں بنائیں، اس لئے میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ شب قدر ستائیسویں شب ہوگی۔

انسان کی غذا سے مراد سورۂ عبس میں بیان کی ہوئی یہ سات غذائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا. وَعِنَبًا وَّقَضْبًا. وَزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا. وَحَدَآئِقَ غُلْبًا. وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا. (سورۂ عبس: ۲۷، تا ۳۱)

[پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارا پیدا کیا۔] (بیان القرآن)

اس آیت میں آٹھ چیزیں مذکور ہیں، جن میں پہلی سات انسان کی غذا ہے اور آخری یعنی ابّ یہ جانوروں کی غذا ہے۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے یہ عجیب استدلال سن کر صحابہ سے فرمایا کہ آپ سے وہ بات نہ ہوسکی جو اس لڑکے نے کی جس کے سر کے بال بھی ابھی مکمل نہیں ہوئے۔
(بحوالہ ابن ابی شیبہ؛ معارف القرآن:۶/۳۰۲)

بندہ نے اپنے بعض بزرگوں سے سنا ہے اسی طرح سات چیزیں بہت سی ہیں۔ ہفتہ کے دن سات، کعبۃ اللہ کے طواف سات، سعی بین الصفا والمروہ سات، رمی جمار بھی سات، وغیرہ۔ اس لئے یہ معلوم ہوا کہ شب قدر بھی ۲۷ ویں کو ہوتی ہے۔ نیز محاورہ میں بھی سات کا استعمال ہوتا ہے، ہم انڈیا یا پاکستان جاتے ہیں لوگ کہتے ہیں سات سمندر پار سے یہ صاحب آئے ہوئے ہیں۔

لیلۃ القدر کے بارے میں جمہور کا قول:

معزز سامعین کرام! قرآن کریم کی سورۂ قدر سے صراحۃً یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ شب قدر ماہ رمضان المبارک میں آتی ہے، مگر تعین میں علماء کے مختلف اقوال آپ نے سنے، ان میں صحیح تر قول یہ ہے کہ شب قدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کسی ایک رات میں ہوتی ہے، اور ہر رمضان المبارک میں بدلتی رہتی ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ باوجود معصوم ہونے کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، آپ ﷺ اس رات کی تلاش میں اپنے گھر بار اور اہل بیت کو چھوڑ کر آخری عشرہ اللہ کے گھر

میں گذارا کرتے تھے، آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپناتے ہوئے اکابر امت اور اساطین اسلام اور بہت سے دیندار بھائی بھی اور ماشاء اللہ بہت سی ماں بہنوں نے بھی اعتکاف کی سنت کو زندہ کر رکھا ہے اور شب قدر کی تلاش جاری رکھی، ہم میں سے اللہ تعالیٰ جس کو توفیق دے اس کو بھی چاہئے کہ پورے اہتمام سے عشرۂ اخیرہ میں اس کو حاصل کرنے کی نیت سے بھرپور عبادت وریاضت کرے، کتنے خوش نصیب بندے ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ شب قدر جیسی مبارک رات کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اور ان پر اپنی رحمتوں کے دہانے کھول دیتا ہے۔

اللهم ارزقنا هذا الليلة المباركة

کیا بگڑ جائے ایک رات بھی جس کو مل جائے جو ہزار مہینوں سے زیادہ افضل ہے، یعنی اس ایک رات میں عبادت کا ثواب ۸۳/سال کے رات دن میں عبادت کے ثواب سے افضل ہے، اگر اس کی راتیں بنائی جائیں تو ۳۰/ہزار راتیں بنتی ہیں یعنی اگر کسی نے شب قدر میں ایک مرتبہ سبحان اللہ کہا تو اسے ۳۰/ہزار مرتبہ سبحان اللہ کہنے کا ثواب مل گیا، اس ایک رات میں کسی نے ایک دو رکعت نفل نماز پڑھ لی تو اسے ۶۰/ہزار رکعات نفل پڑھنے کا ثواب مل گیا۔ افسوس صد افسوس ہے ان لوگوں پر جو دنیا کے معمولی اور ختم ہونے والے نفع کے لئے اپنی ایک نہیں بلکہ کئی راتوں کو بہ خوشی قربان کر دیتے ہیں، کاروبار میں بس کے سفروں میں دوڑ بھاگ میں ہوٹلوں کی بھٹی کو گرم رکھنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ لیکن اپنے رب کی بندگی کرنے پر اس کے حضور ماتھا ٹیکنے اور اپنے رب کو راضی کرنے کی فکر نہیں کرتے۔ انہیں نہ ہی شب قدر کی تلاش ہوتی ہے اور نہ ہی رمضان

المبارک کی قیمتی اور مبارک راتوں کو عبادت سے مزین کرنے کی فکر؟ گویا وہ لوگ دنیا کے عارضی اور مختصر سے فائدہ کے لئے آخرت کے ابدی اور لا متناہی نفع کو قربان کرنے کی بچکانہ اور جاہلانہ جدوجہد میں لگے رہتے ہیں۔ جب کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ اپنی امت کو شب قدر کی تلاش وجستجو میں لگے رہنے کا حکم دیتے ہیں تا کہ کوئی شخص بھی اس خیر کثیر سے محروم نہ رہے۔

اس لئے میرے دوستو مخلص بھائیو! دیکھئے اب رمضان المبارک قریب قریب ختم ہورہا ہے، ۲۱/۲۳/۲۵/طاق راتیں جا چکیں، اب صرف ۲۷ اور ۲۹ باقی ہیں اسی کو غنیمت سمجھ کر اپنے رب کریم ورحیم کو راضی کرنے کی فکر کرلو، اس مبارک رات میں خوب استغفار کرو اور اپنے گناہوں سے توبہ مانگو۔

میرے دوستو عزیز بھائیو! زمانے تین ہیں۔ ماضی، حال، مستقبل ماضی گذرے ہوئے زمانہ کو کہتے ہیں، جو وقت بیت گیا اب ہاتھ آنے والا نہیں وہ ماضی ہے۔ مستقبل آنے والے زمانہ اور وقت کو کہتے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کل کیا ہوگا؟ کس کی زندگی باقی رہے گی اور کون اللہ کو پیارا ہوجائے گا اور کل تو کیا پل بھر کا بھی بھروسہ نہیں، کل کسی نے نہیں دیکھا، اور حال تو سب جانتے ہی ہیں موجودہ زمانہ کو کہتے ہیں، جو وقت ابھی چل رہا ہے وہ حال ہے۔ اس لئے حال کی قدر کرلو، جو کچھ کرنا ہے اسی میں کرنا ہے، اس لئے خوب توبہ، استغفار اور عبادت میں آج کی رات گذارو۔

حضرت ابوبکر وراق ؒ نے فرمایا کہ اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس آدمی کی اس سے پہلے اپنی بے عملی کے سبب کوئی قدر و قیمت نہیں تھی اس رات

میں توبہ واستغفار، عبادت وریاضت ومجاہدے کے ذریعہ وہ بھی صاحب قدر وشرف بن جاتا ہے، اس لئے دوستو! ایک چھوٹی سی بات یاد رکھو، جب تک سانس ہے تب تک چانس ہے، اپنے روٹھے ہوئے رب کو منالو، حدیث شریف میں شب قدر میں مانگنے کی مبارک دعا منقول ہے اسے کثرت سے پڑھو۔

شب قدر کی دعا:

حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ! اگر میں شب قدر کو پالوں، مجھے معلوم ہو جائے کہ آج شب قدر ہے تو کیا دعا مانگوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹی سی دعا سکھائی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفُوَ فَاعْفُ عَنِّیْ

[اے اللہ! بیشک تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے پس تو مجھے معاف فرمادے۔]

اس دعا کو کثرت سے مانگو۔

فضیلت اور اجر وثواب:

سنن النسائی میں ایک حدیث بیان کی گئی ہے:

من قام لیلة القدر ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه
(سنن النسائی:۲/۲۷۱)

[جو شخص شب قدر میں ایمان واخلاص کے ساتھ عبادت میں کھڑا رہے تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردئے جائیں گے۔]

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: شب قدر میں وہ تمام فرشتے جن کا مقام سدرۃ المنتہیٰ پر ہے، جبرئیلؑ کے ساتھ دنیا میں اترتے ہیں کوئی مؤمن مرد یا عورت ایسا نہیں جس کو وہ سلام نہ کرتے ہوں، بہ جز اس شخص کے جو جوا کھیلتا ہو، یا شراب پیتا ہو یا خنزیر کا گوشت کھاتا ہو۔ نیز فرمایا جو شب قدر کی خیر و برکات سے محروم رہ گیا وہ بالکل محروم اور بدنصیب ہے۔ (معارف القرآن)

تفسیر ابن کثیر میں اس رات کی فضیلت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اس رات میں ایک دفعہ کلمہ طیبہ " **لَاالٰــہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُـوْلُ اللّٰــہِ**" زبان سے ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتے ہیں، دوسری مرتبہ کہنے پر جہنم سے خلاصی ہوجاتی ہے، تیسری مرتبہ کہنے پر درجات بلند فرما دیتے ہیں، ایک مرتبہ کا ثواب اتنا زیادہ ہے تو تمام رات عبادت، تلاوت، ذکر کا اجر و ثواب کتنا ہوگا اور کیسے ہوگا وہ تو لاتعد و لاتحصٰی ہے ہم لوگ اپنی محدود اپنی عقل سے اس کا حساب نہیں لگا سکتے، رمضان میں تو ویسے بھی نفل عبادت کا ثواب فرض کے برابر ہوجاتا ہے اور ایک فرض ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے، اتنے انعامات کے باوجود کوئی اللہ کے سامنے دامن نہیں پھیلاتا تو اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

شب قدر کس کو ملے گی؟

کسی بزرگ سے شب قدر کی نشانی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا______:

اے خواجہ چہ می پرسی ز شب قدر نشانی
ہر شب شب قدر است گر قدر می دانی

یعنی شب قدر کی قدر تو اسکو ہوتی ہے جو شب بیداری کا اہتمام کرتا ہے جس نے شب بیداری کی اسکو شب قدر ملے گی، جو رات کی قدر کرتا ہے اس کے لئے تو ہر رات قدر کی ہے، حضرت عثمانؓ نے اسکی تفسیر میں فرمایا کہ جو شخص عشاء اور فجر کی نماز با جماعت ادا کرے تو اللہ اسکو تمام رات کی عبادت کا ثواب عطا کرے گا، کسی نے کیا خوب کہا ہے

من لم یعرف قدر اللیل
لم یعرف لیلۃ القدر

[یعنی جس نے مطلق رات کی قدر نہ کی وہ لیلۃ القدر کی کیا قدر کرے گا] لیکن اپنے آپ پر ظلم بھی نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو لقب عطا فرمایا ہے: "امة وسط" یعنی یہ وسط امت ہے جو اعتدال پر رہے گی عبادات میں، معاملات میں ہر چیز میں اعتدال پر رہے گی۔

کامیابی کی راہ:

اسلام کسی رسم و رواج کا نام نہیں کہ مخصوص وقت کے اندر چند رسمیں ادا کر لی جائیں، پھر جو جی میں آئے کرتے رہیں، جب ہم نے کلمہ شہادت کا اقرار کرلیا تو ہم نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ اے اللہ میرا ہر سانس میرا ہر عمل ہر گھڑی ہر ساعت ہر لمحہ میرا نہیں بلکہ تیرا ہے، اس لئے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّ صَلاَتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. (الانعام:۱۶۲)

اور دوسری ضروری چیز ہے:

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (النور: ۵۴)

معصیت کے اثرات:

ایک دفعہ حضرت سلیمانؑ نے سر پر تاج رکھا بڑا قیمتی تاج تھا ٹیڑھا ہو گیا، دوسری دفعہ اور تیسری دفعہ رکھا تب بھی ٹھیک طریقے سے سر پر نہ جما، حضرت سلیمانؑ اسی وقت سجدے میں گر گئے کہ اے اللہ! اگر کوئی لغزش ہوگئی ہو تو معاف کر دیجئے، معافی مانگ کر سجدے سے سر اٹھایا اور تاج سر پر رکھا تو بالکل زیب سر ہو گیا، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ جب میرا جانور شوخی کرنے لگتا ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی ہوگئی ہے جسکی وجہ سے جانور بھی نافرمانی کر رہا ہے۔ (معارف مثنوی)

نگاہ اقرباء بدلی خیال دوستاں بدلا
نظر اک ان کی کیا بدلی کہ اب سارا جہاں بدلا

(کشکول مجذوب ص ۱۲۸)

جذبہ اطاعت کی ایک دلچسپ مثال:

ایک دفعہ حضور ﷺ مسجد میں وعظ فرما رہے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسجد میں آرہے تھے کہ نبی کریم ﷺ کی آواز کان میں آئی بیٹھ جاؤ یہ سنتے ہی وہاں دروازے پر بیٹھ گئے، حضور ﷺ نے جب یہ دیکھا تو فرمایا عبداللہ میرا خطاب تم سے نہ تھا عبداللہ ابن مسعودؓ نے جواب دیا آپ کی آواز کان میں آئی اس کے بعد میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ آپ کا ارشاد بیٹھ جاؤ کان میں آئے اور میں قدم اٹھاؤں۔

(خطبات محمود ۳/ ۱۵۴)

تیری ہر بات گوارا مگر شیوۂ دل
جس میں توہین وفا ہو مجھے منظور نہیں

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک اہم ملفوظ:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ملفوظات میں ہے کہ جس شخص کے ایک ہاتھ میں قرآن کریم اور دوسرے ہاتھ میں نبی ﷺ کا فرمان نہ ہو سنت رسول نہ ہو اور وہ مسلمانی کا دعویٰ کرے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

تو عرض کر رہا تھا کہ اسلام رسم ورواج کا نام نہیں، صرف نام لینے اور دعویٰ کرنے کا نام نہیں بلکہ اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا اور احکام کی بجا آوری درحقیقت اسلام ہے۔

آج کی رات:

دوستو! آج کی رات رسمی عبادت نہ کرو ایسی عبادت بھی نہ کرو کہ رمضان کے باقی دنوں کی شب میں عبادت سے غافل ہو جاؤ، اگر کوئی کہے کہ ہم نے سارے اقوال سن لئے کہ شب قدر تمام سال گھومتی ہے یا رمضان المبارک میں ہے، رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ہے رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے لیکن جناب ایسا ہو سکتا ہے کہ شب قدر آج ہی ہو؟ تو میرے بھائیو جان لو کہ شب قدر آج ہی ہے کیونکہ

انما الاعمال بالنیات. (مشکوۃ شریف)

اور اللہ اپنے بندے کے گمان کے مطابق فیصلہ فرماتے ہیں۔

انا عند ظن عبدی بی. (ترمذی شریف)

تو نیت شب قدر سے بھی شب قدر کا ثواب مل جاتا ہے کیونکہ آج بعض علاقوں میں ستائیسواں دن ہے بعض میں اٹھائیسواں دن ہے اور بعض مقامات پر انتیسواں دن ہے تو بات یہ ہے کہ جس نے آج کی رات شب قدر کو جانا تو اسکی شب قدر آج ہی ہے اور جس نے کل کو شب قدر مانا تو اسکی شب قدر کل ہے، کیونکہ شب قدر نیت شب قدر سے ملتی ہے اس رات کی قدردانی کرنی چاہئے رات کو جاگ کر عبادت کرنا چاہئے رات کو جاگنا تو آسان ہے مگر اسکو اگر تلاوت، عبادت ذکر میں صرف کیا تو اصل قدردانی ہوگی فضول جاگنے اور گپ شپ میں وقت گزارنے سے بہتر ہے کہ آدمی سوجائے، اللہ پاک سب کو آج کی رات کی برکات قرآن پاک کی ہدایات اور عبادات کے ثمرات سے مالامال فرماوے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۱۷ ﴾

لیلۃ القدر کی فضیلت اور اہمیت

(قسط دوم)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ لفظ ''لیلۃ القدر'' میں نو حروف ہیں، قرآن مجید میں تین دفعہ ''لیلۃ القدر'' آیا ہے، تو نو کو تین سے ضرب دینے سے ''ستائیس'' ہوتے ہیں، تو ''لیلۃ القدر'' ستائیس رمضان کی شب ہے۔

(فیض ابرار)

۱۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لیلۃ القدر کی فضیلت اور اہمیت

(قسط دوم)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیۡعَنَاوَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

قال النبی ﷺ : من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه. (بخاری شریف)

او کما قال علیه الصلاة و السلام

سَلَامٌ عَلٰی خَیۡرِ الۡاَنَامِ وَ سَیِّدِیۡ
حَبِیۡبِ اِلٰہِ الۡعَالَمِیۡنَ مُحَمَّدِ
بَشِیۡرٍ نَذِیۡرٍ ھَاشِمِیٍّ مُّکَرَّمِ
عَطُوۡفٍ رَؤُوۡفٍ مَّنۡ یُّسَمّٰی بِاَحۡمَدِ

رتبہ جو ان کو ملا، رفعت ہے جن کی برملا
پہنچے جو سدرۂ منتہیٰ بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ
دنیا میں جب پیدا ہوئے، بت گھٹنوں کے بل اوندھے گرے
کسریٰ محل کے کنگرے گرے کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
شیدا علی عثماں ہوئے حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
الفت نبی کی ہے اگر، طاعت نبی کی جلد کر
سنت ہے سب سے خوب تر صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

بزرگان محترم! اللہ جل جلالہ کا احسان ہے کہ اس نے رمضان المبارک کے ستائیس روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور بقیہ روزے بھی رکھنے کی ہم کو سعادت اور توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔

سورۂ قدر کا نزول:

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کی موجودگی میں بنی اسرائیل کے ایک عابد کا تذکرہ فرمایا جو رات بھر عبادت کرتا تھا اور دن بھر جہاد فی سبیل اللہ کرتا تھا یہی معمول ایک ہزار سال تک رہا بعض روایات کے مطابق وہ جہاد کے کپڑے اتارتا ہی نہ تھا، صحابہ کرام نے جب یہ سنا تو ان کو بہت رشک ہوا اور دل میں اس قدر طویل عمر اور جہاد کی تمنائیں پیدا ہوئیں، اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے چار انبیاء حضرت حزقیلؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یوشعؑ اور حضرت یعقوبؑ کا ذکر فرمایا کہ اسیؔ (۸۰) برس تک عبادت کی اور ایک لمحہ بھی اللہ کی عبادت اللہ کی اطاعت سے اللہ کے ذکر سے غافل نہ

ہوئے، صحابہ کرام تو آخرت کو ترجیح دینے والے اور اعمال صالحہ کو جمع کرنے والے تھے ان کی سوچ آخرت کے لئے تھی، وہ آخرت کی نعمت کو حاصل کرنا چاہتے تھے صحابہ کرام نے جب ان انبیاء کرام کا اور عابد کا واقعہ سنا تو ان کو بہت شوق ہوا اور وہ کہنے لگے کہ اللہ کے رسول! ہماری عمر تو قلیل ہے اوسط عمر ساٹھ ستر سال کے درمیان ہے، اس طرح ہم نیکیوں کے اعتبار سے ان سے پیچھے رہ جائیں گے جبکہ صحابہ کرام کا جذبہ نیکیوں میں سبقت لے جانے کا تھا کہ ان کی نیکیاں سب سے زیادہ رہیں کیونکہ ان کا تعلق اللہ سے جڑ گیا تھا وہ اللہ کے ہو گئے تھے، ہماری طرح بنگلوں موٹر گاڑیوں اور بینک بیلنس کو بڑھانے کی فکر میں نہ تھے، صحابہ کرام آخرت کے حریص تھے تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی تمناؤں کو پورا کرنے کے لئے سورۂ قدر نازل فرمائی۔

نزولِ ملائکہ:

اس رات میں عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے، تو صحابہ کرام اس پر بہت خوش ہوئے اور خصوصیت اس رات کی یہ بیان فرمائی کہ اس میں فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں، روح سے مراد مفسرین کے مطابق حضرت جبریل یا ایک خاص فرشتہ یا حضرت عیسیٰؑ ہیں مگر جمہور کے مطابق جبریل امین ہیں، فرشتے زمین پر پھیل جاتے ہیں اور جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ کے نیک بندے عبادت و ریاضت، ذکر و تلاوت، نماز و تسبیح، تحمید و تمجید میں مصروف ملتے ہیں تو فرشتے ان سے ملاقات کرتے ہیں، مصافحہ کرتے ہیں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق دل نرم ہو جاتا ہے اور دل پر رقت طاری ہو جاتی ہے رونے کو بے اختیار دل

چاہتا ہے، یہ رات سراپا سلامتی ہی سلامتی ہے یہاں تک کہ صبح صادق ہو جائے۔

نیکی پر ثواب کی طرح گناہ پر بھی ہزار گنا عذاب ہے:

جس طرح اسم اعظم کے بارے میں کسی کو علم نہیں ہے اور مختلف اقوال میں گم ہے اسی طرح لیلۃ القدر کا تعین بھی صحیح طور پر نہیں کیا جا سکتا لیکن اس رات میں ثواب تو ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ ہے لیکن غفلت کی صورت میں گناہ بھی زیادہ ہوتا ہے اور گناہ کی وجہ سے عذاب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشاد کے مطابق یہ رات تمام سال کی راتوں میں گھومتی رہتی ہے۔

اس لئے فرمایا جو عشاء اور فجر کی نماز با جماعت ادا کرے تو اس کو تمام رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے (مسلم شریف) یہی وجہ ہے کہ تمام صلحاء کرام کا معمول رہا ہے کہ وہ اس رات میں اللہ کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں، ذکر و تلاوت، نماز و دعا میں مشغول رہتے تھے۔

شب قدر کی تلاش کا ایک آسان وظیفہ:

اگر کسی سے اعلیٰ قسم کا ہیرا، یاقوت یا ڈائمنڈ راستے میں گم ہو جائے اور پتھروں میں گھل مل جائے اس کے گرنے کی جگہ بھول جائے تو اس کو تلاش کرنا مشکل ہوگا تو اس کو ڈھونڈنے اور اس کے کھوج لگانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ راستے کے تمام پتھروں اور کنکریوں کو جمع کیا جائے اس میں گم شدہ ہیرا مل جائے گا، سال بھر کی راتوں میں عبادت و ریاضت میں مصروف رہیے، ذکر و تلاوت سے زبان تر رکھئے اس کے نتیجہ میں ان شاء اللہ شب قدر جتنی عظیم نعمت ضرور ملے گی۔

ظرف کے فرق سے پیمانے بدل جاتے ہیں:

اس رات کو یہ عظمت اور وقار قرآن مجید کے نزول کی وجہ سے ملا ظرف اگر مقبول ہوتو مظروف بھی مقبول ہوگا ظرف دو قسم کا ہے مکان و زمان یعنی اگر کسی مقام پر کام اچھا ہوا ہوتو وہ جگہ بھی اچھی کہلائے گی، وہ کام جس وقت میں ہوگا وہ وقت بھی بہت خیر و برکت والا ہوگا مثلاً گھر میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک نماز کا ہے مگر مسجد میں جانے سے یہ ثواب بڑھ جاتا ہے ظرف تبدیل ہوگیا اگر نماز مسجد الحرام میں پڑھے گا تو اس سے بھی زیادہ اجر ہوجائے گا، کیونکہ وہاں مشقت زیادہ ہوتی ہے، گرمی ہوتی ہے پیاس ہوتی ہے اس لئے اجر زیادہ ہوتا ہے اور اگر کسی وقت میں خیر و برکت اور نیکی کا کام کیا جائے تو اس وقت کی اہمیت اور وقعت دو چند ہوجاتی ہے مثلاً عام دنوں میں عبادت کا ثواب ملتا ہے مگر جمعرات کے دن عبادت کی جائے تو حیثیت اور ثواب بڑھ جاتا ہے لیلۃ القدر میں عبادت کی جائے تو وقعت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

ظرف کے فرق سے پیمانے بدل جاتے ہیں

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ارشاد:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ لفظ ''لیلۃ القدر'' میں نو حروف ہیں، قرآن مجید میں تین دفعہ ''لیلۃ القدر'' آیا ہے تو نو کو تین سے ضرب دینے سے ''ستائیس'' ہوتے ہیں، تو ''لیلۃ القدر'' ستائیس رمضان کی شب ہے۔

(فیض ابرار)

لیلۃ القدر میں گنہگاروں کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے:

لیلۃ القدر کو قدر والی رات اس لئے کہتے ہیں کہ کوئی گنہگار آدمی جب اس رات

میں توبہ واستغفار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکی قدر ومنزلت بڑھ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ بندہ مقبول ہو جاتا ہے، لیلۃ القدر کی نسبت اگر عابد کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس رات میں اگر کوئی عابد ایک مرتبہ سبحان اللہ کہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو تیس ہزار مرتبہ سبحان اللہ کہنے کا اجر عطا فرمائے گا، عابد کو ہر نیکی کے بدلے ہزاروں نیکیاں ملیں گی اور اگر اسکی نسبت عبادت کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس رات کی عبادت تمام راتوں کی عبادت سے تیس ہزار گنا بڑھ کر ہے۔

امت محمدیہ کا امتیاز:

شب قدر کی خصوصیت اور شب قدر کی نعمت اللہ تعالیٰ نے صرف اس امت کو عطا فرمائی ہے، پچھلی امتوں میں کسی کو عطا نہیں کی ہے اور نہ ہی رمضان کا مہینہ پچھلی امتوں میں کسی کو عطا کیا گیا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے جو اس امت کو دیا گیا۔ رمضان کے پہلے عشرہ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت، دوسرے کو مغفرت اور تیسرے کو جہنم سے نجات بتایا ہے، اسی لئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہلاک ہو جیو وہ شخص جس پر رمضان المبارک کا مہینہ گزرا اور اسکی بخشش نہ ہوئی، اللہ تعالیٰ سب کی بخشش فرماوے، اور بخشش والے اعمال کی ہم تمام کو توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿۱۸﴾

لیلۃ القدر کی فضیلت اور اہمیت

(قسط سوم)

﴿ ۱۸ ﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لیلۃ القدر کی فضیلت اور اہمیت

(قسط سوم)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡكَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیۡعَنَاوَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

قال النبی ا : من قام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه.
(بخاری شریف)

او کما قال علیه الصلاۃ و السلام

جب رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں:

محترم سامعین! رمضان المبارک کا مہینہ چل رہا ہے، اس مہینہ میں اللہ رب العزت روزہ دار کی دعا قبول فرماتے ہیں اور افطار کے وقت روزانہ گنہگاروں کو جہنم کی آگ سے نجات عطا فرمادیتے ہیں، دنیا کا بھی یہ دستور اور رواج ہے کہ جب کسی بادشاہ کی تاج پوشی کا دن ہو کوئی اور اہم دن ہو تو بہت سے مجرموں کو اس دن کی عظمت اور بادشاہ کی رسم تاج پوشی کی خوشی میں قید سے نجات دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مبارک مہینہ میں

بابرکت کتاب قرآن مجید کو بابرکت نبی پر مبارک ساعت میں بابرکت فرشتے کے ذریعے نازل فرمایا اللہ تعالیٰ اسکی خوشی میں روزانہ افطار کے وقت دس لاکھ گنہگار انسانوں کے لئے جہنم سے رہائی کا حکم جاری فرماتے ہیں اور رمضان المبارک کے پہلے عشرے میں جتنے لوگوں کو جہنم سے نجات دی جاتی ہے رمضان المبارک کی آخری رات کی آخری ساعت میں اتنے ہی گنہگاروں کو بخش دیا جاتا ہے جتنے گنہگاروں کو پورے مہینہ میں بخشا گیا ہے۔

رمضان المبارک اور قرآن کریم:

اس مہینہ کو یہ فضیلت قرآن مجید کی وجہ سے ملی، اگر کوئی شخص قرآن کریم سے رشتہ جوڑے قرآن مجید کی تلاوت سے دل کو شاد کرے قرآن مجید کو مقصد حیات بنائے قرآن مجید کو اپنی زندگی کا محور بنالے قرآن مجید کو اپنی زندگی میں اتار لے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی ایسا ہی بابرکت اور معتبر بنا کر مقام عظمت عطا فرمادے گا، جس طرح لیلۃ القدر اور رمضان المبارک کا مقام قرآن کریم کی وجہ سے بلند ہو گیا صحابہ کرام کا درجہ اتنا بلند اس لئے ہے کہ ان کی زندگی میں قرآن کریم تھا______:

تھے زمانے میں وہ معزز مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر
(کلیات اقبال)

تو اس قرآن مجید کو پانچ فٹ کے انسانی ڈھانچے میں سمونے کی ضرورت ہے، قرآنی تعلیمات کا عملی نمونہ بذات خود نبی کریم ﷺ کا اسوۂ مبارکہ ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق کیسے تھے تو جواب دیا کہ کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ جو کچھ قرآن کریم میں ہے اس کا عملی کردار عملی نمونہ نبی کریم ﷺ

کے اخلاق تھے۔ (علمی تقریریں ص۱۶۶) نبی کریم ﷺ ایک چلتا پھرتا قرآن تھے، قرآن کی عملی تفسیر تھے، قرآنی احکام کا نمونہ تھے۔

جب انسان کے اس معمولی سے جثہ میں خون کی طرح قرآن گردش کرتا تھا تو دونوں جہاں اس کے زیر نگیں تھے، علامہ اقبال نے اسی وقت کو یاد کر کے کہا ہے:

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا
(کلیات اقبال)

آج کل مسلمانوں پر ظلمت کی چادر تنی ہوئی ہے، مسلمان قوم اندھیروں میں بھٹک رہی ہے، رنج والم میں مبتلا ہے، ہر طرف اندھیر نگری کا راج ہے، مسلمانوں پر بجلی گر رہی ہے، مسلمان کا خون بھیڑ بکری کے خون سے بھی سستا ہو گیا ہے لیکن یہ کیوں ہو رہا ہے۔

یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ قرآن کریم کو پس پشت ڈالا گیا قرآن کریم کو چھوڑا گیا، تارک قرآن ہوئے قرآن کریم کی عظمت کو تاراج کیا گیا، آج بھی اگر انقلاب لانا ہے تو قرآن کریم کو اٹھانا ہو گا تب عزت ورفعت کی منزلیں ملیں گی اور ہم ماضی کی روشن عظمتوں سے ہمکنار ہوں گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿۱۹﴾

لیلۃ القدر کی فضیلت اور اہمیت

(قسط چہارم)

﴿۱۹﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لیلۃ القدر کی فضیلت اور اہمیت

(قسط چہارم)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡكَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیۡعَنَا وَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

قال رسول اللّٰہ ﷺ :الدعاء مخ العبادة.

(ترمذی؛معارف الحدیث:۱۱۸/۵)

وقال النبی ﷺ : من لم یسئل اللّٰہ یغضب علیه.

(ترمذی؛معارف الحدیث:۱۱۹/۵)

او کما قال علیه الصلاۃ و السلام

کسی سے آستانِ مصطفٰے چھوٹا تو سب چھوٹا:

کسی سے آستانِ مصطفٰے چھوٹا تو سب چھوٹا
قسم ہے دامن خیرالوری چھوٹا تو سب چھوٹا
خدا کا حکم ہے بھیجو درود اس جان رحمت پر
کہ جس مسلم سے ذکر مصطفٰے چھوٹا تو سب چھوٹا

شفاعت کی ضمانت کون پھر دیگا سر محشر
دامن بدرالدجی مسلمانوں سے اگر چھوٹا تو سب چھوٹا
خداتو کیا رہ جنت ابد تک مل نہیں سکتی
جودم بھر بھی خیال مصطفے چھوٹا تو سب چھوٹا
اطاعت اور محبت آپ کی شرط ہے شرط ایمانی
نبی چھوٹے تو سب چھوٹے خدا چھوٹا تو سب چھوٹا
شفیع المذنبیں کی ہر نظر رحمت بداماں ہے
جو ان کا واسطہ روز جزا چھوٹا تو سب چھوٹا
محمد مصطفے ہیں رحمت للعالمیں مسلم
جو ان کا واسطہ وقتِ دعا چھوٹا تو سب چھوٹا

محترم سامعین! جب سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے بنی اسرائیل کے چند عابدوں کا ذکر اور انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا کہ جنہوں نے کوئی ساعت اور لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت میں نہیں گزارا تھا، ان عابدوں میں ایک عابد نے ایک ہزار سال تک رات میں عبادت کی اور دن بھر جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول رہتے تھے اور رات کو اللہ کے دربار میں سربسجود رہا کرتے تھے، دن کو مجاہد اور رات کو عابد، دن کو راکب اور رات کو راہب تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو طویل عمر عطا فرمائی تھی، صحابہ کرام نے جب یہ سنا تو ان کو بہت حسرت ہوئی کیونکہ اس امت کی عمر بھی قلیل ہے یعنی ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوتی ہے، اس لئے عبادت بھی کم ہوگی، پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو شب قدر عطا فرمائی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

مشقت کے مطابق ثمرہ:

اس مبارک رات میں جن کی عبادت زیادہ ہوگی جن کا اخلاص زیادہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے جذبات ہوں گے مغفرت کا طالب ہوگا، اطاعت وفرماں برداری کے ولولے ہوں گے ثواب بھی اتنا ہی بڑھتا رہے گا اور جن کی جس قدر مشقت زیادہ ہوگی اسی قدر ثواب بھی بڑھتا جائے گا، حضرت عائشہؓ جب حج کو تشریف لے جارہی تھیں اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اے عائشہؓ! تمہاری مشقت کے بقدر اجر ملے گا۔
(فضائل حج ص)

اخلاص کی برکت سے ایک نیکی کا اجر بیس لاکھ یا چالیس لاکھ تک:

آپ حضرات کو یاد ہوگا میں نے آپ کو ایک حدیث سنائی تھی کہ حضرت ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابوہریرہؓ نے یوں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندہ کے لئے ایک نیکی کا ثواب دس لاکھ نیکیوں کے برابر لکھتے ہیں تو میں نے اسی سال صرف اس ارادہ سے حج کیا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے حج میں ملاقات ہوجائے گی اور ان سے یہ حدیث معلوم کروں گا تو میری ملاقات حضرت ابوہریرہؓ سے ہوگئی میں نے ان سے اس حدیث کے متعلق عرض کیا تو انہوں نے فرمایا میں نے یہ نہیں کہا تھا جس نے آپ سے حدیث بیان کی اس کو یاد نہیں رہی میں نے تو یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن بندہ کے لئے ایک نیکی کا ثواب بیس لاکھ لکھتے ہیں پھر فرمایا کیا تم یہ بات کتاب اللہ میں نہیں پاتے ہو؟

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضَاعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً
(البقرہ:۲۴۵)

جو شخص اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیتا ہے یعنی انفاق فی سبیل اللہ کے ثواب کو حق

تعالیٰ بہت زیادہ بڑھا دیتے ہیں اور ''اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً'' اللہ تعالیٰ کے نزدیک ۲۰ لاکھ اور بیس لاکھ سے بھی زیادہ کیا مشکل ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک حسنہ کو چالیس لاکھ حسنہ تک بڑھا دیتے ہیں۔

(روح المعانی:۲/۱۶۳)

بزرگو! اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کیا کمی ہے بیس لاکھ چالیس لاکھ کیا ہے وہ رحمٰن و رحیم چالیس کروڑ بھی دے تو اس کے خزانے میں کیا کمی ہونے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ اخلاص دیکھتے ہیں۔

ایک مبارک خواب:

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ شب قدر ہے اور بارش ہورہی ہے اور میں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں سربسجود دیکھا اس حالت میں کہ میری پیشانی پر کیچڑ لگی ہوئی ہے وہ صحابی فرماتے ہیں اسی رات بارش ہوئی مسجد نبوی کی چھت سے پانی ٹپکا اور صبح فجر کی نماز میں پیشانی مبارک پر کیچڑ لگی اور یہ اکیس رمضان المبارک کی رات تھی۔

فرشتوں کا تجسس:

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ شب قدر میں جبریل اور سدرۃ المنتھی کے فرشتے زمین پر نازل فرماتے ہیں جن کی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے وہ تمام زمین پر پھیل جاتے ہیں اور جو شخص اس رات کو لیٹ کر بیٹھ کر کھڑے ہو کر اللہ

تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل کو شاد کرتا ہے نماز سے دل کی گندگی صاف کرتا ہے دعا سے قلب کو منور کرتا ہے تو اس بندے کی دعا پر یہ فرشتے آمین کہتے ہیں، یہ فرشتے ان گھروں اوران جگہوں پر جاتے ہیں جہاں نیک اعمال ہوتے ہیں اوران گھروں میں نہیں جاتے جہاں شراب ہو، خنزیر ہو یا ناجائز چیز ہو۔

لیلۃ القدر میں دعا:

اس رات میں زیادہ سے زیادہ دعا مانگنا چاہئے کیونکہ دعا عبادت کا مغز ہے اور مبارک شب ہے اس میں دعا قبول ہوتی ہے، دعا مؤمن کا ہتھیار ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

الدعاء سلاح المؤمن.

(ابویعلی فی مسندہ معارف الحدیث:۵/۱۲۱)

اور دوسری حدیث میں ہے کہ

الدعاء مخ العبادة.

(ترمذی، معارف الحدیث:۵/۱۱۷)

عبادات کا خلاصہ ومغز دعا ہے یعنی عبادات کا مقصود ہے، عبادت ایک جسم ہے جس کا مغز دعا ہے، نماز اصل ہے لیکن نماز کی اصل دعا ہے، روزہ اصل ہے لیکن روزے کی اصل الاصل دعا ہے، زکوٰۃ خود اصل ہے لیکن اسکی اصل الاصل دعا ہے، حج اصل ہے لیکن اسکی اصل الاصل دعا ہے۔

دعا کی تاثیر:

نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لا یرد القضاء الا الدعاء.

مؤمن کی دعا سے فیصلے بدل جاتے ہیں، ہاں مؤمن کی دعا میں وہ تاثیر ہے جو تقدیر کو بھی بدل دیتی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے مکرم چیز بندے کی طرف سے دعا ہے۔

(ترمذی، ابن ماجہ معارف الحدیث ص ۱۱۸)

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے یہاں دعا ان آفات کے لئے مفید ہے جو نازل ہوئی ہیں اور ان آفات کے لئے بھی مفید ہے جو نازل نہیں ہوئی ہیں، دنیا والوں سے چند دفعہ کوئی چیز مانگی جائے تو وہ ناراض ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہ مانگا جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتے ہیں، اس لئے فرمایا:

من لم یسئل اللّٰہ یغضب علیہ.

(ترمذی، معارف الحدیث ۱۱۹)

در کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا
تم کو شکوہ ہے ہمارا مدعا نہیں ملتا
دینے والے کو گلہ ہے کہ گدا نہیں ملتا

تاہم دعا بعض اوقات مقبولیت کے درجات تک نہیں پہنچ پاتی اسکی چند وجوہات ہیں، حدیث شریف میں منقول ہے کہ غفلت سے دعا کرنے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی، لہذا دعا صحیح ڈھنگ سے مانگنا چاہئے ـــــــ:

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو
در کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا

دعا کا انداز:

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عاجزی اور انکساری سے الحاح وزاری کرنے والے لوگوں سے محبت فرماتے ہیں، ان کی دعائیں قبول کرتے ہیں، دعا دل کے جذبات ہوتے ہیں، غزوۂ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے حضور محبوب رب العالمین دست بدعا ہیں آہ وزاری، الحاح عجز وانکسار کا جوہر چہرۂ انور سے عیاں تھا، اللہ کے حضور میں چہرے کا رنگ ہیبت خداوندی سے فق تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارے جسم کا خون چہرے پر اتر آیا ہے، غنودگی اور مدہوشی کی کیفیت طاری تھی شانۂ مبارک سے چادر سرک گئی لیکن آپ کو چادر اٹھانے کی فکر نہ تھی کہ دعا میں اس قدر محویت تھی حضور فرما رہے تھے اے اللہ! اے میرے آقا! اے نیلی چھت والے! یہ مختصر جماعت یہ چھوٹا سا گروہ لے کر آیا ہوں یہ بھی اگر ختم ہو گیا تو پھر اس روئے زمین پر تیرا نام لینے والا کوئی نہ ہوگا، یہ جماعت بھی تم نے کٹادی، شہید کرادی تو پھر تیرا ذکر کرنے والے اور تیرے نام لیوا ختم ہو جائیں گے، زمین کی سطح پر کوئی ایسا نہ رہے گا جو تیرا نام لے اور تیری عبادت کرے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب اس طرح دعا مانگتے دیکھا تو حضور ﷺ کی پشت مبارک پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ یارسول اللہ! بس کیجئے آپ نے ایسے الحاح وزاری سے دعا مانگی ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے نصرت الٰہی دیکھ رہا ہوں۔

(سیرۃ المصطفی)

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا قرآن مجید میں ذکر ہے:

کٓھٰیٰعٓصٓ. ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَهٗ زَکَرِیَّا. اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَاءً خَفِیًّا. قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَکُنْ م بِدُعَائِکَ رَبِّ شَقِیًّا. وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَائِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا. (المریم: ۱، ۲، ۳، ۴، ۵)

ان آیتوں کا مفہوم یہ ہے۔ یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی رحمت (فرمانے) کا اپنے بندہ زکریا پر۔ (قابل ذکر ہے) وہ وقت جب انہوں نے اپنے پروردگار کو خفیہ طور پر پکارا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور سر کے بالوں میں سفیدی پھیل گئی ہے تجھ کو پکار کر اے میرے پروردگار میں (کبھی) نامراد نہیں رہا ہوں اور میں اپنے بعد (اپنے) رشتہ داروں کی طرف سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے سو تو ہی مجھے (خاص) اپنے پاس سے وارث دے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو رب العالمین ہے الحاح وزاری اور قلب کی گہرائیوں سے دعا مانگی اپنے بڑھاپے اور بالوں کی سفیدی کا حوالہ بھی دیا رحمت باری جوش میں آ گئی اور در اجابت کھل گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے زکریا ہم تمہیں بیٹا دیں گے اور وہ نبی ہوگا

یٰزَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا
(المریم:۷)

[اے زکریا ہم تم کو بشارت دیتے ہیں ایک لڑکے کی کہ اس کا نام ''یحیٰی'' ہوگا ہم نے اس کے قبل کسی کو اس کا ہم نام نہیں بنایا]

نام اللہ نے رکھا اس نام کا پہلے کوئی شخص نہ تھا، اللہ کو جس زبان میں بھی پکارو گے

اللہ ضرور قبول فرمائیں گے،لیکن اخلاص تواضع عاجزی و انکساری شرط اول ہے،عربی زبان میں دعا مانگنا ضروری نہیں آپ جو زبان بولتے ہیں اسی زبان میں اللہ تعالیٰ سے مانگئے۔

قبولیت دعا کے انداز:

دعا کی قبولیت کے بھی مختلف انداز ہیں بعض اوقات مقصودی چیز اللہ تعالیٰ عطا فرمادیتے ہیں، کبھی کبھی تاخیر ہوجاتی ہے ماہ دو ماہ بعد قبول ہوجاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس وقت یہ چیز دینا مضر ہے یا فائدہ مند، یا پھر اللہ تعالیٰ آخرت پر ان کو چھوڑ دیتا ہے، آخرت میں اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کے بدلے بندہ کے درجات کو بلند فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کسی دعا کو رد نہیں فرماتے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

اُجِیبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْن. (البقرہ: ۱۸۶)

آخرت کے دن اللہ تعالیٰ بندہ سے فرمائے گا کہ فلاں دن فلاں وقت، فلاں جگہ تم نے یہ دعا مانگی تھی لیکن میں نے مقصودی چیز نہیں عطا کی تھی، آج میں تمہارے درجات بلند کروں گا تو اس وقت بندہ کہے گا کاش کہ میری کوئی بھی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی اور اس وقت کے لئے محفوظ ہوتی تو آج کیا کیا مل جاتا۔

(احمد، معارف الحدیث: ۱۴۲/۵)

اللہ تعالیٰ کے حضور جب انسان عاجزی اور الحاح سے دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت شفیق اور مہربان ہیں، رحیم

ہیں، کریم ہیں، دعاؤں کے سننے والے ہیں دعاؤں کو قبول کرنے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر تختی لگائی ہے جس پر یہ الفاظ نوشتہ (لکھے ہوئے) ہیں_____:

ان رحمتی سبقت علی غضبی.
(مسلم عن ابی ھریرۃ جواہر الحدیث ص ٢٠٣)

[بیشک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے]

اس لئے اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ دعائیں مانگتے رہنا چاہئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۲۰ ﴾

مقصد حیات

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے کار پیدا نہیں کیا ہے۔قرآن کریم میں ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ.

(المؤمنون:۱۱۵)

[ہاں تو کیا تمہارا خیال تھا کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بلا مقصد پیدا کر دیا ہے اور تم ہمارے پاس لوٹائے نہ جاؤ گے؟]

سنو! مقصد حیات کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (الذاریات: ۵۶)

[ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لئے بنایا]

یہ نہیں کہ مال ودولت، جاہ وجلال، بنگلوں اور بینک بیلینس کے لئے نہیں بنایا ہے بلکہ اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے بنایا ہے یعنی اسباب کو توڑنا نہیں ہے بلکہ موڑنا ہے، ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو۔

﴿ ۲۰ ﴾

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقصد حیات

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِیۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّهۡدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡهُ فَلَاهَادِیَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنۡ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِیۡكَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیۡعَنَاوَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَیۡهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَ اَهۡلِ بَیۡتِهٖ وَاَهۡلِ طَاعَتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا كَثِیۡراً كَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ o بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o

اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا وَّاَنَّكُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ.

(المؤمنون:۱۱۵)

ترجمہ: [ہاں تو کیا تمہارا خیال تھا کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بلا مقصد پیدا کردیا ہے اور تم ہمارے پاس لوٹائے نہ جاؤ گے؟]

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذلك لمن الشاهدین و الشاکرین و الحمد لله رب العالمین۔

برادران اسلام! اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، ظاہر کے اعتبار سے بھی، باطن کے اعتبار سے بھی، غذا کے اعتبار سے بھی، زندگی کی آسائش کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ نے ہم پر بے شمار نعمتوں کا نزول فرمایا ہے، روح کی پاکیزگی اور روحانی علاج کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسمانی صحائف اور کتابیں نازل فرمائی ہیں اور انبیاء

علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا۔

زندگی عظیم نعمت ہے:

لیکن ان سب نعمتوں میں عظیم نعمت زندگی ہے، کیونکہ اگر زندگی نہ ہوتی تو ان نعمتوں کا کیا فائدہ؟

زندگی کی حقیقت:

زندگی کیا ہے؟ ہم تو صرف پچاس ساٹھ، نوے اور سو سال کی عمر کو زندگی کہتے ہیں مگر یہ اصل زندگی کا کروڑواں حصہ بھی نہیں ہے، امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ انسان کی زندگی ازلی تو نہیں مگر ابدی ضرور ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو وجود بخشا اس کو پھر فنا نہیں، یہ ہمیشہ باقی رہے گا، اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی بھی ہے ابدی بھی ہے وہی دونوں صفات سے متصف ہے جبکہ انسان کی ذات صرف ابدی ہے ازلی نہیں۔

عہد عالم ارواح:

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا پھر حضرت آدمؑ کی پشت پر دایاں ہاتھ پھیرا تو اس سے بے شمار روحیں نکلیں اور پھر بایاں ہاتھ پھیرا تو اس سے بھی بے شمار روحیں نکلیں پھر ان تمام ارواح کو جمع فرمایا جسے عالم ارواح کہا جاتا ہے اور وہاں اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں سے اقرار اور عہد لیا اللہ تعالیٰ نے پوچھا:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ

[کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟]

قَالُوْا بَلٰى (الاعراف: ١٧٢)

اس وقت تمام روحیں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔[سب نے یک زبان ہوکر کہا کیوں نہیں] سب نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت وخالقیت کا اقرار کیا۔

زندگی ایک عظیم نعمت ہے:

دیکھو زندگی بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بغیر طلب کے عنایت فرمائی ہے، بہت سے لوگ ہیں جن کے اولاد نہیں ہوتی وہ دن رات دعا بھی کرتے ہیں علاج بھی کرتے ہیں، مگر پھر بھی اولاد نہیں ہوتی جبکہ دوسری طرف کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی طلب بھی نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ان کے یہاں اولاد کی بھیڑ لگا دیتا ہے، روح جب عالم ارواح سے رحم مادر میں آجاتی ہے تو اس کے بعد انسان ماں کے پیٹ میں نو ماہ عموماً قیام کرتا ہے نو مہینے تک اللہ تعالیٰ اسکی پرورش کرتے ہیں پھر زمین کی گود میں آتا ہے یہاں پچاس سو سال زندگی گذارتا ہے جو بھی اس کے مقدر میں ہوتی ہے حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ ہر بچہ کی پیشانی پر چار باتیں لکھ دیتے ہیں جب یہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے (۱)اسکی عمر کیا ہوگی؟(۲)اسکو کتنا رزق دنیا میں ملے گا؟(۳)اسکی موت کہاں آئے گی؟(۴)یہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت ہوگا؟

(بخاری شریف)

انسان کا سفر زندگی:

دنیا میں انسان ایک سفر کرتا ہے جو بچپن سے بڑھاپے پر ختم ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسکی روح کو عالم برزخ میں پہنچا دیتے ہیں، عالم برزخ کے بعد انسان میدان محشر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا وہاں پر کچھ وقت گزارے گا جسکی مقدار اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے۔

كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ. (المعارج:۴)

[وہاں کا ایک دن دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا]

دوسری جگہ فرمایا:

كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ. (السجدہ: ۵)

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ. (الحج: ۴۷)

[وہاں کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا]

زمانہ دراز تک انسان وہاں حاضر رہے گا پھر حساب و کتاب ہوگا، محشر اور حساب کے بعد دوسرا سفر شروع ہوگا یا تو انسان جنت میں جائے گا یا جہنم میں، پھر جنت میں بھی سفر ختم نہیں ہوتا بلکہ وہاں بھی درجات ملیں گے اور پھر آخر میں

لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى

[اس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جئے گا]

اللہ تعالیٰ مینڈھے کی شکل میں موت کو جہنم اور جنت کے درمیان ذبح کر دیں گے اور فرمائیں گے کہ اے جنتیوں! اے جہنمیوں! سن لو آج ہم نے موت کو بھی موت دے دی اب ابدالآباد کی زندگی ہے موت ختم ہوگئی اب زندگی ہی زندگی ہے۔

سفر زندگی کا مقصد:

پس انسان کو اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا اسکی زندگی ابدی ہے اس زندگی کے سفر کا ایک مقصد بھی ہے اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ مقصد اور منزل متعین کئے بغیر کوئی سفر نہیں کرتا مثلاً ٹرین میں کوئی مسافر سفر کرے اور اسے معلوم نہ ہو کہ کہاں پر اترنا ہے متعین نہ ہو تو اس

شخص کولوگ دیوانہ کہیں گے تو زندگی کے سفر کا بھی ایک نصب العین ہے، ایک مقصد ہے جب اسے معلوم کئے بغیر سفر کیا جائے گا تو یہ دیوانگی ہوگی بعض لوگ رزق کمانے کو مقصد بنا لیتے ہیں حالانکہ رزق کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے اور وہ رزق عاقل کو بھی دیتا ہے اور بیوقوف کو بھی دیتا ہے نوکری والے کو بھی دیتا ہے اور ڈگری والے کو بھی دیتا ہے اور جانور کو بھی دیتا ہے بتاؤ ان کے پاس کونسی ڈگری ہے کون سا کاروبار ہے پیٹ تو ان کا بھی بھر جاتا ہے اگر کسی نے رزق حاصل کرنے کو مقصد بنایا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ زندگی بہت طویل ہے دنیوی بھی اخروی بھی کیوں کہ انسان ابدی ہے اور اگر مقصد ساٹھ ستر سال کا ہے تو انسان کا یہ مقصد نہیں بن سکتا اور نہ انسان کو ایسے مقاصد اپنانا چاہیئے دنیا اور دولت کو مقصد بنانے والو! جب اجل یعنی موت آجائے گی تو سب پونجی یہیں دھری رہ جائے گی کچھ بھی ساتھ نہیں جائے گا۔

نہ مال و دولت نہ گھر جائے گا
فقط تیرے ساتھ ایک کفن جائے گا

موجودہ مادی دور میں زندگی کا اہم مقصد جو خود انسان نے بنالیا ہے وہ دنیا میں رہ جائے گا جبکہ انسان کو ابھی طویل ترین زندگی گزارنی ہے، عالم برزخ عالم محشر اور پھر ابدالآباد کی زندگی زندگی کا مقصد دولت کمانا نہیں ہے دولت جمع کرنا نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔

جب اقتدار مقصد حیات ہو:

بعض لوگ عزت اور جاہ وجلال کو مقصود بنا لیتے ہیں پرائم منسٹری اور اقتدار اور

کرسی کی خواہش ہوتی ہے حالانکہ یہ ایک غلط خیال ہے، بہت پست سوچ ہے آج کرسی مل گئی لوگوں نے اقتدار دے دیا جب تک خلق کے درمیان ہے عزت ہے جاہ وجلال ہے اگر کرسی چلی گئی اقتدار ختم ہوگیا تو پھر کوئی پوچھتا بھی نہیں اقتدار کی موجودگی میں زندہ باد کے نعرے اور کرسی کے کھسکتے ہی مردہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں، وہ بھی کیا مقصد ہے کہ صرف چند روز ہو اور انجام عبرت ناک ہو۔

پس عزت جاہ وجلال اور اقتدار کو مقصد بنانا غلط اور بیمار سوچ کا نتیجہ ہے، اگر عزت جاہ وجلال مل بھی گئے تو پھر بھی موت نہیں چھوڑے گی۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ. وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ. (الرحمٰن:۲۶،۲۷)

[زمین پر جو کچھ بھی ہے سب فنا ہونے والا ہے اور صرف پروردگار کی ذات عظمت واحسان والی باقی رہ جانے والی ہے۔]

بہرحال انسان کا مقصد حیات یہ نہیں ہے کہ روٹی حاصل کرے دولت جمع کرے جاہ وجلال کے لئے مرمٹے اور زندگی عیش وعشرت میں گزارے وہ بھی گنے ہوئے صرف چند دن تو اصل زندگی بہت طویل ہے اور انسان ابدی ہے اس لئے مقصد حیات بھی عظیم اور ابدی ہونا چاہئے تاکہ اس جہاں میں بھی اور اُس جہاں میں بھی کامیابی حاصل ہو، پیدائش سے لے کر موت تک کا ہمیں علم ہے، گود سے لے کر گور تک کا ہمیں علم ہے مگر یہ محدود علم ہے تو دوستو ہمارے پیدائش کا مقصد کیا ہے یہ ہم آپ اپنے پیدا کرنے والے خالق سے ہی سوال کریں کیونکہ وہ سب کچھ جانتا ہے چنانچہ رب العزت نے فرمایا:

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ. (الملک: ۱۴)

[کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بیں اور (پورا) باخبر ہے۔]

اللہ تعالیٰ باریک باتوں کا بھی علم رکھتا ہے ان کا علم سب پر چھایا ہوا ہے وہ جو ہمیں مقصدِ حیات بتائے گا وہی ہمارا مقصدِ حیات ہے کیونکہ اول پر بھی اس کا علم آخر پر بھی اس کا علم ظاہر پر بھی اس کا علم باطن پر بھی اس کا علم تو جو مقصد اللہ تعالیٰ بتائے گا وہی اصل مقصد ہے۔

مقصدِ حیات:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے کار پیدا نہیں کیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ.

(المؤمنون:۱۱۵)

[ہاں تو کیا تمہارا خیال تھا کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بلا مقصد پیدا کر دیا ہے اور تم ہمارے پاس لوٹائے نہ جاؤ گے؟]

سنو! مقصدِ حیات کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ. (الذاریات: ۵۶)

[ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لئے بنایا]

یہ نہیں کہ مال ودولت، جاہ وجلال، بنگلوں اور بینک بیلینس کے لئے نہیں بنایا ہے بلکہ اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے بنایا ہے یعنی اسباب کو توڑنا نہیں ہے بلکہ موڑنا ہے، ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو۔

رخ بدلنا ہوگا:

مال ودولت کے لئے محنت کرنا برانہیں ہے مال ودولت سے دین بھی کمایا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے مال ختم کرنے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ اس کا رخ ٹھیک کرنے کا حکم دیا کیونکہ دنیا کے خزانوں کے اصل مالک تو اللہ تعالیٰ ہیں۔ ’’اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا‘‘ (المریم:۴۰)اور ایک جگہ فرمایا ’’وَکُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ.‘‘ (القصص:۵۸) بیشک ہم ہی زمین اور زمین پر آباد ساری مخلوق کے وارث ہیں اور تمہاری موت کے بعد ہم ہی اس کے وارث ہیں۔ مال ہے تو اس میں سے خیرات کرو زکوٰۃ دو صدقہ دو قریبی رشتہ داروں کا حق ادا کرو اور بے جا خرچ سے پرہیز کرو اور اسراف نہ کرو۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ کَفُوْرًا.
(الاسراء:۲۷)

[بیشک فضولیات میں اڑادینے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔]

یتیم کی کفالت کی فضیلت:

اسی مال ودولت سے یتیم کی کفالت کر سکتے ہیں، حدیث شریف میں ہے جس نے یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا تو اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے اللہ تعالیٰ اس کے اتنے ہی گناہ معاف فرمائے گا اور جو یتیم کی کفالت کرے گا تو پھر اس کے درجات کیا ہوں گے اس کا اندازہ آپ خود لگالیں مقصد یہ ہے کہ اگر مصرف نیک ہو تو یہی دولت پھر نعمت ہے اس لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (الجمعه: ۱۰)

[پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔]

قرآن مجید میں حلال کمانے والے کا ذکر مجاہدین کے ساتھ:

جہاں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کا ذکر فرمایا ہے وہیں حلال کمائی والے شخص کا ذکر بھی مجاہدین کے ساتھ فرمایا ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (المزمل: ۲۰)

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو زمین میں پھرتے ہیں تاکہ اللہ کے فضل (رزق) کو تلاش کریں، اور اس کے معاً بعد اللہ تعالیٰ نے

وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

میں مجاہدین کا ذکر فرمایا ہے۔یعنی ایک جماعت ایسی ہے جو راہ خدا میں قتال کرتی ہے۔

دنیا اور دل کی ایک عجیب مثال:

تو معلوم ہوا کہ مال نہ بذات خود اچھا ہے اور نہ ہی برا، اچھے برے کا انحصار انسان کے دل پر ہے، اگر دل اچھا ہے تو مال اچھا ہے، اگر دل برا ہے تو مال بھی وبال ہے، انسان کے دل کی مثال ایک کشتی کی سی ہے اور مال مثل سمندر کے ہے، اگر کشتی اور جہاز کے نیچے پانی ہو تو کشتی چلے گی ورنہ کشتی خشکی میں نہیں چل سکتی اور اگر یہی پانی کشتی کے اندر آ گیا تو پھر کشتی کی غرقابی کا خطرہ ہوتا ہے، اگر مؤمن کے دل کے باہر دولت کے

انبار ہوں تو وہ مؤمن مبارک ہے اور اگر دولت مؤمن کے دل میں آ گئی تو وبال ہے،دولت سے محبت نہ ہونی چاہئے مگر جب ایک طرف اللہ تعالیٰ کا حکم ہو اور دوسری طرف دولت ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دینا ہوگی۔اسی لئے فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ. (التوبہ: ۲۴)

[آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بگڑ جانے سے تم ڈرتے رہے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اسکی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ نافرمان لوگوں کو مقصود تک نہیں پہنچاتا۔]

بہر حال مال فی نفسہ برا نہیں ہے اسکو اللہ کے منشاء اور اس کے احکام کے مطابق خرچ کرنا چاہئے۔

غرباء کی فضیلت:

اگر کوئی غریب ہے اس کے پاس مال و دولت نہیں ہے تو دنیا اسکو حقیر سمجھتی ہے حالانکہ صاحب شریعت نے فرمایا کہ غریبی میں بھی تم اللہ تک پہنچ سکتے ہو اور یہ بھی شریعت

کا حکم ہے کہ تم غربت میں مایوس نہ ہو کیونکہ حضور ﷺ نے غریبوں سے فرمایا کہ غرباء امیروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائیں گے کیونکہ مالدار حساب کتاب میں لگے ہوں گے اور غرباء جنت میں پہنچ جائیں گے۔

صحابہ کرام میں امیر وغریب دونوں طرح کے لوگ تھے:

صحابہ کرام میں ایسے صحابہ بھی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے مال کے انبار دیئے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جن کو ایک وقت کی روٹی مل جاتی تھی تو دوسرے وقت کے لئے بچانا اپنے لئے حرام سمجھتے تھے حضرت ابوذرؓ کو ایک وقت کا کھانا مل جاتا تو دوسرے وقت کے لئے بچانا اپنے لئے حرام سمجھتے تھے اور ایک صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں جن کے دسترخوان پر ہزاروں لوگ کھانا کھاتے تھے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اتنے مالدار تھے کہ جب ان کا مال آتا تو مال سے لدا ہوا اونٹ ایک مدینہ میں ہوتا تو اس کا آخری اونٹ کئی کلو میٹر دور مدینہ سے باہر ہوتا، ان کی چار بیویاں تھیں وراثت میں ہر بیوی کو ۲۳ / لاکھ درہم ملے اور جب دسترخوان پر ہزاروں آدمی کھا رہے ہوتے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ رونے لگتے اور کہتے اے اللہ! جنت (دنیا) کی کتنی نعمتوں سے تو نے نواز دیا ہے یہ تیرا کرم ہے ۔

دنیا بھی ایک بہشت ہے اللہ رے کرم
کن کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا

ایک دفعہ حضور ﷺ کی خدمت میں صحابہ کرام حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! ﷺ امیر تو ہم سے ثواب میں آگے نکل گئے کیونکہ وہ زکوٰۃ دیتے ہیں صدقہ

کرتے ہیں خیرات کرتے ہیں یتیموں کی کفالت کرتے ہیں بیواؤں کی مدد کرتے ہیں،ہمیں بھی کوئی ایسا عمل بتائیے تاکہ ہم بھی ان کے ساتھ ثواب میں کچھ حصہ دار ہو جائیں۔تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد ۳۳/مرتبہ سبحان اللہ،۳۳/مرتبہ الحمدللہ،اور ۳۴/مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو، ثواب میں ان کے برابر ہوجاؤ گے۔ جب مالداروں کو معلوم ہوا تو وہ بھی پڑھنے لگے اب ہم کیا کریں؟حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جسے چاہے عطا کرتا ہے۔

خدا ہر صورت میں ملتا ہے:

تو مالداری میں بھی خدا مل سکتا ہے اور افلاس میں بھی خدا مل سکتا ہے،اگر کوئی صحت مند ہے تو اسکو صحت میں خدا مل سکتا ہے اور اگر کوئی بیمار ہو خواہ وہ غریب ہو یا امیر اسکو بیماری میں بھی خدا مل سکتا ہے، بیمار اگر اپنی بیماری پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو وہ مقام عطا کرتا ہے جو بعض اوقات تندرست کو بھی نہیں ملتا،حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں سے پوچھے گا اے میرے بندے!میں بیمار تھا تم نے بیمار پرسی نہیں کی تم میری تیمارداری کے لئے نہیں آئے ،بندہ جواب دے گا اے اللہ! آپ کی ذات اقدس بیماری وغیرہ سے پاک ہے،اللہ فرمائیں گے کہ فلاں بندہ بیمار تھا اگر تم اسکی بیمار پرسی کے لئے جاتے تو مجھے وہاں پاتے۔

جب بیمار صابر اور شاکر ہو:

بیمار جب صابر ہو شاکر ہو صالح ہو اور خدا کو راضی رکھنے والا ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل رہتی ہے حضرت عمران بن حصین ؓ تیس سال تک بیمار بستر پر پڑے رہے اور

ایسی بیماری تھی کہ کروٹ کے بل بھی لیٹ نہیں سکتے تھے لیکن ان کا چہرہ پھر بھی ہشاش بشاش رہتا تھا، تندرست اور صحت مند آدمی سے زیادہ خوش رہتے تھے، کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے خوش کیوں رہتے ہیں؟ فرمایا کہ اتنے عرصہ سے میں بستر پر پڑا ہوں بیماری اللہ کی نعمت ہے اس پر صبر کرتا ہوں تو ہر روز فرشتے میری ملاقات کو آتے ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام:

حضرت ایوبؑ اٹھارہ سال تک بیمار رہے ان کی سب اولاد انتقال کر گئی مال بھی ختم ہو گیا مکان بھی گر گیا اٹھارہ سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت عطا فرمادی مال دیا اور دگنا کر کے دیا کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ بیماری کے دن اچھے تھے یا یہ حالت اچھی ہے؟ جواب دیا کہ آج کے دن سے بیماری کے دن اچھے تھے، پوچھا کیسے؟ جواب دیا کہ بیماری میں جب سب کٹ گئے مخلوق نے ناطہ توڑ لیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ جوڑ لیا، اس حالت میں روزانہ اللہ تعالیٰ پوچھتے ایوب کیا حال ہے، اب وہ کیفیت باقی نہیں رہی۔

(خطباتِ محمود:۳/۱۳۱)

اور بیماری پر اللہ تعالیٰ اجر بھی بڑا عطا فرماتے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ جو ایک رات کے بخار پر صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ایک سال کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں، اگر کوئی پیٹ بھر کھاتا ہے تو اسکو اس میں بھی خدا ملتا ہے، اور دیکھئے اللہ تعالیٰ کتنا کریم ہے حدیث میں ہے کہ جب کوئی بسم اللہ سے کھانے کا آغاز کرتا ہے اور الحمد للہ پر ختم کرتا ہے تو "غفر لہ ما تقدم من ذنبہ" [اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرمادیتے ہیں] اور اگر بھوکا ہے تو اسکو بھوک میں خدا ملتا ہے دیکھو روزہ دار دن بھر بھوکا رہتا

ہےاور اللہ تعالیٰ افطار کے وقت اس سے فرماتے ہیں تم جو کچھ مانگو گے میں عطا کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا مقصود ہے:

تو معلوم ہوا کہ دنیا کی چیزیں عارضی ہیں اور مقصودِ اصلی عبادت ہے، سچ پوچھو تو عبادت بھی مقصود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا مقصود ہے، اگر کوئی شخص سورج طلوع ہوتے ہوئے یا زوال کے وقت اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھے گا تو یہ نماز ثواب کے بجائے الٹا عذاب کا باعث بنے گی کیونکہ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اگر کوئی یکم شوال (عید الفطر کے پہلے دن) یا عید الاضحیٰ کے تین دنوں (۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) میں روزہ رکھتا ہے تو روزہ عذاب کا باعث بنتا ہے کیونکہ ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے، اگر کوئی شخص اس لئے کھانا کھائے کہ اس سے جو قوت پیدا ہوگی اس سے عبادت کروں گا تو یہ کھانا پینا بھی عبادت ہوگا اور اگر کوئی اس لئے کماتا ہے کہ اس سے وہ عیاشی کرے تو یہ کمانا قیامت کے دن وبال جان ہوگا، اگر کوئی شخص اس وجہ سے کماتا ہے کہ ماں باپ کی خدمت کروں گا بیوی بچے کے حقوق ادا کروں گا تو اس کا یہ کمانا بھی عبادت ہوگا، اس لئے فرمایا کہ بعض گناہوں کا کفارہ نہ نماز ہوتی ہے نہ روزہ اور نہ ہی صدقہ ہوتا ہے بلکہ ان کا کفارہ صرف حلال کمائی کے حاصل کرنے میں لگا ہوا پسینہ ہوتا ہے، تاجر نے اگر دیانتداری ایمانداری کے ساتھ تجارت کی تو وہ قیامت کے دن شہداء اور صدیقین کے ساتھ ہوگا۔

مقصد حیات:

خلاصہ یہ ہے کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ان کے احکام کی پابندی کرنا

ہے، انبیاء علیہم السلام سب سے پہلے اس فریضہ کو پورا کرنے والے تھے انہوں نے امت کو سکھایا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حضرت موسیٰؑ کو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

(سیرۃ النبی:۳/۲۲۷)

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ میں نے خانہ کعبہ میں ایک کشادہ اور نورانی چہرے والے شخص کو طواف کرتے دیکھا، میں نے جبریل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب ملا عیسیٰ ابن مریم۔

(سیرۃ النبی:۳/۲۰۷)

نماز کی تمنا:

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا ملفوظ ہے کہ ''قیامت کے دن اگر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ امداد اللہ مانگ کیا مانگتا ہے۔تو میں جواب دوں گا دو گز جگہ اپنے عرش کے سایہ کے نیچے عطا فرمادے تا کہ وہاں نماز پڑھتا رہوں۔'' دنیا میں اللہ کے اوامر اور احکامات پر عمل کرنا چاہئے خواہ دل چاہے یا نہ چاہے صبح اٹھنے کو جی چاہے نہ چاہے مگر نماز کے لئے اٹھو اور مسجد جاؤ، عشاء کے وقت نماز پڑھنے کو جی چاہے یا نہ چاہے مگر نماز پڑھنے کے لئے جاؤ، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

نماز کی گواہی:

جس نے دنیا میں نماز کو اختیار کیا تو جب قبر میں دفنا دیا جائے گا تو منکر نکیر جیسے ہی سوال جواب کے لئے آئیں گے تو نمازی کو ایسا لگے گا جیسے نماز عصر کا وقت ہے۔ کیونکہ عصر کی نماز میں دو چیزیں ہیں، ابتدائی وقت میں ادا کرنے والا کامل اور آخر وقت میں ادا

کرنے والا ناقص نماز ادا کرنے والا ہوتا ہے۔ تو وہ فرشتوں سے کہے گا کہ مجھے نماز پڑھنے دو۔ فرشتے اس سے کہیں گے کہ ہم تو سوال جواب کے لئے آئیں ہیں۔

اتنے میں ایک فرشتہ آئے گا اور کہے گا کہ اس شخص کو نماز پڑھنے دو، جب وہ نماز پڑھے گا تو نماز میں اللہ اسکو سوال جواب سکھا دیں گے۔ اور جیسے ہی نماز سے فارغ ہوگا تو منکر نکیر پھر سوال کریں گے تو وہ تیسرا فرشتہ کہے گا کہ سوال مجھ سے کرو۔ منکر نکیر فرمائیں گے کہ ہم کو تو اللہ نے اس کے پاس بھیجا ہے تا کہ اس سے سوال جواب کریں۔ دونوں کا مباحثہ بڑھے گا اور اللہ کے دربار میں شکایت کریں گے؛ یا اللہ! ہم فلاں شخص کے پاس گئے سوال جواب کے لئے مگر وہاں یہ فرشتہ آ گیا اور کہتا ہے کہ مجھ سے سوال جواب کرو۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاؤ اسی فرشتہ سے سوال جواب کرو کیونکہ یہ اس شخص کی نماز ہے۔ پھر آسمان سے منادی پکارے گا کہ اس کے لئے جنت کا بچھونا بچھا دو جنت کا لباس پہنا دو، جنت کی ایک کھڑکی کھول دو پھر یہ شخص قیام قیامت تک جنت کے مزے لوٹتا رہے گا۔ پھر قیامت بپا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ.
(القلم:۴۲)

قیامت کے دن نبی کریم ﷺ ایک نماز پڑھائیں گے تمام لوگ مقتدی ہوں گے اور جس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حضور سر نہیں جھکایا ہوگا قیامت کے دن ان کی کمر لکڑی کی طرح سخت ہو جائے گی پھر جب نمازی لوگ سجدے میں جائیں گے تو بے نمازی سجدے میں نہیں جا سکے گا۔

پس اللہ کے اوامر اور احکام کی تعمیل کو اگر کسی نے اپنا مقصد بنایا تو یہ ایک عظیم

مقصد ہے،اس مقصد کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہماری قبر کو بھی خوبصورت بنائے گا اسکو ذریعۂ آسائش بنائے گا اور جنت بھی عطا کرے گا سن لو دنیا کے انسانوں اور جنات کی تخلیق کا مقصد یہی ہے کہ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ." (الذاریات:۵۶) اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

﴿۲۱﴾

نسخۂ کیمیا

یکا یک ہوئی غیرت حق کو حرکت
بڑھا جانب قبیس ابر رحمت
ادا خاک بطحا نے کی وہ ودیعت
چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعاء خلیل اور نوید مسیحا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

﴿۲۱﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نسخۂ کیمیا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ. الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ.

(العلق:۱،۲،۳،۴،۵)

وقال تعالیٰ فی مقامٍ اٰخر: الرَّحْمٰنُ. عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ. عَلَّمَہُ الْبَیَانَ. (الرحمٰن: ۱،۲،۳،۴)

وقال رسول اللہ ﷺ : انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق.

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

قانونِ اضداد:

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو عالمِ اضداد بنایا ہے اور ہر ضد کی چیز یہاں موجود ہے آگ کی

ضد پانی ہے روشنی کی ضد اندھیرا ہے دن کی ضد رات ہے گرم کی ضد سرد ہے اسی طرح اضداد بہت ہیں اور ہر چیز میں ہیں، دیکھو اسی دنیا کے اندر اللہ کی روحانی نعمت ہے تو مادی نعمت بھی ہے، نور ہے تو اس کے مقابلے میں ظلمت بھی ہے، علم ہے تو اس کے مقابلے میں جہل ہے، روشنی ہے تو اس کے مقابلے میں اندھیرا ہے، نیکوں کے مقابلے میں برے لوگ بھی ہیں، نیکی کے مقابلے میں برائی ہے غرض کہ جتنی قسم کی برائیاں ہیں، اس کے مقابلے میں دنیا کے اندر خیر وخوبیاں بھی موجود ہیں، اگر دن میں چمکتا ہوا آفتاب ہے تو اس کے بعد ظلمت اور تاریکی کی سیاہ رات ہے، غرض اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اضداد بنایا ہے، ہر چیز کے مقابلے میں ایک چیز رکھی ہے۔

حکمت وفلسفہ:

اور اس میں کیا حکمت ہے؟ حکمت یہ ہے کہ

تعرف الاشیاء باضدادھا

[ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے]

اگر علم کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ جہل نہ رکھتے تو علم کی قدر نہ ہوتی، برے لوگ نہ ہوتے تو نیکوں کی عزت نہ ہوتی، اس لئے تقابل ہی ایسا معیار ہے جو کھرے کھوٹے کی تمیز سکھاتا ہے، جہل نے علم کی خوبیوں کو واضح کر دیا ہے، علم پر جتنی محنت کی جاتی ہے اسی کے مطابق علم کے مخفی گوشے ظاہر ہوتے اور سمجھ میں آتے ہیں، جتنے زیادہ سوالات کئے جاتے ہیں اتنے ہی علم کے مخفی گوشے ظاہر ہوتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (الانبیاء:۱۸)

[ہم حق کو باطل کے اوپر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے تو وہ دفعۃً مٹ جاتا ہے۔]

معلوم ہوا کہ باطل کا حق کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہے تو حق کے حقائق سامنے آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اس میں حکمت تھی کہ مخالف چیزوں کے ٹکراؤ اور تقابل سے چیزوں کی خوبیاں سامنے آئیں، دنیا کے اندر جس طرح دو پہلوانوں کی کشتی ہوتی ہے دونوں اپنے اپنے جوہر دکھاتے ہیں اس کے بعد کیا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو شکست دیتا ہے تو اس فتح وشکست میں پہلوانی اور کشتی کے جوہر سامنے آتے ہیں، اس طرح باطل سے ٹکراؤ کے بعد حق کے کمالات اور عظمتیں سامنے آتی ہیں۔

بعثت سے پہلے دنیا کی حالت:

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے دور میں ہر قسم کی برائیاں تھیں، کوئی برائی ایسی نہیں ہے جو نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے نہ رہی ہو، قتل و غارت گری خون ریزی ڈکیتی زنا کاری عیاشی لوٹ مار اور اگر عقائد دیکھیں تو عقیدے کے اعتبار سے جتنی قسم کی برائیاں تھیں وہ اس دور میں موجود عقیدے اتنے خراب ہو گئے تھے کہ ایک پتھر جس کی پرستش ہو رہی ہے اگر اس سے خوبصورت پتھر مل گیا تو اسکو چھوڑ کر دوسرے پتھر کی پوجا شروع ہو جاتی تھی، خود مٹھائی بنائی اس پر چاندی کے ورق سجائے خوبصورتی نگاہوں میں بس گئی تو اسی کو خدا بنالیا، یہ وہ حقائق ہیں جو بعثت سے پہلے کی منظر کشی کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک صحابی آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! ایک مرتبہ تو بت نے مجھے فائدہ پہنچایا یہ سن کر صحابہ کرام ان کو تعجب سے دیکھنے لگے کہ یہ کیسی

بات ہوئی نفع نقصان پہنچانے والی ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے انہوں نے بتایا کہ میں نے ایک بت آٹے کا بنایا تھا جیسے بسکٹ ہوتا ہے بسکٹ کے قسم کا بت بنا کر اسکو اپنے پاس رکھ لیا، سفر میں تھا اسکی پوجا کرتا تھا سفر طویل ہو گیا راستہ میں توشہ ختم ہو گیا، اب کھانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی جب بھوک زیادہ لگی تو اس کا سر توڑ کر کھا لیا اس کا ہاتھ توڑ کر کھا لیا حضور ﷺ اور صحابہ کرام یہ سن کر ہنسنے لگے جہالت اور بے اعتقادی کی انتہا تھی، قتل و غارت گری اور معمولی معمولی باتوں پر برسہا برس تک قتل و قتال تو معمول تھا، اور یہ لڑائی پھر صدیوں چلتی رہتی تھی۔

جہالت کی انتہا:

آپ تاریخ کا مطالعہ کیجئے، کسی شخص کے کھیت میں ایک شخص کا اونٹ چلا گیا، کھیت والے نے اونٹ کو مارا پیٹا، اونٹ کے مالک کو پتہ چلا تو کھیت میں آیا وہ موجود نہ تھا وہاں اسکی بیوی تھی اس بیچاری کے سینے پر زوردار ہاتھ مارا، اس پر جو جھگڑا چلا تو کئی سال تک چلتا رہا اور باپ مرتے وقت بیٹے کو نصیحت کرتا کہ فلاں سے خون کا بدلہ لینا ہے، فلاں سے خون کا بدلہ باقی ہے تو برسہا برس تک معمولی معمولی باتوں پر لڑائی ہوا کرتی تھی، ایسی جہالت اور بد اعتقادیوں کی برائیوں میں یہ قوم مبتلا تھی ﴿ظُلُمٰتٌ ۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ﴾ (النور:۴۰) اور تاریکی ہی تاریکی اس دور میں تھی، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

چلن ان کے جتنے بھی تھے وحشیانہ نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ ہر ایک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
تھے وہ قتل و غارت میں چالاک ایسے درندے ہوں بے باک جنگل میں جیسے

ظہورقدسی:

ایسی قوم جس میں ہر قسم کی برائیاں تھیں اللہ تعالیٰ نے ان برائیوں کو دیکھا عرب میں بھی دیکھا عجم میں بھی دیکھا ظلمت ہی ظلمت تاریکی ہی تاریکی ضلالت اور گمراہی ہر سو پھیلی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا حدیث میں فرمایا جناب نبی کریم ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو دیکھا تو عرب اور عجم دونوں میں ضلالت اور گمراہی پھیلی ہوئی تھی مگر اہل کتاب کے بعض لوگ پہاڑوں اور گوشوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسکی یاد میں مصروف رہا کرتے تھے کیونکہ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین آسمان کو پیدا کیا ہے اس وقت سے قیامت تک کوئی نہ کوئی تو اللہ اللہ کرنے والا رہے گا ایسا نہ ہوگا کہ بالکل زمین صاف ہو جائے کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

لا تقوم الساعة حتی یقال فی الارض اللّٰہ اللّٰہ

[قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا رہے گا۔]

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ چند نیک لوگ تھے باقی تمام قوم گمراہی اور ضلالت میں مبتلا تھی۔

جب اپنی پوری جوانی پہ آگئی دنیا
جہاں کے واسطے اک آخری پیام آیا

تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا اور چاہا کہ تاریکی میں روشنی آئے ظلمات میں لائٹ اور روشنی کا انتظام ہو، تو فاران کی چوٹی سے جناب رسول اللہ ﷺ اس شان سے تشریف لائے کہ ایک ہاتھ میں آفتاب عالم تاب تھا تو دوسرے ہاتھ میں

ماہتاب ضوفشاں تھا، یہ دو چیزیں لے کر آپ اس دنیا میں تشریف لائے۔

نسخہ کیمیا:

یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت
بڑھا جانب قبیس ابر رحمت
ادا خاک بطحا نے کی وہ ودیعت
چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعاء خلیل اور نوید مسیحا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور ایک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

نور و کتاب منیر:

نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو دو چیزیں ساتھ لائے دائیں ہاتھ میں چمکتا ہوا آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب، آپ کہیں گے کہ یہ بات تو ہم نے کبھی نہیں سنی، اب میں اسکو کھولونگا تو بات آپ کی سمجھ میں آجائے گی، یہ آفتاب اور یہ ماہتاب کی روشنی کچھ بھی نہیں ہے، جو آفتاب اور ماہتاب نبی کریم ﷺ لے کر آئے یہ آفتاب اور ماہتاب کیا تھے؟ ایک ہاتھ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب لے کر آئے اور دوسرے ہاتھ میں اخلاق محمدی لے کر آئے تھے۔

اعلان نبوت:

اسی وجہ سے جب نبی کریم ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ. (الشعراء: ۲۱۴)

[اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے]

آپ نے حکم کی تعمیل میں صفا پہاڑی پر کھڑے ہوکر نبوت کا اعلان فرمایا، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا خدائے واحد کو پوجنے کی دعوت دی، اس صدائے حق کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ آپ کے پاس ہمیشہ آنے جانے والے اور آپ کے دوست تھے حتی کہ آپ کو صادق اور امین کہنے والے اور آپ کے رشتہ دار آپ سے خفا ہو گئے کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ خود نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت سے پہلے ان کے ضمیر کو جھنجوڑ کر فرمایا بتاؤ! مجھے تم نے سچا پایا یا اس کے برعکس جھوٹا پایا ان لوگوں نے کہا ہم نے بارہا آپ کو آزمایا آپ کی خلوت، جلوت، اٹھنا، بیٹھنا، کاروبار اور آپ کی ۴۰ سالہ زندگی ہمارے سامنے ہے، سب نے بالاتفاق کہا ہم نے آپ کی زندگی میں سچائی اور صدق کے سوا کچھ نہیں دیکھا، پھر فرمایا نبی کریم ﷺ نے اور اگر میں آپ سے کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے دشمن ہے جو تمہارے اوپر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم یقین کر لوگے، سب نے کہا بے شک کیوں کہ ہم نے آپ کی زبان سے کبھی جھوٹی بات سنی ہی نہیں ہم آپ کی بات پر یقین کریں گے، تو آپ نے کہا کہ میں تمہیں ایک رب کی دعوت دیتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

قولوا لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ تفلحون

[اگر تم یہ کہو گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو آپ کامیاب ہو جاؤ گے]

اسی وقت آپ کے چچا ابولہب نے پتھر اٹھا کر پھینکا، کہا برباد ہو جاؤ کیا اسی لئے ہمیں جمع کیا تھا، دوست اور سب جاننے والے دشمن بن گئے طرح طرح کی اذیتیں اور

تکلیفیں آپ کو پہنچانے لگے، آپ کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا، آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو قسم قسم کی اذیتیں پہنچائی گئیں مگر آپ برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ جب کفار مکہ عاجز ہو گئے تو انہوں نے آپ کے چچا ابو طالب کو وسیلہ بنایا کیونکہ وہ ہر وقت آپ کی حمایت کرتے تھے حفاظت کرتے تھے ان سے کہا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھاؤ اس نے ہمارے درمیان پھوٹ ڈال دی ہے، باپ بیٹے میں جنگ، بھائی بھائی میں جنگ، ان سے کہو کہ یہ دعوت چھوڑ دے ورنہ ہم اپنے طور پر ان سے نمٹ لیں گے، یہ سن کر ابو طالب آپ کے پاس آئے اور ان کی باتیں آپ کے سامنے نقل کی اور اپنے تئیں سمجھایا بجھایا حضور ﷺ نے ان کی باتیں دھیان سے سنیں اور اس کے بعد فرمایا چچا جان! اگر وہ میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب لاکر رکھ دیں (جو ممکن نہیں ہے) اور وہ مجھ سے یہ چاہیں کہ میں دین کی دعوت دینا بند کردوں تو بھی میں دعوت و تبلیغ کے کام سے باز نہیں آؤں گا، کوئی میری حفاظت کرے نہ کرے اللہ تعالیٰ میری حفاظت کر رہا ہے۔

چانداور سورج کی روشنی:

جو دعوت آپ لے کر آئے اس کے سامنے دنیاوی آفتاب و ماہتاب کی کوئی حیثیت نہیں، نبی کریم ﷺ ایک روشن کتاب لے کر آئے اور ایک روشن دل لے کر آئے یعنی قلب اطہر لے کر آئے جسے اخلاق محمدی کہتے ہیں، یہ دو روشن چیزیں لے کر آئے، فلاسفر کہتے ہیں کہ اصل میں چاند کی روشنی بھی اسکی اصل روشنی نہیں بلکہ آفتاب کی روشنی سے مستعار ہے آفتاب ہی سے اس میں روشنی آئی ہے " **نور القمر مستفاد من نور الشمس**" [یعنی چاند کی روشنی اسکی ذاتی نہیں بلکہ آفتاب سے نکل کر آئی ہے]

آفتاب میں حرارت اور تمازت ہے جسکی وجہ سے ہم اسے دیکھ نہیں سکتے لیکن چاند کو تو دیکھ سکتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر ٹھنڈک ہے حالانکہ چاند کی روشنی بھی آفتاب ہی کی روشنی ہے لیکن ایک خاص طریقہ سے سورج کا گزرنا اس میں برودت اور ٹھنڈک پیدا کر دیتا ہے اور ہم اسکو دیکھ سکتے ہیں، جیسا کہ دنیا میں آگ کی مثال ہے جب ہیٹر کو آن کرتے ہیں تو اس کے اندر آگ پیدا ہوتی ہے اسکو ہاتھ لگائیں گے تو ہاتھ جل جائے گا، اگر خاص مشین خاص انداز اور خاص طریقے سے فریج کے اندر کر دی جائے تو اس کے اندر ٹھنڈک پیدا ہو جائے گی۔

قلب اطہر کے برکات:

جس طرح کمال آفتاب کے اندر ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب قرآن مجید نہایت طاقتور اور پرکشش ہے، کوئی مخلوق اسکی طاقت کے سامنے ٹک نہیں سکتی، اسی طاقتور کتاب کو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے قلب اطہر میں ڈال دیا تو اس کتاب سے آپ کے دل میں ایسی ٹھنڈک پیدا ہوگئی جیسی کہ چاند میں ٹھنڈک ہے، روشنی تو سورج کی ہے، یہی حال کلام اللہ کا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے قلب محمدی میں اس روشنی کو خاص انداز سے ڈالا تو اس میں ٹھنڈک اور برودت پیدا ہوگئی اور اگر اللہ تعالیٰ انسان سے ڈائرکٹ کلام فرماتے تو کوئی مخلوق برداشت نہ کرسکتی۔

نبوت کے دو مقاصد:

حضور ﷺ کے پیغام اور حضور ﷺ کی ذات پر غور کریں تو نبوت کے دو مقاصد سامنے آتے ہیں، پہلا علمی کمال یعنی کتاب اللہ اور دوسرا عملی کمال یعنی اخلاق محمدی، علم

انسان کو منزل کی راہ دکھلاتا ہے،علم منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے راستہ ہموار کرتا ہے،اب اگر آپ کو راستہ معلوم ہو لیکن منزل تک پہنچنے کی قوت نہ ہو تو آپ چل نہیں سکتے ،قوت اخلاق سے آدمی میں عمدہ صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔

ایک آدمی جہاں میں اپنے جو ہر دکھلانا چاہتا ہے جہاد کے تمام طریقے اسکو معلوم ہیں مگر اس کے دل میں بزدلی ہے تو وہ میدان کارزار میں نہیں کود سکتا،ایک آدمی سخی بننا چاہتا ہے اسکو معلوم بھی ہے کہ کس کے ساتھ ہمدردی کرنی چاہیئے اور کس شخص کی مدد کرنی چاہیئے مگر اس میں بزدلی ہے تو وہ کسی کو ایک کوڑی بھی نہیں دے گا،تو علم منزل مقصود تک پہنچنے کی اخلاقی قوت پیدا کرتا ہے،معلوم ہوا کہ علم کے دو بنیادی مقاصد ہیں،ایک علمی کمال اور ایک عملی کمال اب دنیاوی سعادت کی دو بنیادیں ہو گئیں،ایک علم اور دوسرا اخلاق۔

انعام یافتہ لوگ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس سعادت کو حاصل کرنے والوں کو چار انواع میں تقسیم کیا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء: ٦٩)

[اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا تو ایسے لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اپنا خاص انعام کیا ہے یعنی پیغمبر،اولیاء،شہداء اور صالحین]

یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن

پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین لیکن حقیقت میں یہ دو ہی قسم ہیں، اس لئے کہ نبوت اور صداقت علم کی بارگاہ کی دو چیزیں ہیں اور شہداء اور صالحین عمل کی بارگاہ کی دو چیزیں ہیں اس لئے کہ نبی نبا سے ماخوذ ہے اس کے معنیٰ خبر دینے کے ہیں اور صدیق کے معنیٰ تصدیق کرنے والا ہے فرق اتنا ہے کہ علم کے اعتبار سے نبی اصل ہے اور صدیق ان کے تابع ہے یا یوں کہیں کہ نبی کو علم براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے اور صدیق کو واسطے سے۔

شہداء اور صلحاء:

اسی طرح عمل کے اعتبار سے شہداء اور صالحین ہیں، شہید اس شخص کو کہتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ نفسانی خواہشات کو دفن کر دے بلکہ اپنی جان تک کو بھی اللہ کی راہ میں قربان کر دے اسکو شہید کہتے ہیں، جبکہ صالح اس شخص کو کہتے ہیں جو صرف نفسانی خواہشات کو فنا کر دے، مٹا دے، اگر شہید راستہ صاف نہ کرتا تو صالح کی صلاحیت اور نیکی بھی نہیں چل سکتی، تو شہید اصل ہے جبکہ صالح اس کے تابع ہے، اسی طرح نبی علم کے اعتبار سے اصل ہے اور صدیق تابع تو حقیقت میں چاروں دو ہی قسم کے لوگ ہیں ایک علمی اعتبار سے اور ایک عملی اعتبار سے جس طرح علم کے اعتبار سے نبی اصل ہے اسی طرح عمل کے اعتبار سے بھی اخلاق محمدی اصل ہے، آپ نے اخلاق کا علم سکھلایا تو اخلاق کے سارے راستے ہموار ہو گئے اور اخلاقی اعمال چل پڑے اسکی مثال اس طرح ہے جس طرح ریل گاڑی کے چلنے کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں، ایک لوہے کی پٹڑی، دوسرے اس کے انجن کے اندر اسٹیم، اگر ریل گاڑی آپ چلانا چاہتے ہیں پٹڑی بھی ہے ریل گاڑی بھی ہے انجن بھی

ہے مگراس میں اسٹیم نہیں ہے تو اسکو چلانے کے لئے خواہ کتنے ہی آدمی لگ جائیں پھر بھی دو چار قدم یا زیادہ سے زیادہ ایک میل تک دھکیل لیں گے مگر آخر تھک جائیں گے اور گاڑی کو آگے دھکیلنا ممکن نہ ہوگا، اگر بھاپ بھی ہے انجن بھی ہے مگر پٹری نہیں ہے تو آپ اسکو جتنا بھی چلائیں گے زمین میں دھنستی چلی جائے گی۔

نبی کریم ﷺ کی علمی شان:

تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو علمی کمال بھی عطا فرمایا تھا اور قلب محمدی بھی عطا فرمایا تھا، سارے علوم جو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو عطا فرمائے تھے وہ تمام نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کے اندر موجود تھے۔اسی لئے تو نبی کریم انے فرمایا:

اعطیت علم الاولین والاٰخرین

[مجھے اللہ تعالیٰ نے اولین وآخرین کے علوم عطا فرمائے ہیں۔]

اب عالم کو علم ملا ہے تو نبی کریم ﷺ کے صدقے میں، صوفی کو طریقت اور اخلاق کی لائن ملی ہے تو وہ بھی نبی کریم ﷺ کے صدقے میں، صدیق کو صداقت ملی ہے تو نبی کریم ﷺ کے صدقے میں، شہید کو شہادت کا درجہ ملا ہے تو نبی کریم ﷺ کے صدقے میں، نمازی کو نمازی کا درجہ ملا ہے تو وہ نبی کریم ﷺ کے صدقے میں، اور اگر صالح کو صالح ہونے کا درجہ ملا ہے تو وہ بھی نبی کریم ﷺ کے صدقے میں ملا ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو سارے ضروری علم عطا فرمائے تھے مگر حال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ دعا کر رہے ہیں کہ "رب زدنی علما" اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما، علم خشیت الٰہی کا باعث ہوتا ہے کیونکہ علم ایک ایسی نعمت اور جوہر ہے کہ جب علم ملتا ہے تو اس سے معرفت پیدا

ہوتی ہے، جس چیز کا علم حاصل کریں گے اسی چیز کی معرفت حاصل ہوگی، جب اللہ کا علم حاصل کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی، جب اللہ کی معرفت حاصل ہوگی تو خوف خداوندی حاصل ہوگا، مثلاً ایک شخص کی گائے گم ہوگئی ادھر ادھر تلاش کرنے لگا تلاش کرتے کرتے جنگل میں پہنچا، دیکھا کہ جھاڑیوں کے پیچھے بیٹھی ہوئی ہے تلاش کرتے کرتے بہت تھک گیا تھا بہت خوش ہوا اور جلدی جلدی جھاڑیوں کی طرف جانے لگا قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہ شیر ببر ہے اب ڈرا کیونکہ پہلے علم نہ تھا وہ سمجھا تھا کہ گائے ہے جب معرفت ہوئی کہ یہ گائے نہیں شیر ببر ہے تو پھر خوف پیدا ہوا، اسی طرح علم سے معرفت خداوندی پیدا ہوتی ہے اور معرفت کی خاصیت یہ ہے کہ خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔

تو نبی کریم ﷺ کو وہ سارے علوم عطا کئے گئے تھے جو پہلے نبیوں کو عطا کئے گئے تھے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (الشعراء: ۱۹۶)

[آپ کو اگلوں کے علوم عطا کئے گئے تھے۔]

ہمارے جسم میں علماء کی بستی:

مثال کے طور پر ہمارے جسم میں اللہ تعالیٰ نے چہرہ بنایا ہے، اس چہرے پر مختلف اعضاء ہیں، آنکھ ہے، کان ہے، منہ ہے، ناک ہے تو آنکھ ایک عالم ہے لیکن اس کا علم یہ ہے کہ وہ چیزوں کو دیکھتی ہے کہ چیزوں کی شکل وشباہت اور رنگ کیسا ہے؟ کالا ہے، پیلا ہے، گورا ہے وغیرہ، کان بھی ایک عالم ہے جس کا علم یہ ہے کہ وہ آوازوں کی پہچان کرتا

ہے کہ آواز اچھی ہے یا بری، بھدی ہے یا سریلی، زبان کا کام چکھنا ہے یہ چکھ کر چیزوں کا مزہ بتاتی ہے کہ کھانا مزیدار ہے یا بے مزہ، یہ چیز کڑوی ہے یا میٹھی وغیرہ، ناک بھی ایک عالم ہے جس کا کام یہ ہے کہ وہ سونگھتی ہے یہ سونگھ کر بتا دیتی ہے کہ یہ بدبو ہے، یہ خوشبو ہے، یہ گلاب ہے، یہ چنبیلی ہے وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے چہرے میں یہ عالم رکھے ہیں، آنکھ کا کام ہے دیکھنا، کان کا کام ہے سننا، ناک کا کام ہے سونگھنا، اور زبان کا کام چکھنا ہے، یہ تمام اعضاء ایک دوسرے سے دو دو، تین تین انچ کے فاصلے پر ہیں، مگر ایک کا کام دوسرا انجام نہیں دے سکتا، اگر آپ چاہیں کہ کسی چیز کی کڑواہٹ آنکھ کے ذریعے معلوم کریں تو آنکھ کہے گی کہ یہ میرا کام نہیں ہے یہ زبان کا کام ہے یا آپ کسی چیز کی خوشبو زبان سے معلوم کرنا چاہیں تو زبان کہے گی کہ یہ میرا کام نہیں، ناک کا کام ہے، ایک عضو کا کام دوسرا عضو نہیں کرسکتا۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے دماغ میں ایک حس مشترک رکھی ہے جس کا نام ہے ''ام الدماغ'' اور یہ حس اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ اگر آنکھ نے کسی چیز کو دیکھا تو ام الدماغ اسکو محفوظ کرلیتی ہے یا آپ نے کوئی چیز چکھی تو وہ چیز چکھ کر ختم ہوگئی مگر ام الدماغ نے اس چیز کی بدمزگی یا مزہ کو محفوظ کرلیا، آپ نے سریلی یا بری آواز سن لی تو وہ آواز کان سے نکل گئی مگر ام الدماغ نے اسکو محفوظ کرلیا اسی طرح ہر چیز کا معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان کوئی چیز کھاتا ہے اور سال بھر کے بعد دوبارہ وہی چیز اس کے سامنے لائی جاتی ہے تو وہ فوراً پہچان لیتا ہے کہ فلاں تاریخ کو فلاں دن فلاں رات فلاں وقت فلاں صاحب کے گھر یہ چیز کھائی تھی، اس طرح کیوں ہوتا ہے؟ جبکہ یہ چیز سال بھر پہلے کھائی ہوئی ہوتی

ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ام الدماغ نے اس چیز کے ذائقے کو محفوظ کرلیا ہوتا ہے اور جب دوبارہ اس چیز کواس کے سامنے لایا جاتا ہے تو وہ فوراً پہچان جاتا ہے۔

تو میں عرض کررہا تھا کہ ہمارے جسم میں اللہ کریم نے علماء کی بستی بنائی ہے، علم کے ذریعہ معرفت حاصل ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم قرآن عطافرمایاہے، علم حدیث عطافرمایاہے، علم فقہ عطافرمایاہے، علم تاریخ عطافرمایاہے، ہم ان علوم پر محنت کریں خود بھی وقت نکالیں اور بچوں کو بھی اسلامی تعلیم دلوائیں تو نفع ہوگا، اللہ کریم ہم سب کو عمل صالح کی توفیق عطافرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆